# الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة

تاليف

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

تحقیق و تسہیل

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی

استاذ دار العلوم ندوة العلماء لکھنؤ

صدر معہد الشریعہ لکھنؤ

مکتبہ معہد الشریعہ، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# الحيلة الناجزة
# للحليلة العاجزة

(مظلوم عورتوں کی مشکلات کا حل)

چند اہم ضمیموں کے ساتھ:

- المختارات في مهمات التفريق والخيارات
- حكم الازدواج مع اختلاف دين الأزواج
- مجموعة الفتاوىٰ المالكية
- رفاق المجتهدين للنظر في وفاق المجتهدين
- المرقومات للمظلومات

تالیف:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

تحقیق و تسہیل

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی

استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ (انڈیا)

صدر معہد الشریعہ، لکھنؤ (انڈیا)

مکتبہ معہد الشریعہ، لکھنؤ (انڈیا)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں


| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | **الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة** |
| تالیف | : | حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ |
| تحقیق وتسہیل | : | مولانا مفتی عتیق احمد قاسمی بستوی |
| | | فون نمبر 9839776083 |
| | | m.ateeque.bastavi@gmail.com |
| سن اشاعت | : | ۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ء (طبع اوّل) |
| صفحات | : | |
| قیمت | : | |
| ناشر | : | مکتبہ معہد الشریعہ، لکھنؤ |


## ملنے کے پتے

(۱) مکتبۃ الفرقان نظیر آباد، لکھنؤ

(۲) مکتبہ ندویہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

(۳) مکتبہ احسان ندوہ روڈ ٹیگور مارگ، لکھنؤ

(۴) دارین بکڈ پو ندوہ روڈ، لکھنؤ

(۵) دارالکتاب، دیوبند

(۶) مکتبہ نعیمیہ، دیوبند

(۷) کتب خانہ عزیزیہ، دہلی

# اجمالی فہرست

مقدمۂ تحقیق — مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی — ۲۱ - ۳۱

پیش لفظ — حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی — ۳۲ - ۳۸

پہلا رسالہ

**الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة** — ۳۹ - ۱۲۸

دوسرا رسالہ

**المختارات في مهمات التفريق والخيارات** — ۱۲۹ - ۱۵۸

تیسرا رسالہ

**حكم الازدواج مع اختلاف دين الازواج** — ۱۵۹ - ۱۸۰

چوتھا رسالہ

**مجموعة الفتاوى المالكية** — ۱۸۱ - ۲۷۸

پانچواں رسالہ

**المرقومات للمظلومات** — ۲۷۹ - ۳۵۰

چھٹا رسالہ

**رفاق المجتهدين للنظر في وفاق المجتهدين** — ۳۵۱ - ۳۶۶

ساتواں رسالہ

ہندوستان اور نظام قضاء — ۳۶۷ - ۴۱۹

# فہرست مضامین


مقدمہ ۲۱

پیش لفظ ۳۲

## پہلا رسالہ

## الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة

رسالہ کی پہلی وجہ تصنیف ۴۱

ضرورت شدیدہ میں دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتویٰ دینا ۴۳

تصنیف رسالہ کی دوسری وجہ ۴۴

ترتیب رسالہ ۴۵

اس رسالہ پر عمل کرنے والوں کے لئے ضروری ہدایت ۴۶

تنبیہ ۴۶

معاونین تصنیف اوران کے لئے درخواست دعا ۴۷

### جزوِ اوّل - تفویض طلاق بوقت نکاح ۴۸

تفویض کی پہلی صورت ۴۹

تفویض کی دوسری صورت ۵۰

تفویض کی تیسری صورت ۵۲

فائدہ - نکاح معلق اور مشروط میں فرق ۵۳

ضروری مشورہ ۵۳

تنبیہ ضروری ۵۴

تنبیہ دوم ۵۶

تکملہ ۵۷

کابین نامہ ۵۷

کابین نامہ ۵۸

دونوں کابین ناموں میں فرق ۵۹

## جزءِ دوم - قاضی کے فیصلہ کے ذریعہ میاں بیوی میں تفریق ۶۰

مقدمہ - ہندوستان اور دیگر غیر اسلامی ممالک میں قاضی کے فیصلہ کا حکم ۶۱

قضائے قاضی کے متعلق اہل علم کے لئے ایک مفید بحث ۶۱

موجودہ جج، مجسٹریٹ وغیرہ کا فیصلہ کن شرائط کے ساتھ معتبر ہے ۶۵

## جماعت مسلمین کا حکم ۶۷

ضرورت شدیدہ میں مذہب غیر پر فتویٰ دینا ۶۷

مذہب غیر کو اختیار کرنے پر ایک اشکال اور اس کا جواب ۶۹

## جماعت مسلمین کے بارے میں ضروری تنبیہات ۷۵

تنبیہ اوّل ۷۵

تنبیہ دوم ۷۵

تنبیہ سوم ۷۶

## عنین (نامرد) کی بیوی کا حکم ۷۸

سوالات ۷۸

جواب سوال نمبر ۱ ۷۸

عنین کی تعریف ۷۸

جواب سوال نمبر ۲ ۷۹

جواب سوال نمبر ۳ ۷۹

عنین کی بیوی کے متعلق دعوی اور فیصلہ کا طریقہ ۷۹

تفریق کی شرطیں ۸۳

پہلی شرط ۸۳

دوسری شرط ۸۴

تیسری شرط ۸۴

چوتھی شرط ۸۵

پانچویں شرط ۸۶

جواب سوال نمبر ۴ ۸۶

چند فوائد ۸۷

فائدہ اول- مجبوب کا حکم ۸۷
اس فائدہ کا تتمہ ۸۷
فائدہ دوم ۸۸
ہدایت ۸۸

## مجنون کی بیوی کا حکم ۸۹

سوالات ۸۹
جوابات ۸۹
موجب تفریق جنون کی حد ۹۰
ایک احتیاط ۹۱
دعویٰ اور تفریق کی صورت ۹۳
جنون کی وجہ سے تفریق کی شرطیں ۹۳
مجنون کی بیوی کے مہر وعدت کا حکم ۹۴
تنبیہ ضروری- نکاح کے بعد پیدا ہونے والے جنون کا حکم ۹۶
تنبیہ ۹۷
مجنون میں شرائط تفریق نہ ہونے کی صورت میں ایک گنجائش ۹۹

## حکم زوجۂ مفقود ۱۰۰

ملقب بہ نہایۃ المقصود فی بیان المفقود ۱۰۰
ضرورت شدیدہ میں امام مالک کے مذہب پر فتوی ۱۰۱
علماء مالکیہ سے استفتاء اور قیود وشروط کی تحقیق ۱۰۳
سوالات ۱۰۴
جوابات ۱۰۵
جواب سوال اول- مفقود کی بیوی کے دعویٰ اور حکم بالموت کی صورت ۱۰۵
جواب سوال دوم- چار سال کی میعاد حاکم کی تفتیش اور ناامیدی کے بعد ہوگی ۱۰۷
جواب سوال سوم- حکم بالموت کے لئے قضائے قاضی شرط ہے ۱۰۷
جواب سوال چہارم- تفتیش مفقود کی صورت اور اس کے مصارف ۱۰۸
جواب سوال پنجم- قاضی شرعی نہ ہو تو اس کا قائم مقام کون ہوسکتا ہے؟ ۱۰۹
اس جواب کا تکملہ ۱۰۹

جواب سوال ششم- ہندوستان وغیرہ مما لک مفقود کے مسئلہ میں دارالاسلام کے حکم میں ہیں ۱۱۱
مفقود کی واپسی کے احکام ۱۱۱
سوالات ۱۱۱
جوابات ۱۱۲
فائدہ - اندیشۂ ابتلاء کے وقت مفقود کی بیوی کے لئے ایک مزید وسعت ۱۱۶
فائدہ کا تتمہ ۱۱۷

## متعنت فی النفقۃ کی بیوی کا حکم ۱۱۸

سوالات ۱۱۸
جوابات ۱۱۸

## غائب غیر مفقود کی بیوی کا حکم ۱۲۱

سوالات ۱۲۱
جوابات ۱۲۱
تفریق کی صورت اور اس کی شرطیں ۱۲۱
ضروری تنبیہ - غائب کے پاس حکم بھیجنے کی ضرورت اور اس کی صورت ۱۲۲
فائدہ - غائب اگر دور دراز مما لک میں ہو تو حکم بھیجنا شرط نہیں ۱۲۳
غائب اگر واپس آجائے تو کیا حکم ہے؟ ۱۲۳

## تصدیقات ۱۲۵

تصدیقات علمائے تھانہ بھون ۱۲۵
تصدیقات علماء دیوبند ۱۲۶
تصدیقات علماء سہارنپور ۱۲۷

دوسرا رسالہ

# المختارات فی مهمات التفريق والخيارات

تتمہ کی تمہید ۱۳۱
حرمت مصاہرت - تحقق حرمت کے اسباب وشرائط ۱۳۲
فیصلہ کا طریقہ ۱۳۵

حلف وتصدیق اور شہادت کے متعلق ضروری توضیح ۱۳۶
ایک ضروری فائدہ ۱۳۸
مسئلہ اوّل ۱۳۹
مسئلہ دوم ۱۳۹

## خیار بلوغ ۱۴۱

باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کا لازم ہونا اور اس کے شرائط ۱۴۱
باپ دادا کے سوا دوسرے اولیاء کا حکم ۱۴۲
خیار بلوغ حاصل ہونے کی صورت ۱۴۲
ضروری تنبیہ ۱۴۳
خیار بلوغ باقی رہنے کی شرط اور اس کی تفصیل ۱۴۳
فائدہ موعودہ - باکرہ کے لئے خیار بلوغ میں گواہ بنانے کی ضرورت اور اس کی تفصیل ۱۴۷
قاضی کے یہاں درخواست دینے کی صورتیں ۱۴۸
شرط فوت ہونے پر مکرر تنبیہ ۱۵۰

## خیار کفاءت ۱۵۰

پہلی صورت ۱۵۰
فائدہ ۱۵۱
دوسری صورت ۱۵۱
تیسری صورت ۱۵۲
چوتھی صورت ۱۵۲
پانچویں صورت ۱۵۳
چھٹی صورت ۱۵۴
فائدہ ۱۵۶
تصدیقات ۱۵۸

## تیسرا رسالہ

# حکم الازدواج مع اختلاف دین الأزواج

## اختلاف مذہب کی صورتیں اور حکم


| | |
|---|---|
| تمہید | ۱۶۱ |
| دوسری صورت کے احتمال اول ودوم کا حکم | ۱۶۳ |
| تیسرے احتمال کے جزءاول کا حکم | ۱۶۳ |
| دوسرے جزء کا حکم | ۱۶۴ |
| عدت کا حکم | ۱۶۴ |
| چوتھا احتمال | ۱۶۵ |
| فائدہ | ۱۶۵ |
| شوہر کے مرتد ہوجانے کا حکم | ۱۶۶ |
| تنبیہ ضروری | ۱۶۶ |
| بیوی کے مرتد ہوجانے کا حکم | ۱۶۷ |
| رفع الاشتباہ | ۱۷۰ |
| روایات مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہوگیا | ۱۷۲ |
| بیوی کے ارتداد سے نکاح فسخ نہیں ہوتا | ۱۷۵ |
| بعض ضروری مسائل | ۱۷۵ |
| مسئلہ-۱ | ۱۷۵ |
| مسئلہ-۲ | ۱۷۶ |
| مسئلہ-۳ | ۱۷۶ |
| خلاصہ فتوی | ۱۷۶ |
| تصدیقات | ۱۷۸ |
| از امداد العلوم تھانہ بھون | ۱۷۸ |
| از مدرسہ عالیہ دار العلوم دیوبند | ۱۷۹ |
| از مہر عالیہ مظاہر علوم سہارنپور | ۱۷۹ |

چوتھا رسالہ

## وهذه مجموعة الفتاوىٰ المالكية لأرباب الفتوىٰ من علماء المدينة المنورة التى وعدنا في التمهيد أن نلحقها بآخر الرسالة مع عدد الروايات التي أخذنا ها ليتيسر الرجوع إلى أصلها


الاستفتاء من العلماء المالكية أولا ١٨٣

الجواب من العلامة سعيد بن صديق الفلاتي دامت بركاتهم مفتى المالكية بالمدينة المنورة زادها الله نوراً ١٨٥

الجواب من العلامة ألفاهاشم رحمه الله تعالى مفتي المالكية بالمدينة المنورة زادها الله شرفا ١٨٩

الجواب من العلامة محمد طيب بن إسحاق الأنصاري المالكي دامت بركاته المدرس بالمسجد النبوي على صاحبه الصلوة والسلام ١٩٥

الاستفتاء من العلماء المالكية ثانياً ٢٠٠

الجواب من العلامة الصالح التونسى دامت بركاته المدرس في المسجدالنبوي بالمدينة المنورة ٢٠١

الجواب من العلامة سعيد بن صديق الفلاتي متعنا الله تعالى بعلومه ٢٠٦

الاستفتاء مرة ثالثة ٢٢٠

الجواب من العلا مة محمد طيب بن إسحق الأنصاري المدنى المدرس بالمسجد النبوي على صاحبها الصلٰوة والسلام ٢٢٢

**الجواب من العلامة الصالح التونسي المالكي المدرس بالمسجد الشريف بالمدينة المنورة** ۲۲۵
**الاستفتاء من العلماء المالكية بالمرة الرابعة** ۲۲۷
**الفتوى من العلامة محمد بن علي البيضاوي المالكي متع الله المقتبسين بعلومهم** ۲۲۹
ضروری اطلاع ۲۳۱
اضافۂ اوّل ۲۳۲
اضافۂ دوم ۲۳۲
تنبیہ ضروری ۲۳۳
**الاستفتاء بالمرة الخامسة** ۲۳۵
**الجواب من الشيخ عبد الله الفلاتي المدرس بالحرم النبوي** ۱۳۸
**الجواب من العلامة الصالح التونسى المدرس بالحرم النبوي مع اختصار يسير** ۲۴۷
**إعلام** ۲۴۹

**الحيلة الناجزة** اور اس کے ضمیموں کے بارے میں غیر منقسم ہندوستان کے مشاہیر علماء واصحاب افتاء کی تصدیقات وآراء

تصدیقات حضرات علماء دہلی

از مدرسہ اسلامیہ فتحپوری ۲۵۳
از مدرسہ عبدالرب دہلی ۲۵۴
از مدرسہ حسینہ دہلی ۲۵۵

تصدیقات حضرات علماء میرٹھ

از مدرسہ اسلامیہ صدر بازار میرٹھ ۲۵۶
از مدرسہ عالیہ شہر میرٹھ ۲۵۶
تصدیق از حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھ ۲۵۷

## تصدیقات حضرات علماء مرادآباد


از مدرسہ امدادیہ مرادآباد ۲۵۹

از مدرسہ شاہی مرادآباد ۲۶۰


## تصدیقات علماء جالندھر (پنجاب)


از خیرالمدارس جالندھر شہر ۲۶۲

از مدرسہ رشیدیہ رائے پور ضلع جالندھر ۲۶۳

تصدیق از مدرسہ راندیر ضلع سورت ۲۶۵


## تصدیقات علماء امرتسر


از مدرسہ نعمانیہ امرتسر ۲۶۸


## تصدیق از مدرسہ بہاولپور


از مدرسہ عربیہ احمد پور شرقیہ بہاولپور ۲۶۹


## تصدیقات علماء کراچی


از مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی ۲۷۰


## تصدیقات علماء گوجرانوالہ


از مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ ۲۷۱


## تصدیقات علماء کشمیر


از دارالفتاوی سوپور کشمیر ۲۷۲


## تصدیقات علماء ڈھاکہ


از مدرسہ عالیہ ڈھاکہ ۲۷۳


## آراء حضرات علماء بہار


از امارت شرعیہ بہار ۲۷۷

## چوتھا رسالہ

# المرقومات للمظلومات


| | |
|---|---|
| تینوں رسائل کا خلاصہ | ۲۸۱ |


# خلاصہ

# الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة


| | |
|---|---|
| سوالات | ۸۴ |
| جوابات | ۲۸۴ |
| تفویض طلاق کا حکم | ۲۸۴ |
| تفویض کی بہترین صورت | ۲۸۴ |
| کابین نامہ | ۲۸۵ |
| اس کابین نامہ کا اثر | ۲۸۶ |
| جزءدوم | ۲۸۷ |
| **مقدمہ** | ۲۸۷ |
| ہندوستان میں قاضی کے فیصلہ کی صورت | ۲۸۸ |
| جماعت مسلمین کا حکم | ۲۸۸ |
| جماعت مسلمین کی شرائط | ۲۸۹ |
| فسخ نکاح کے اسباب | ۲۹۰ |
| عنین (نامرد) کی بیوی کا حکم | ۲۹۰ |
| سوالات | ۲۹۰ |
| جوابات | ۲۹۱ |
| عنین کس کو کہتے ہیں | ۲۹۱ |
| عنین کی بیوی کے بارے میں دعوی اور فیصلہ کا طریقہ | ۲۹۱ |
| عنین کی بیوی کے لئے شرائط تفریق | ۲۹۳ |
| جواب سوال نمبر ۴ | ۲۹۵ |
| **فائدہ - مجبوب کا حکم** | ۲۹۵ |

فائدہ کا تتمہ ۲۹۵
ہدایات ۲۹۵

## مجنون کی بیوی کا حکم ۲۹۶

سوالات ۲۹۶
جوابات ۲۹۶
مجنون کی بیوی کے لئے خیار فسخ ۲۹۶
دعویٰ اور تفریق کی صورت ۲۹۷
تفریق کی شرطیں ۲۹۷
دونوں شرطوں سے متعلق فائدہ ۲۹۸
فائدہ - شرائط نہ ہونے پر مجنون کی بیوی کے لئے ایک گنجائش ۲۹۹

## مفقود کی بیوی کا حکم ۳۰۰

مفقود کے مسئلے میں ایک عام کوتاہی ۳۰۱
علماء مالکیہ سے استفتاء اور شروط و قیود کی تحقیق ۳۰۰
سوالات ۳۰۱
اوّل ۳۰۱
دوم ۳۰۱
سوم ۳۰۱
چہارم ۳۰۱
پنجم ۳۰۲
ششم ۳۰۲
جوابات ۳۰۲
پہلے سوال کا جواب ۳۰۲
مفقود کی بیوی کے دعویٰ اور دارالاسلام میں مفقود پر حکم بالموت کی صورت ۳۰۲
دوسرے سوال کا جواب ۳۰۳
چار سال کی میعاد حاکم کی تفتیش اور ناامیدی کے بعد ہوگی ۳۰۳
تیسرے سوال کا جواب ۳۰۳

موت کا حکم لگانے کے لئے قاضی کے فیصلہ کی شرط ۳۰۳
چوتھے سوال کا جواب ۳۰۴
مفقود کی تفتیش کا طریقہ اور اس کے مصارف ۳۰۴
پانچویں سوال کا جواب ۳۰۴
شرعی قاضی نہ ہوتو اس کا قائم مقام کون ہوسکتا ہے؟ ۳۰۴
اس جواب کا تتمہ ۳۰۵
چھٹے سوال کا جواب ۳۰۵
ہندوستان وغیرہ مفقود کے مسئلہ میں دارالاسلام کے حکم میں ہیں ۳۰۵
مفقود کی واپسی کے احکام ۳۰۶
سوالات ۳۰۶
جوابات ۳۰۷
فائدہ - اندیشۂ ابتلاء کے وقت مفقود کی بیوی کے لئے ایک مزید وسعت ۳۰۸
اس فائدہ کا تتمہ ۳۰۹

## متعنت فی النفقة کی بیوی کا حکم ۳۱۰

متعنت کی تعریف ۳۱۰
سوالات ۳۱۰
جوابات ۳۱۰
دعویٰ اور تفریق کی صورت ۳۱۰
متعنت اپنے ظلم سے باز آجائے تو کیا حکم ہے؟ ۳۱۱

## غائب غیر مفقود کی بیوی کا حکم ۳۱۳

سوالات ۳۱۳
جوابات ۳۱۳
تفریق کی صورت اور اس کی شرطیں ۳۱۳
غائب کے پاس حکم بھیجنے کی ضرورت اور اس کا طریقہ ۳۱۴
تنبیہ ضروری ۳۱۴
فائدہ - غائب شخص اگر دور دراز کے ممالک میں ہوتو حکم بھیجنا شرط نہیں ۳۱۵
غائب اگر واپس آجائے تو کیا حکم ہے؟ ۳۱۵

# خلاصہ

# المختارات في مهمات التفريق والخيارات


## حرمت مصاہرت ۳۱۸

حرمت ثابت ہونے کے اسباب وشرائط ۳۱۸
حرمت ثابت ہونے کے بعد شوہر کا چھوڑنا یا قاضی کے ذریعہ تفریق شرط ہے ۳۱۹
فیصلہ کا طریقہ ۳۲۰
حلف اور تصدیق اور شہادت کے متعلق ضروری توضیح ۳۲۱
ایک ضروری فائدہ ۳۲۲
مسئلہ اوّل ۳۲۳
مسئلہ دوم ۳۲۳

## خیار بلوغ ۳۲۴

باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کا لازم ہونا اور اس کی شرطیں ۳۲۴
باپ دادا کے علاوہ اور اولیاء کا حکم ۳۲۵
خیار بلوغ حاصل ہونے کی صورت ۳۲۵
خیار بلوغ کے لئے قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ۳۲۵
تنبیہ ضروری ۳۲۶

## فائدہ موعودہ ۳۲۸

باکرہ کے لئے خیار بلوغ میں گواہ بنانے کی ضرورت اور اس کی تفصیل ۳۲۸
قاضی کے یہاں درخواست دینے کی تین صورتیں ۳۲۹
اوّل ۳۲۹
دوم ۳۲۹
سوم ۳۲۹
شرط مفقو ہونے پر مکرر تنبیہ ۳۳۰

## خیار کفاءت ۳۳۰

پہلی صورت ۳۳۰
فائدہ ۳۳۱

| | |
|---|---|
| دوسری صورت | ۳۳۱ |
| تیسری صورت | ۳۳۱ |
| چوتھی صورت | ۳۳۲ |
| پانچویں صورت | ۳۳۲ |
| چھٹی صورت | ۳۳۳ |


# خلاصة

# حكم الازدواج مع اختلاف دين الأزواج


| | |
|---|---|
| تمہید | ۳۳۴ |
| میاں بیوی کے مذہب کے اختلاف کی دو صورتیں | ۳۳۴ |
| اختلاف مذہب کی پہلی صورت کا حکم | ۳۳۴ |
| دوسری صورت کے احتمال اول ودوم کا حکم | ۳۳۵ |
| تیسرے احتمال کے جزء اول کا حکم | ۳۳۵ |
| دوسرے جزء کا حکم | ۳۳۶ |
| عدت کا حکم | ۳۳۷ |
| میاں بیوی میں سے ایک کے اسلام لانے کی صورت میں | ۳۳۷ |
| فائدہ | ۳۳۷ |
| شوہر کے مرتد ہونے کا حکم | ۳۳۸ |
| بیوی کے مرتد ہونے کا حکم | ۳۳۸ |
| روایات کی تفصیل | ۳۳۸ |
| تمام روایات کا متفق علیہ حکم | ۳۴۰ |
| **بعض مسائل ضروریہ** | ۳۴۱ |
| مسئلہ نمبر (۱) | ۳۴۱ |
| مسئلہ نمبر (۲) | ۳۴۱ |
| مسئلہ نمبر (۳) | ۳۴۲ |
| خلاصہ فتوی | ۳۴۲ |
| خاتمة الخلاصة | ۳۴۲ |

| | |
|---|---|
| **تصدیقات** | ۳۴۳ |
| ازمدرسہ امدادالعلوم تھانہ بھون | ۳۴۳ |
| ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون | ۳۴۴ |
| ازمظاہرعلوم سہارنپور | ۳۴۵ |
| ازدارالعلوم دیوبند | ۳۴۶ |
| **المختارات فی مہمات التفریق والخیارات** کی تصدیقات | ۳۴۷ |
| تصدیق | ۳۴۷ |
| تصدیق | ۳۴۷ |
| **حکم الازواج مع اختلاف دین الازواج** کی تصدیقات | ۳۴۸ |
| ازمدرسہ امدادالعلوم تھانہ بھون | ۳۴۸ |
| ازمدرسہ دارالعلوم دیوبند | ۳۴۹ |
| ازمدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور | ۳۴۹ |

چھٹا رسالہ

**رفاق المجتهدين للنظر فی وفاق المجتهدين**

| | |
|---|---|
| **رسالہ رفاق المجتہدین** کا تتمہ | ۳۶۲ |
| **الجواب** | ۳۶۴ |

ساتواں رسالہ

ہندوستان اور نظام قضاء

| | |
|---|---|
| حرف چند | ۳۶۹ |
| پیش لفظ وتعارف | ۳۷۱ |
| نظام قضاء اور مسلمان | ۳۷۳ |
| ہندوستان میں قضاء شرعی کا نظام | ۳۷۳ |
| انگریزی دور میں نظام قضاء | ۳۷۴ |
| شریعت ایکٹ کے بعد | ۳۷۵ |
| علماء کا کارنامہ | ۳۷۶ |
| آزادی کے بعد | ۳۷۷ |
| موجودہ حالات کا جائزہ | ۳۷۹ |

| | |
|---|---|
| مسلمانان ہند کی ذمہ داری | ۳۸۱ |
| اصلاح معاشرہ | ۳۸۱ |
| دارالقضاء کا قیام | ۳۸۳ |
| مقالہ کا پس منظر | ۳۸۳ |
| نظام قضاء کی ضرورت | ۳۸۴ |
| نصب قاضی کا شرعی حکم | ۳۸۵ |
| ہندوستان میں قضاء شرعی کی ضرورت | ۳۸۶ |
| قضاء کی شرعی حقیقت | ۳۸۷ |
| خلاصۂ بحث | ۳۹۰ |
| انعقاد قضاء کے اسلامی طریقے | ۳۹۱ |
| متکلمین کی تصریحات | ۳۹۲ |
| اہل حل وعقد کی جانب سے نصب قاضی | ۳۹۳ |
| فقہائے کرام کی تصریحات | ۳۹۴ |
| نصب قاضی اور فقہائے احناف | ۳۹۷ |
| امام کاسائیؒ کی ایک اصولی بحث | ۳۹۷ |
| فقہائے احناف کی تصریحات | ۳۹۹ |
| نصب امیر کا مسئلہ | ۴۰۱ |
| ایک اہم اصولی بحث | ۴۰۲ |
| چند وضاحتیں | ۴۰۶ |
| چند سوالات | ۴۱۰ |
| نصب قاضی کی ذمہ داری کس پر؟ | ۴۱۱ |
| اہل حل وعقد کی تشریح | ۴۱۲ |
| کیا نصب قاضی کے لئے اتفاق شرط ہے؟ | ۴۱۴ |
| حاصل کلام | ۴۱۶ |
| خلاصۂ بحث | ۴۱۷ |
| طریقۂ کار | ۴۱۸ |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مقدمہ

الحمد للّٰہ الذي خلق في الأمة الإسلامية الراسخين في العلم الذين رفعوا راية الإسلام في كل عصر ومصر ودافعوا عن بيضة هذا الدين القويم، والصلوٰة والسلام الاتمان الأكملان على خاتم النبيين وسيد الأنبياء والمرسلين الذي قال: من يرد اللّٰه به خيرًا يفقهه في الدين، وعلى آله الأطهار وصحبه الأخيار الذين أنا روا سبل الهدى بسيرتهم وسلوكهم وعلى كل من تبعهم ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين.

أما بعد: اسلام کا ایک زندہ معجزہ یہ ہے کہ اس مذہب کو ہر زمانہ میں ایسے افرادِ کار ملتے رہے جن کی مذہب کو ضرورت تھی، اور اسلام کے رُخِ زیبا سے غلو وانحراف کے گردوغبار کو جھاڑنے اور مسلم سماج کو کتاب وسنت کے صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لئے اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مجددینِ امت کی طلائی زنجیر کا تسلسل برقرار رہا، اس اجمالی اشارے کی تفصیل کے لیے مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایمان پرور کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کا مطالعہ کیا جائے۔

اسی سلسلۂ تجدید کی ایک درخشاں کڑی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنہوں نے دین کے اکثر شعبوں میں عظیم الشان اصلاحی وتجدیدی خدمات انجام دیں، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تجدیدی خدمات کے بہت سے پہلوؤں کو حضرت مولانا عبدالباریؒ ندوی نے اپنی تصنیفات (تجدیدِ دینِ کامل، تجدیدِ معاشیات، تجدیدِ تعلیم وتبلیغ، تجدیدِ تصوف) میں بڑے سلیقے سے اجاگر کیا ہے، لیکن حکیم الامت کی تجدیدی خدمات کے بہت سے گوشے اب بھی پردۂ خفا میں ہیں اور اہلِ فکر ونظر کو دعوتِ تحقیق دے رہے ہیں۔

حکیم الامتؒ کی تصنیفات میں سے "الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة" بھی ان کی نمایاں اجتہادی وتجدیدی خدمات میں سے ہے، جس سے حضرت کی فقہی بصیرت کے ساتھ مسلم سماج کے حالات پر ان کی گہری نظر کا پتہ چلتا ہے، حکیم الامتؒ نے محسوس کیا کہ نظام قضاء کے فقدان اور فقہ حنفی میں اسباب فسخ وتفریق کا دائرہ انتہائی محدود ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں لاکھوں مسلم خواتین بے پناہ مشکلات کا شکار ہیں، ظالم شوہر کے مظالم کی چکی میں پس رہی ہیں، بہت سے شوہر مدتوں سے لاپتہ ہیں، ان کی بیویاں انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہیں، نہ ان کے خرچ کا انتظام ہے، نہ عفت وعصمت کے تحفظ کا کوئی ذریعہ ہے، بہت سے شوہروں نے اپنے بیویوں کو معلقہ بنا کر چھوڑ دیا تھا، نہ ان کے حقوق زوجیت ادا کرتے، نہ طلاق یا خلع کے ذریعہ ازدواجی بندھن سے آزاد کرنے پر آمادہ تھے، اس طرح کے واقعات کثرت سے پیش آرہے تھے، بہت سی عورتیں شوہروں سے گلوخلاصی کے لیے ارتداد کا راستہ اپنا رہی تھیں۔

ان سنگین تر حالات میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طرف نظام قضاء کے قیام کے لیے جدوجہد کی، برطانوی حکومت ہند سے نظام قضاء کی بحالی کا مطالبہ کیا، دوسری طرف اس کی کوشش کی کہ دوسرے فقہی مسالک سے چند دوسرے اسباب فسخ وتفریق کو اختیار کرکے اسباب فسخ نکاح کے دائرہ میں وسعت پیدا کی جائے تاکہ ستم رسیدہ عورتوں کی رہائی کے راستے کھل سکیں۔

الحیلۃ الناجزۃ ماضی قریب میں علماء ہند کے اجتماعی اجتہاد کا عظیم شاہکار ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاریخی کام اور کارنامے میں اپنے متوسلین میں سے دو صاحب نظر وتحقیق مفتیان کرام کو مکمل شریک کیا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا مفتی عبدالکریمؒ گمتھلوی اس کام میں پورے طور پر شریک رہے، ان دونوں کے علاوہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے بڑے اساتذہ اور مفتیان کرام کے مشوروں اور رائے سے الحیلۃ الناجزۃ کے مباحث کو آخری شکل دی گئی۔

اس سلسلہ میں مدینہ منورہ کے مالکی علماء واصحاب افتاء سے بار بار جو مراسلت کی گئی وہ فقہی مذاہب کی تاریخ میں ایک دوسرے سے استفادہ اور مختلف فقہی مسالک کے علماء کی ایک دوسرے کی توقیر وتعظیم کی ناقابل فراموش مثال ہے، اس سے اس پروپگنڈہ کی بھی قلعی کھل جاتی

ہے کہ فقہی مذاہب نے امت مسلمہ میں فرقہ بندی پیدا کردی اور امت کی صفوں کو بکھیر دیا اور یہ حقیقت آئینہ ہوگئی کی فقہاء مجتہدین کے اختلافات سراسر رحمت ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علیؒ تھانوی کی بلند قامت شخصیت اور ان کے غیر معمولی اخلاص کا اثر ہے کہ انھوں نے اور ان کے رفقاء کار نے اپنے دور کے حالات میں چند مسائل میں فقہ حنفی سے عدول کرنے یا فقہ حنفی کے غیر مفتی بہ قول کو اختیار کرنے کا جو موقف اختیار کیا اس سے غیر منقسم ہندوستان کے جمہور علماء اور اصحاب افتاء نے اتفاق کیا اور ''الحیلۃ الناجزۃ'' پر توثیقی دستخط ثبت کیے۔

''الحیلۃ الناجزۃ'' کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی مقبولیت سے نوازا، اسباب فسخ وتفریق کے موضوع پر یہ اہم ترین کتاب تصور کی جاتی ہے، قضاۃ اور اصحاب افتاء اس کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی تصنیف کا قصہ اس شخص کے قلم سے پڑھ لیا جائے جو اس تصنیف میں مکمل طور پر شریک تھا، حضرت مولانا مفتی عبدالکریمؒ گمتھلوی نے حضرت خواجہ عزیز الحسنؒ مجذوب کی فرمائش واصرار پر حضرت تھانویؒ کے کچھ واقعات اور کارنامے تحریر فرمائے تاکہ اسے اشرف السوانح میں شامل کیا جائے، مفتی صاحبؒ نے اپنی یہ تحریر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ملاحظہ سے گزاری اور حضرت کی پسندیدگی کے بعد اسے اشرف السوانح کا جزء بنایا گیا، اس تحریر میں ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی تصنیف کا قصہ بھی اختصار سے لکھا گیا، اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

## واقعۂ مہتم تصنیف حیلۂ ناجزہ

''ایک عرصہ دراز سے تقرر قضاۃ کا سلسلہ موقوف ہوجانے کے سبب ہندوستان کی عورتوں کو بعض حالات میں سخت مصائب کا سامنا ہورہا ہے اور طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا ہیں۔ ان مشکلات کے حل کی سخت ضرورت تھی حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرماوے کہ حضرت اقدس نے اس طرف خاص توجہ مبذول فرمائی، اوّل مدینہ منورہ کے علمائے کرام سے مکرر سہ کرر فتاویٰ حاصل کرکے کامل تحقیق کے بعد ان مشکلات کے حل کی موجودہ حالات کے مناسب نہایت سہل صورت تجویز فرمائی، پھر علمائے دیوبند وسہارنپور سے بار بار مراجعت اور استصواب کے بعد

ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام مضمون کی مناسبت سے "الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة" تجویز فرمایا (اور اس قدر تحقیق و مراجعت علماء کے علاوہ حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے اپنی سہولت و نیز احتیاط کی غرض سے اپنے دو خاص اہل علم واہل فتویٰ دوستوں کو اس تصنیف میں برابر شریک رکھا جن کا نام بھی اس رسالہ میں لکھ دیا گیا ہے ۱۲ مولف سوانح) پھر اس پر دیوبند سہارنپور سے دستخط ثبت ہونے کے بعد چھپوا کر شائع فرمایا اور عوام کے لیے خلاصہ جو المرقومات کے نام سے آخر میں ملحق کیا گیا تھا اس کو جداگانہ بھی شائع فرمایا، قصہ تو مختصر الفاظ میں بہت بیان ہو گیا لیکن اس تصنیف میں جس تعب و مشقت کا مسلسل پانچ سال تک حضرت والا کو تحمل فرمانا پڑا ہے اس کے متعلق حضرت والا نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسی مشقت کسی تصنیف میں نہیں ہوئی اور علاوہ دماغی عرق ریزی کے اس تمام ترجہد اور رسالہ کی طباعت و اشاعت میں جو تقریباً ایک ہزار روپیہ صرف ہوا ہے اس کا اہتمام و انتظام بھی حضرت والا ہی نے فرمایا۔ بعد ازاں المرقومات کو خاص طور پر تمام مسلم ممبران اسمبلی کے پاس روانہ فرمایا تا کہ وہ اس کے مطابق قانون میں ترمیم کی سعی کریں۔

بحمد اللہ تعالیٰ حضرت دامت برکاتہم کی یہ مساعی جمیلہ فوراً نتیجہ خیز ہوئیں۔ تقریباً تمام علماء ہند نے اس رسالہ کی تصدیق و تائید فرمائی اور عام طور پر اہل اسلام نہایت شکر گزار ہوئے اور ممبران اسمبلی نے بہت جلد قانون میں ترمیم کی سعی شروع کر دی اور ایک مسودہ "مسلم قانون فسخ نکاح" کے نام سے اسمبلی میں پیش کر دیا، مگر افسوس کہ اس مسودہ میں وہ قیود و شرائط نظر انداز کر دیئے گئے ہیں جو حضرت اقدس نے فقہ کی ورق گردانی اور علماء محققین سے مراجعت کے بعد تحریر فرمائے تھے، ممبران اسمبلی کی یہ کوشش لائق تحسین ہے لیکن خدا کرے کہ یہ مسودہ صحیح طور پر شرعی صورت میں منظور ہو ورنہ شعر صادق آوے گا۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی　　　تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

حضرت والا نے مسودہ کی کوتاہیاں بعض ممبران اسمبلی سے زبانی اور بعض سے تحریری طور پر واضح فرما دی ہیں اور اہل علم کے ایک جلسہ میں مفصل تحریر روانہ فرما دی تھی۔ اور زیادہ توضیح کی غرض سے احقر کو اس جلسہ میں شرکت کے لیے بھی بھیجا تھا۔ اس سے زیادہ حضرت والا کا معمول نہیں۔ آج کل اہتمام اور تصدّی کے مفہوم میں بھی افراط تفریط ہو رہا ہے۔ اسی لیے بعض لوگوں کو حضرت

کے معمولات پر شبہ ہوتا ہے لیکن حق تعالیٰ شانہ فہم عطا فرماوے تو معلوم ہو جائے کہ درحقیقت حضرت اقدس صحیح معنی میں اہتمام تو بخوبی فرماتے ہیں اور تصدی سے کامل احتیاط رکھتے ہیں۔

برکفے جام شریعت برکفے سندانِ عشق　　　　ہر ہوسنا کے نداند جام وسنداں باختن

حق تعالیٰ اس محقق کامل اور جامع صادق کو عمر نوح عطا فرماوے اور ہم لوگوں کو اتباع کی دولت نصیب فرماوے آمین ثم آمین[1]

''الحیلۃ الناجزۃ'' اس لحاظ سے ایک مظلوم کتاب ہے کہ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باوجود اس کی شایان شان علمی خدمت واشاعت نہیں ہوئی، پہلا ایڈیشن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی نگرانی میں دارالاشاعت دیوبند سے شائع ہوا اس میں تصحیح کا کافی اہتمام کیا گیا، لیکن بعد کی اشاعتوں میں اغلاط میں اضافہ ہوتا گیا اور کتاب کی عبارتیں (خصوصاً عربی عبارتیں) مسخ ہو کر رہ گئیں، حتی کہ کتاب کا نام بھی التزام کے ساتھ غلط لکھا جانے لگا۔ میرے پیش نظر اس وقت کتب خانہ اعزازیہ دیوبند کا نسخہ ہے، کتب خانہ اعزازیہ تصحیح اور معیار اشاعت میں کچھ نیک نام ہی تھا اس نسخہ میں کتاب کے اکثر صفحات کی پیشانی پر کتاب کا نام درج ہے اور جہاں بھی پورا نام درج کیا ہے اس طرح لکھا ہے　　"الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ"

ہر جگہ کتاب کے ٹائٹل پر بھی ''للحلیلۃ العاجزۃ'' کے بجائے ''للحیلۃ العاجزۃ'' لکھا ہوا۔

مختلف اہل علم کو الحیلۃ الناجزۃ کی اس مظلومیت کا احساس تھا اور وہ حضرات اس کتاب کی علمی خدمت کی ضرورت محسوس کر رہے تھے، چند سال قبل برطانیہ کے ایک سفر میں وہاں کے ممتاز محقق وفقیہ حضرت مولانا یعقوب اسماعیل قاسمی دامت برکاتہم (جو مجلس تحقیقات شرعیہ برطانیہ کے صدر اور شرعی کونسل ڈیوز بری برطانیہ کے سربراہ اعلیٰ ہیں) سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی ان کی خواہش ہوئی کہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی علمی خدمت کا کام میں اپنے ذمہ لوں اس کام کا تقاضا خود میرے دل میں شدت سے تھا اس لیے مولانا موصوف کی تحریک نے مہمیز کا کام کیا اور میں نے مولانا موصوف سے اس علمی خدمت کا وعدہ کر لیا۔

کام میں نے اللہ کا نام لے کر شروع کر دیا لیکن دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تدریسی

(۱) اشرف السوانح حصہ سوم ص: ۲۴۱-۲۴۲

خدمات کے علاوہ میری متنوع مصروفیات (معہد الشریعہ لکھنؤ کی علمی وانتظامی ذمہ داری، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے پروگرام، دار القضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی کنو ینرشپ وغیرہ) عناں گیر رہیں، اور کام اس تیز رفتاری کے ساتھ نہیں ہوسکا جو میں چاہتا تھا، کچھ مزید تاخیر اس لیے بھی ہوتی گئی کہ کتاب کی کمپیوٹر کمپوزنگ کی ذمہ داری یکے بعد دیگرے جن دو حضرات پر ڈالی گئی ان سے بھی بروقت بھرپور تعاون نہ مل سکا اور تاخیر پر تاخیر ہوتی گئی، لیکن جب کہ اس علمی خدمت کا سفینہ ساحل مراد کے قریب پہنچ چکا ہے اور یہ گراں قدر علمی تحفہ اہل علم وفکر کے نذر کیا جانے والا ہے دوستانہ گلہ کا سلسلہ کیوں دراز کیا جائے، غالب مرحوم کے الفاظ میں ۔

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالب　　　خدا سے کیوں گلۂ جور ناخدا کیجئے

آخر میں چند سطریں ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی زیر نظر علمی خدمت کی تفصیل ووضاحت میں لکھی جاتی ہیں۔

(الف) ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی زبان کم وبیش ۷۵ رسال پرانی ہے، اتنی مدت میں ہر زبان کافی تبدیل ہوجاتی ہے، بہت سے الفاظ متروک یا نامانوس ہوجاتے ہیں، نئے الفاظ ان کی جگہ لے لیتے ہیں، جملوں کی ساخت اور الفاظ کی ترتیب میں خاصی تبدیلیاں ہوجاتی ہیں، کچھ الفاظ کا املا تبدیل ہوجاتا ہے، ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے ساتھ بھی یہی صورت حال پیش آئی، کوشش کی گئی ہے کہ اس کی زبان نئی اور مانوس ہوجائے تاکہ ہماری نئی نسل بھی اسے آسانی کے ساتھ سمجھ سکے، زبان کو آسان اور رواں بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے لیکن اس بات کا التزام واہتمام کیا گیا ہے کہ الفاظ کی تبدیلی میں معانی اور مفاہیم تبدیل نہ ہوجائیں۔

زبان کو آسان بنانے کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ فقہ وقانون کی زبان ادب وشاعری کی زبان سے ہمیشہ مختلف رہی ہے، فقہ وقانون کے مباحث اور کتابوں میں ادب وشاعری کی زبان کی تلاش بے جا اور لغو ہے، علاوہ ازیں فنی مصطلحات کو تو بدلا نہیں جاسکتا خواہ وہ عام قارئین کے لیے نامانوس یا ناقابل فہم ہوں، فنی اصطلاحات کی کچھ توضیح تو کی جاسکتی ہے لیکن انہیں نئے قالب میں ڈھالنا علم وفن پر بدترین ظلم ہے۔

(ب) جیسا کہ معلوم ہو چکا ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے موجودہ مطبوعہ نسخوں میں بے پناہ

غلطیاں ہیں خصوصاً عربی عبارتوں میں جن کی تعداد اور مقدار اس کتاب میں بہت زیادہ ہے، غلطیوں کی تصحیح میں بڑی علمی ریاضت کرنی پڑی، اکثر مقامات میں اصل مراجع کی طرف رجوع کرنا پڑا، اس میں بہت وقت صرف ہوا، الحمدللہ اب بڑی حد تک امید ہے کہ غلطیاں بہت کم ہوں گیں لیکن غلطیوں سے مکمل طور پر پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، خاص طور پر کمپیوٹر کتاب کے دور میں، کیوں کہ ہر کمپیوٹر پرنٹ میں کچھ نئی غلطیاں خاموشی کے ساتھ جنم لے لیتی ہیں، اس لیے علماء اور ارباب افتاء سے درخواست ہے کہ کتاب کو غور سے پڑھیں، اغلاط کی نشاندہی فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کا ازالہ کیا جاسکے یہ بہت بڑا علمی تعاون ہوگا۔

(ج) ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی ترتیب میں بھی کچھ تبدیلی کی گئی ہے مصنف علیہ الرحمۃ نے جو ترتیب قائم فرمائی تھی اس کو حتی الامکان باقی رکھتے ہوئے ہم نے صرف یہ تبدیلی کی ہے کہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے بارے میں علماء کی تصدیقات کو ہم نے آغاز کتاب کے بجائے ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے آخر میں علماء مالکیہ کے فتاویٰ کے بعد اور المرقومات سے پہلے شامل کیا ہے، کتاب کے عناوین میں بھی کچھ اضافے کیے گئے ہیں۔

(د) شروع میں یہ خیال تھا کہ کتاب کی عربی عبارتوں کے اردو ترجمے اور علماء مالکیہ کے فتاویٰ کے اردو ترجمے بھی شامل کتاب کیے جائیں اور دونوں کے ترجمے کر لیے گئے تھے لیکن دو وجوہ سے یہ ترجمے شامل کتاب نہیں کیے گئے (۱) کتاب کا حجم بہت بڑھ جائے گا، کتاب تقریباً دوگنی ہوجائے گی، اس سے کتاب کی اشاعت اور نکاسی میں دشواری ہوگی۔ (۲) یہ ترجمے عام اردو داں طبقے کے لیے زیادہ سودمند نہ ہوں گے، اس کے بہت سے مقامات ان کے لیے چیستاں ثابت ہوں گے، اور بعض مباحث ایسے ہیں جنہیں عوام کے سامنے لانا مناسب بھی نہیں ہے، یہ عربی عبارتیں اور فتاویٰ دراصل علماء کرام کے لیے ہیں اور ان کے لیے اتنا کافی ہے کہ ان عربی عبارتوں کو مکمل تصحیح کے ساتھ شائع کردیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا بے پناہ شکر و احسان ہے کہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی تسہیل وتصحیح وتربیت کا کام اس کی بے پایاں عنایات سے مکمل ہوا، اللہ تعالیٰ اسے مقبول اور نافع بنائے، اس سلسلے میں حضرت مولانا یعقوب اسماعیل قاسمی دامت برکاتہم (بانی وصدر مجلس تحقیقات شرعیہ برطانیہ) کا

شکر یہ ادا کرنا ضروری ہے جن کی تحریک، تائید اور یاددہانی سے اس عظیم کتاب کی خدمت کی توفیق ملی، حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوری زید مجدہم (ڈیوز بری برطانیہ) نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' کا پہلا ایڈیشن (جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب کی نگرانی میں دارالاشاعت دیوبند سے شائع ہوا تھا) فراہم کر کے میرا کام بڑی حد تک آسان کردیا کیوں کہ وہ سب سے صحیح ایڈیشن ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اجر جزیل عطا فرمائے۔

میرے بڑے لڑکے عزیزم مولوی محمد سہیل اختر ندوی سلمہ اللہ نے پروف کی خواندگی اور تصحیح میں بڑی دلچسپی لی اور کتاب کو بہتر سے بہتر صورت میں لانے میں مدد کی، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت دے اور اپنی مرضیات پر چلائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے تمام دینی وعلمی کاموں میں اخلاص نصیب فرمائے، اپنے احکام پر چلنے کی توفیق دے اور ایمان پر خاتمہ کرے۔

''الحیلۃ الناجزۃ'' کی تحقیق وتسہیل کا مذکورہ بالا مقدمہ ۱۱/۵/۱۴۲۸ھ ۲۹/۵/۲۰۰۷ء کو لکھا گیا تھا، یعنی اب سے تقریباً ۱۰/سال پہلے کتاب اشاعت کے لیے تیار تھی، لیکن بعد میں پھر نظر غائر سے دیکھنے کے بعد محسوس ہوا کہ طبع جدید سے پہلے مزید تحقیق وتصحیح کی ضرورت ہے، اس لیے اشاعت روک دی گئی اور یہ کام تعویق کا شکار ہوگیا۔ دوسرے علمی کاموں کی مشغولیت نے اس اہم ترین کتاب کی طرف توجہ کا موقع نہیں دیا، ۲/سال سے پھر اس کام کا داعیہ شدت سے طبیعت پر حاوی ہوا۔

دارالقضاء کے کاموں سے عملی وابستگی اور اس کام میں شرکت کی وجہ سے قدم قدم پر ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے بہتر سے بہتر ایڈیشن کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور اہل علم کی طرف سے تقاضا بھی بڑھتا گیا، دوبارہ ازسرِ نو اس کام پر توجہ ہوئی، تحقیق، تصحیح اور تسہیل کا عمل جاری ہوا۔ کم وبیش ۲/سال کی مدت میں یہ مرحلہ مکمل ہوا اور اب الحمدللہ یہ تاریخی اور دستاویزی کتاب بہتر سے بہتر صورت میں اشاعت کے لیے تیار ہے۔

اس دوران ''الحیلۃ الناجزۃ'' کا ایک نیا دیدہ زیب ایڈیشن مولانا مفتی عبدالرزاق قاسمی زید مجدہ (امروہہ) کی تحقیق وترتیب کے ساتھ شائع ہوا، اسے شوق کے ہاتھوں لیا اور غور سے مطالعہ

کیا، بلاشبہ مولانا موصوف نے کافی عرق ریزی اور محنت سے یہ ایڈیشن تیار کیا ہے، یہ اشاعت قدیم اشاعتوں سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے لیکن اس محنت شاقہ کے باوجود کتاب میں کافی اغلاط در آئی ہیں اس لیے نئے ایڈیشن کی ضرورت اب بھی باقی ہے، اغلاط سے محفوظ ہونے کا دعویٰ تو کیا ہی نہیں جا سکتا۔ لیکن یہ امید ضرور ہے کہ اغلاط بہت کم نکلیں گیں اور اہل علم اگر متوجہ فرمائیں گے تو آئندہ اشاعتوں میں مزید بہتر بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

ہندوستان کی تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں اگر ہمیں اس ملک میں اپنی شریعت کے ساتھ زندہ رہنا ہے تو پورے ملک میں نظام قضاء کو پھیلا دینا ضروری ہے، کوئی ضلع دارالقضاء اور قاضی سے خالی نہیں ہونا چاہیے تاکہ مسلمان دارالقضاء کی طرف رجوع کر کے اپنے تنازعات (خصوصاً عائلی تنازعات) شریعت اسلامی کے مطابق حل کرلیا کریں، الحمدللہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک وتوجہ سے ملک کے مختلف صوبوں اور اضلاع میں دارالقضاء قائم ہو رہے ہیں اور ان کی برکتیں لوگ بہ چشم خود دیکھ رہے ہیں۔

غیر مسلم اکثریتی ملک میں اگر مسلمان اپنی مشاورت اور رضامندی سے کسی کو امیر یا قاضی بنالیں تو وہ شرعاً امیر یا قاضی ہو جائے گا یا نہیں اس مسئلہ میں ہندوستان کی آزادی سے پہلے ہمارے بزرگوں میں اختلاف رائے ہوا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے ہم خیال علماء کے نزدیک قوت نافذہ کے بغیر نہ شرعی امیر ہوسکتا ہے نہ قاضی، اس کے برخلاف حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ وغیرہم کے نزدیک قوت نافذہ ہونا امیر یا قاضی کے لیے شرط نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمان اہل حل وعقد اگر باہمی مشاورت واتفاق سے کسی متقی عالم کو امیر یا قاضی بنادیں تو وہ شرعاً امیر یا قاضی ہو جائے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے نزدیک چوں کہ ہندوستان میں امیر یا قاضی مقرر کرنا تنفیذی قوت کے بغیر درست نہیں ہے اس لیے انھوں نے فقہ مالکی سے جماعت مسلمین کا نظریہ لیا اور فقہ حنفی سے عدول کرتے ہوئے بربنائے ضرورت اس کو اختیار فرمایا اور دوسرے خیال کے حامل بزرگوں نے نظام امارت اور نظام قضاء قائم فرمانے کی کوشش کی اور بہار میں امارت شرعیہ کا نظام تقریباً ۱۰۰ رسال پہلے قائم ہوا۔

دونوں طریقوں سے مسلمانوں کے تنازعات خصوصاً عائلی جھگڑوں کو ختم کرنے کی کوشش جاری رہی اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا رہا، لیکن جماعت مسلمین یا شرعی پنچایت کا طریقۂ کار نسبۃً طویل اور پیچیدہ تھا، تمام ارکان کا کاروائیوں میں شریک ہونا اور فیصلہ میں متفق ہونا دشوار ہوتا ہے اس لیے ''جماعت مسلمین'' کے ذریعہ مقدمات وتنازعات کا تصفیہ اور فیصلہ بہت سست رفتاری کے ساتھ ہو پاتا ہے، اس عملی دشواری کی طرف حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے نام اپنے اس مکتوب میں متوجہ کیا ہے جو ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں شامل ہے لکھتے ہیں: ''اس مسئلہ کی ضرورت واہمیت کے علاوہ پنچایت کی عملی دقتیں بہت زیادہ ہیں اور ان شرائط کی نگہداشت بھی بہت مشکل ہوگی۔''

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسترشد وخلیفہ حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ صاحب (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے قضاء کی ضرورت واہمیت اور طریقۂ کار کے بارے میں اپنے رسالہ میں جماعت مسلمین یا پنچایت کی دقتوں کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھا ہے:

> ''یہاں یہ بات بھی واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے شرعی کمیٹی کے نام سے فقہ مالکی کی رو سے جو حل پیش فرمایا ہے وہ اپنے زمانے کے اعتبار سے اہم اقدام ہے، لیکن اس میں بڑی دشواری یہ ہے کہ فقہ مالکی کی رو سے تمام ارکان کمیٹی کا اتفاق فیصلہ میں ضروری ہے۔ اگر یہ اتفاق حاصل نہ ہوسکے تو دعویٰ خارج کردیا جائے گا......ان حالات میں مسلمانوں کے ہر طبقے کا بنیادی اور اہم دینی فریضہ یہی ہے کہ باہمی اختلاف وافتراق سے بالاتر ہوکر اندرون ملک نظامِ قضاء کے قیام واستحکام کی طرف فوری توجہ دیں، اس لیے کہ اس نظام کے ضرورت مند ہر طبقہ کے ہی مسلمان ہیں۔''[1]

موجودہ ہندوستان کے حالات وخطرات کو واضح کرنے نیز غیر مسلم ممالک میں نظام قضاء کی ضرورت واہمیت اور طریقۂ کار پر روشنی ڈالنے کے لیے ہم نے اپنا ایک رسالہ ''ہندوستان اور نظام قضاء'' الحیلۃ الناجزۃ کے ضمیمہ کے طور پر کتاب کے آخر میں شامل کردیا ہے، بلاشبہ یہ

(۱) نظام قضاء کا قیام ص: ۱۵-۱۶، شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ

رسالہ ''مخمل میں ٹاٹ کا پیوند'' محسوس ہوگا، لیکن دوسرا نقطۂ نظر جاننے اور حالات وخطرات کا صحیح ادراک کرانے کے لیے ہمت مجتمع کر کے اسے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

''الحیلۃ الناجزۃ'' کی اس اشاعت کے لیے ہمارے دوست اور رفیق حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) نے نہایت بیش قیمت پیش لفظ تحریر فرمایا ہے جو شامل کتاب ہے، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ انہیں عمر دراز عطا فرمائے اور علمی فیوض جاری رکھے۔

اس دوسرے مرحلہ کی تحقیق ومراجعت میں جناب مولانا سرفراز عالم ندوی (استاذ معہد الشریعہ لکھنؤ) اور جناب مفتی توصیف عالم قاسمی (سابق استاذ معہد الشریعہ لکھنؤ) نے بڑی معاونت فرمائی، اللہ تعالیٰ دونوں کو اجر جزیل عطا فرمائے اور دنیا وآخرت میں ترقیات سے نوازے۔

**عتیق احمد قاسمی بستوی**

استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ (انڈیا)

صدر معہد الشریعہ، لکھنؤ (انڈیا)

۲۶/۷/۱۴۳۸ھ

۲۴/۴/۲۰۱۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیش لفظ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

شریعت اسلامی کا بنیادی مقصد عدل قائم کرنا اور ظلم کو دور کرنا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِى الْقُرْبىٰ وَيَنْهىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ." [النحل: ۹۰]

خلیفۂ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس آیت کو خطبۂ جمعہ میں شامل کرنے کا حکم فرمایا تھا، اور اس وقت سے آج تک یہ آیت جمعہ وعیدین کے خطبہ میں پڑھی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس آیت کو قرآن مجید کی جامع ترین آیت قرار دیا ہے (بخاری فی الادب المفرد: حدیث نمبر: ۴۸۹) اور اسی طرح کا مضمون حضرت حسن بن علیؓ سے مروی ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی حدیث نمبر: ۱۴)

فقہاء نے جو اجتہادات کئے ہیں ان سب کا حاصل یہی ہے کہ عدل وقسط کو قائم کیا جائے اور ظلم وبغی کو روکا جائے؛ چنانچہ قرآن مجید میں تقریباً ۴۰/مقامات پر مختلف اسلوب میں عدل وقسط کا حکم دیا گیا ہے، اور ۲۸۴/بار ظلم کی شناعت وممانعت بیان فرمائی گئی ہے، عدل اور ظلم کا تعلق زندگی کے تمام گوشوں سے ہے، یہاں تک کہ ایمانیات سے بھی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے: "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" [لقمان: ۱۳]

اللہ تعالیٰ کے حقوق کے معاملہ میں کوتاہی سے کام لینا بھی ظلم میں داخل ہے؛ لیکن اس کا اثر آخرت میں ظاہر ہوگا، اگر اللہ چاہیں تو معاف کردیں اور چاہیں تو عذاب دیں؛ کیوں کہ خالق تعالیٰ مخلوق کے کسی عمل کا محتاج نہیں؛ لیکن انسان کے باہمی تعلقات میں اگر عدل کا دامن چھوڑ دیا

جائے اور ظلم کا راستہ اختیار کیا جائے تو اس سے زمین میں فساد پیدا ہوتا ہے، امن متاثر ہوتا ہے، عداوتیں جنم لیتی ہیں، اور نوبت جان و مال اور عزت و آبرو کی بربادی تک پہنچتی ہے، پھر انسانی تعلقات کے کئی دائرے ہیں، دو سماج کے درمیان تعلقات، دو قوموں کے درمیان تعلقات، ایک ہی سماج میں بسنے والے دو مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان تعلقات، پڑوسیوں کے درمیان تعلقات اور ایک ہی خاندان کے افراد کے درمیان تعلقات، مگر خاندان کے افراد کے درمیان سب سے قریبی تعلق ہوتا ہے؛ کیوں کہ ان کی ضروریات ایک دوسرے سے متعلق ہوتی ہیں؛ اسی لیے ان کے حقوق کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، قرآن مجید نے ان کو ''ذَوِی الْقُرْبیٰ'' سے تعبیر کیا ہے، اور ۲۴ مواقع پر مختلف اسالیب میں اہمیت کے ساتھ حسن سلوک کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے۔

خاندانی تعلقات بھائیوں بہنوں کے ساتھ بھی ہوتے ہیں، والدین اور اولاد کے ساتھ بھی، بالواسطہ رشتہ داروں کے ساتھ بھی؛ لیکن سب سے قریبی تعلق شوہر اور بیوی کا ہوتا ہے؛ کیوں کہ یہ تعلق چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے، جلوت کا بھی، خلوت کا بھی، دن کی روشنی میں بھی اور رات کی تاریکی میں بھی، اس کی وجہ سے کئی سرد و گرم مرحلے اور نشیب و فراز آتے ہیں؛ اسی لیے قرآن و حدیث میں خاندانی تعلقات کے باب میں سب سے زیادہ تفصیل سے زوجین کے حقوق اور ان کے آپسی تعلقات کے بارے میں ہدایتیں دی گئی ہیں، نیز فقہاء نے بھی احکام شرعیہ کے اجتہاد و استنباط میں اسی پر زیادہ توجہ دی ہے، اور کوشش کی ہے کہ ازدواجی زندگی میں پیش آنے والے واقعات کی زیادہ سے زیادہ تفصیل سامنے آجائے، نہ کوئی فریق عدل و انصاف سے محروم رہ جائے اور نہ کوئی ظلم و جور کا ارتکاب کرے۔

اسی لیے شریعت کا منشاء یہ ہے کہ جب دو مرد و عورت کے درمیان رشتۂ نکاح قائم ہو جائے تو اس کو ہمیشہ قائم رکھنے کی کوشش کی جائے؛ لیکن بعض دفعہ مزاج کی ناموافقت، معیارِ زندگی میں اونچ نیچ یا کسی فریق کی زیادتی کی وجہ سے آپس میں فاصلے پیدا ہو جاتے ہیں، اور جو رشتۂ محبت و سکون کی ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا، وہ باہمی بغض و نفرت میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور ایسے موقع پر یہی صورت بہتر ہوتی ہے کہ اس رشتہ کو ختم کر کے دونوں کو زندگی کا نیا گھر تعمیر کرنے کی اجازت دے دی جائے؛ تاکہ وہ خوشگوار ماحول کے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کر سکیں اور نکاح کے مقاصد پورے ہوں۔

رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کی ایک صورت ''طلاق'' ہے، جس کا اختیار متعدد مصالح کے پیش

نظر شوہر کو دیا گیا ہے؛ البتہ اسے تاکید کی گئی ہے کہ وہ بلا ضرورت اور بے جا طریقہ پر اپنے اس حق کا استعمال نہیں کرے، دوسری صورت قاضی کے ذریعہ فسخ نکاح کی ہے، اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو یا کسی وجہ سے زوجین کے درمیان شدید نفرت پیدا ہو جائے تو بیوی قاضی کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے، اس کے علاوہ اس کے لیے ایک اور راستہ ''تفویض طلاق'' کا ہے کہ بیوی نکاح سے پہلے یا نکاح کے موقع پر یا اس کے بعد شوہر سے طے کرلے کہ اسے اپنے آپ پر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا، اس صورت میں اگر وہ چاہے تو خود اپنے آپ پر طلاق واقع کرنے کی مجاز ہوگی، نہ شوہر کے طلاق دینے کی محتاج ہوگی، اور نہ قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرانے کی ضرورت ہوگی۔

فسخ نکاح کے اسباب کے سلسلہ میں کتاب وسنت کی نصوص بہت کم ہیں، شریعت کے بنیادی مقاصد اور اسلام کی اصولی تعلیمات نیز صحابہ کے فیصلوں کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے اس سلسلے میں اجتہاد کیا ہے، اور اس اجتہاد کی بنیاد بھی وہی ازدواجی زندگی کے مصالح اور عدل کے قیام پر رکھی ہے، پھر جن مسائل میں اجتہاد اور غور وفکر کی گنجائش ہوتی ہے، ان میں اختلاف بھی پیدا ہوتا ہے؛ اسی لیے بعض چیزوں کے سبب فسخ ہونے اور نہ ہونے میں، اور جن چیزوں کے سبب فسخ ہونے پر اتفاق ہے، ان کی بعض تفصیلات میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اس اختلاف کا بنیادی سبب یہ ہے کہ بعض حضرات نے احتیاط کے پہلو کو اور اصول کو زیادہ اہمیت دی ہے، اور بعض نے سہولت اور مصلحت کے پہلو کو، اور یہ دونوں ہی جہتیں شریعت میں مطلوب ہیں، جیسے مفقود الخبر کی بیوی کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہؒ نے احتیاط کے پہلو کو لیا ہے کہ جب تک مفقود شخص کے ہم عصر لوگوں کا انتقال نہ ہو جائے، اسے زندہ مانا جائے گا، یہ اس اصول کے مطابق ہے کہ جب تک ایک عورت کا شوہر زندہ ہے، کسی اور مرد سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، اور امام مالکؒ نے مصلحت کے پہلو کو اختیار کیا ہے؛ کیوں کہ اتنے طویل انتظار کی صورت میں عورت کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے اور عزت وناموس کی حفاظت نکاح کا بنیادی مقصد ہے۔

عمومی طور پر احناف کے یہاں اسباب فسخ کے معاملہ میں احتیاطی پہلو کو اختیار کیا ہے، اس لیے اس سے بعض اوقات مظلوم عورتوں کو انصاف حاصل کرنے میں دشواری ہوتی ہے، بالخصوص اس وجہ سے کہ ہندوستان میں بیت المال کی سہولت موجود نہیں ہے، جو مالی حقوق سے

محروم عورت کے درد کا مداوا کر سکے، نیز عدالت سے فیصلہ حاصل کرنے میں فریقین کو جو گراں باری ہوتی ہے اور جتنی تاخیر سے فیصلہ حاصل ہوتا ہے، اس کی وجہ سے ان کی دشواری اور سوا ہو جاتی ہے، ائمۂ اربعہ میں سے مالکیہ کے مذہب میں اسباب تفریق کے سلسلہ میں نسبتاً سہولت ہے، اور ان کی آراء ہندوستان میں مسلمانوں کو درپیش حالات سے زیادہ ہم آہنگ محسوس ہوتی ہیں، نیز احناف اور مالکیہ کے درمیان اصول استنباط میں قربت کی وجہ سے بیشتر مسائل میں زیادہ موافقت پائی جاتی ہے؛ اسی لیے حنفیہ میں سے بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اگر فقہ حنفی میں کوئی مسئلہ نہ ملے، یا وہ مسئلہ موجود ہو؛ لیکن عدول کی ضرورت ہو تو فقہ مالکی کی طرف رجوع کیا جائے۔

ہندوستان میں ایک مرحلہ پر یہ صورت حال پیدا ہوگئی تھی کہ مسلمان عورتیں فسخ نکاح کی دشواریوں کی وجہ سے مرتد ہو جاتی تھیں، خواتین کی مشکلات اور بالخصوص اس سنگین صورت حال کو دیکھتے ہوئے علماء ہند نے اسباب فسخ کے سلسلے میں فقہ مالکی سے استفادہ کرنے کا فیصلہ کیا، جن میں سرفہرست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں، انہوں نے اس سلسلہ میں باضابطہ سوال نامہ مرتب فرمایا، اور پھر حرمین شریفین میں جو مالکی ارباب افتاء تھے، ان سے جوابات حاصل کئے اور فقہ حنفی اور فقہ مالکی کے فتاویٰ کی روشنی میں "الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة" کے نام سے یہ اہم کتاب مرتب فرمائی جن مسائل کے حل کے لیے فقہ حنفی سے استفادہ کافی تھا، ان کے بارے میں فقہاء احناف کے نقطۂ نظر کو لیا، اور جن مسائل میں فقہ مالکی سے استفادہ کی ضرورت تھی، ان میں فقہ مالکی سے فائدہ اٹھایا، اور فسخ کی شرائط اور تفصیلات کو پوری تنقیح کے ساتھ واضح فرما دیا، نیز اپنی اس تالیف کو ہندوستان بھر کے مشاہیر علماء وارباب افتاء کے پاس بھیجا، اور ان کی تصدیق کے بعد اس کو شائع فرمایا، حضرت تھانویؒ کو اللہ نے جو جامعیت عطا فرمائی تھی، نہ صرف ان کے معاصرین میں؛ بلکہ اسلام کی علمی تاریخ میں اس کی مثال کم ہی ملے گی، وہ مفسر و متکلم بھی تھے اور محدث بھی، فقیہ بھی تھے اور سلوک و احسان کے راستہ کے رہبر وراہنما اور داعی و مصلح بھی، ان کی تمام ہی تالیفات مغز ہی مغز ہیں، اور ہر کتاب اپنی جگہ ایک امتیازی شان کی حامل ہے؛ لیکن "الحیلة الناجزة" اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے۔

اس کتاب کا پہلا جزء تو تفویض طلاق سے متعلق ہے، جس میں شوہر خود بیوی کو حق

طلاق دیتا ہے، دوسرے جزء میں عنین، مجنون، مفقود، متعنت اور غائب غیر مفقود کی بیوی کے فسخ نکاح پر گفتگو کی گئی ہے، یہ دونوں حصے "الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة" سے موسوم ہیں، دوسرا رسالہ "المختارات في مهمات التفريق و الخيارات" ہے، جس میں حرمت مصاہرت، خیار بلوغ اور کفائت کی بناء پر فسخ نکاح کے مسائل ذکر کئے گئے ہیں، اور یہ فقہ حنفی کے مطابق ہیں، تیسرا رسالہ "حکم الأزدواج مع اختلاف دين الأزواج" سے موسوم ہے، جس میں زوجین کے درمیان اختلافِ مذہب اور ارتداد کی بناء پر مرتب ہونے والے احکام ذکر کئے گئے ہیں، چوتھا رسالہ "المرقومات للمظلومات" ہے، جو ان چاروں رسائل کا خلاصہ ہے، اور مختصر ومفید ہے نیز ایسے عام فہم انداز میں لکھا گیا ہے کہ غیر علماء بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں، یہ اس لائق ہے کہ مستقل طور پر الگ سے اس کی اشاعت ہو۔

"الحیلة الناجزة" میں چوں کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ حنفی سے بعض مسائل میں عدول کا نقطۂ نظر اختیار کیا ہے، اس لیے بعض اہل علم کو مؤلف کے نقطۂ نظر اور ان کے دلائل پر اشکال تھا، حضرت تھانویؒ کی طرف سے آپ کے علمی رفیق اور تربیت یافتہ ممتاز فقیہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ نے ان اشکالات کے جوابات لکھے، اور وہ جوابات حضرت تھانویؒ کی نظر سے بھی گزارے گئے، یہ سوالات وجوابات "رفاق المجتهدين في وفاق المجتهدين" کے نام سے اس کتاب کے آخر میں شامل ہے، اس طرح اسباب فسخ وتفریق کے سلسلے میں علماء ہند کا جو نقطۂ نظر ہے، اس کتاب کو اس سلسلہ میں بنیادی اہمیت حاصل ہے، اور بعد کو جو کچھ کام ہوا ہے، اس میں حضرت مؤلف کی اس تاریخی کتاب سے بھر پور استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۹۳۹ء میں قانون فسخِ نکاحِ مسلم بنا، جس کے مسودہ کی ابتدائی ترتیب میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ کی کوششیں رہی ہیں، جس پر آج تک عدالتوں میں عمل ہوتا ہے، پھر اسی کو اساس بنا کر آسان اور عام فہم زبان میں حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے قضاۃ کے لیے "كتاب الفسخ و التفريق" مرتب فرمائی، جو "دریا بہ کوزہ" کا مصداق ہے، اور اپنے موضوع پر بہت ہی مفید کتاب ہے، پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے جو "مجموعہ قوانین اسلامی" مرتب کیا، اس میں بھی اسباب تفریق کا ایک باب

ہے، ظاہر ہے کہ اس میں بھی حضرت تھانویؒ ہی کی کوششوں سے بنیادی طور پر استفادہ کیا گیا ہے، اور موجودہ حالات کے پس منظر میں بعد کی ان دونوں کتابوں میں متعدد اسباب تفریق کا اضافہ بھی کیا گیا، اسلامک اکیڈمی انڈیا اور ادارۃ المباحث الفقہیہ (جمعیت علماء ہند) نے موجودہ حالات کے پس منظر میں بعض اور امور کے سبب فسخ ہونے کے فیصلے کئے ہیں، اور اس وقت ہندوستان میں قائم دار القضاء اور محاکم شرعیہ میں اسی کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔

"الحیلة الناجزة" جیسی قیمتی کتاب پہلی بار ذوقعدہ ۱۳۵۱ھ میں شائع ہوئی، اس کے بعد سے نہ جانے اس کے کتنے ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں، اور اہل علم وارباب افتاء نیز قضاء وفصلِ خصومات کا کام کرنے والوں کی آنکھوں کا سرمہ بنتے رہے ہیں، واقعہ ہے کہ اس کتاب کو اہل علم کے درمیان ایسی قبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی ہے، جو بہت کم کتابوں کے حصہ میں آئی ہوگی؛ لیکن کتابت کی اغلاط، حوالہ جات کی مراجعت، عبارت کی تسہیل، کہیں کہیں مجمل اور مبہم مضامین کی وضاحت کے پہلو سے اس اہم کتاب پر تحقیق وتعلیق اور تصحیح وتخریج کی ضرورت تھی، اور یہ بھی ضروری تھا کہ موجودہ دور میں طباعت کا جو معیار ہے، اس کے مطابق اسے طبع کیا جائے؛ اس لیے کہ کتابوں کی ظاہری خوبصورتی اور پُرکشش طباعت بھی انسان کو مطالعہ کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

اس اہم کام کے لیے کسی وسیع النظر عالم، بالغ نظر فقیہ، وسیع المطالعہ مصنف اور سہل نویس قلمکار کی خدمت درکار تھی، اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت یہ علمی وفقہی ضرورت ایک ایسی ہی شخصیت محبّ گرامی حضرت مولانا عتیق احمد بستوی زیدت مکارمہم کے ذریعہ پوری ہو رہی ہے، وہ کم لکھتے ہیں؛ لیکن ڈوب کر لکھتے ہیں، اور پہلے موضوع کے تمام مالہ وما علیہ کا مطالعہ کرتے ہیں، نیز علماء محققین کی شان کے مطابق کسی چیز کا صرف تقلیدی مطالعہ کرنے کے بجائے تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں، کئی کتابیں ان کے قلم گہر بار سے منظر عام پر آ چکی ہیں، اور اصحابِ ذوق وارباب علم نے انہیں شوق کے ہاتھوں سے لیا اور محبت کی آنکھوں سے پڑھا ہے، انہوں نے اپنی تحقیق کے لیے اس کتاب کا انتخاب فرمایا، سب سے اہم کام نصوصِ کتاب کی تصحیح کا ہوتا ہے، اس کو بڑی محنت سے انجام دیا، جہاں ضرورت ہوئی، وہاں مصنف کی اصل عبارت کو برقرار رکھتے ہوئے تسہیل بھی کی، فقہی کتابوں سے جو عبارتیں نقل کی گئی تھیں، ان کا مقارنہ کیا، کتابوں کے

نئے ایڈیشن سے حوالہ جات کی تخریج کی، اس طرح اس اہم کتاب کی ایسی بیش قیمت خدمت ہوگئی ہے، جس سے کتاب سے استفادہ کرنے والوں کو سہولت ہوگی، اور قضاۃ، اساتذہ اور طلبہ اس سے زیادہ بہتر طور پر استفادہ کرسکیں گے۔

احناف کے یہاں تو اصل میں نصب قاضی کا تصور ہے، اور مسلم اقلیت ممالک میں بھی اس کی گنجائش ہے؛ لیکن حضرت تھانویؒ ہندوستان میں نظام قضاء کے قیام کو ناممکن تصور کرتے تھے؛ اس لیے انہوں نے یہ تصور پیش کیا کہ مالکیہ کے مسلک کے مطابق ''جماعت المسلمین'' قائم کی جائے، اور وہی ایسے معاملات کا فیصلہ کرے، جو قضائے قاضی پر موقوف ہوں؛ لیکن دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جماعت المسلمین کے قائم کرنے میں زیادہ دشواری ہے اور احناف کے یہاں جو نصب قاضی کا تصور ہے، وہ زیادہ قابل عمل بھی ہے اور اس میں دوسرے مکتب فقہ کی طرف عدول کی ضرورت بھی نہیں پڑتی، اس نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے حضرت مولانا عتیق احمد صاحب نے ہندوستان میں نظام قضاء سے متعلق اپنے ''بقامت کہتر بقیمت بہتر'' کے مصداق مختصر مفید رسالہ کو بھی شامل کردیا ہے، اس سے اس دوسرے نقطۂ نظر کو بھی سمجھنے میں مدد ملے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت تھانویؒ اور ان کے رفقاء کے لیے اس کتاب کو صدقۂ جاریہ بنائے اور انہیں ہم سب کی طرف سے بہتر سے بہتر اجر عطا ہو، نیز اصل کتاب ہی کی طرح کتاب کی اس خدمت کو بھی قبول عام وتام حاصل ہو، اور اہل علم کے لیے خصوصاً اور تمام مسلمانوں کے لیے عموماً نفع کا ذریعہ بنے۔ ربّنا تقبل منّا اِنّك اَنت السميع العليم.

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۷ر رجب المرجب ۱۴۳۸ھ
۱۵ر اپریل ۲۰۱۷ء

پہلا رسالہ

# الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة

تالیف

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# رسالہ کی پہلی وجہ تصنیف

بعد الحمد والصلوۃ یہ رسالہ مجموعہ ہے چند فتاوی کا، جن میں تفویض طلاق منکوحہ کا مسئلہ تو جو رسالہ کا جزء اول ہے فقہ حنفی کا فتوی ہے، اور جزء دوم علماء مالکیہ اہل مدینہ کے فتاوی ہیں جن میں سے بعض اجزاء فقہ حنفی میں بھی پائے جاتے ہیں، اور بعض اجزاء فقہ مالکی کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کے جمع کرنے کی وجہ دو امور ہیں، ایک تو جواب دینا ہے اس اعتراض کا جو بعض واقعات کے متعلق ہے، اور وہ واقعات عورتوں کی کلفت کے ہیں جن کا تعلق شوہر سے ہے، جس کے اسباب یہ ہیں:

ا۔ شوہر کا مفقود ہو جانا ۲۔ شوہر کا مجنون ہونا ۳۔ شوہر کا عورت کے قابل نہ ہونا ۴۔ شوہر کا باوجود وسعت کے بیوی کو خرچ نہ دینا، اور اس طرح کے دوسرے اسباب

اور وہ اعتراض یہ ہے کہ اسلام نے قاضی شرعی کے بغیر (جو کہ ہندوستان میں نایاب یا کم یاب ہیں) براہ راست ان مصائب سے عورتوں کو نجات حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں بتلایا، جس سے مجبور اور پریشان ہو کر بہت سی عورتیں اسلام سے مرتد ہو رہی ہیں۔ (۱)

اگر چہ اس کا جواب بالکل ظاہر ہے کہ اسلام کا کام صرف تدبیر بتلانا ہے، پھر اگر اہل اسلام اس پر عمل نہ کریں تو مورد الزام اسلام ہے یا اہل اسلام، جن میں یہ معترضین بھی داخل ہیں اور وہ تدبیر یہی ہے جو معترضین کے اعتراضی کلام میں مذکور ہے کہ ایسے حاکم اور قاضی (۲) مقرر

(۱) چنانچہ تھوڑے ہی روز ہوئے سنا تھا کہ بعض علاقوں میں بہت قلیل مدت میں کثیر تعداد عورتیں مرتد ہو چکی ہیں یہ بات واضح رہے کہ اس بیہودہ کارروائی سے بھی شرعاً نکاح فسخ نہیں ہوتا اگر چہ تجدید اسلام وتجدید نکاح سے قبل موجودہ خاوند کے لئے ہم بستری وغیرہ حرام ہو جاتی ہے اس مسئلہ کو رسالہ ہذا کا ضمیمہ بنا کر آخر میں ملحق کر دیا گیا ہے۔ نیز ضمیمہ میں یہ بھی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر سے کرنا ہرگز جائز نہیں، قطعاً حرام ہے اور اسی طرح کتابیہ کے سوا کسی کافر عورت سے مسلمان مرد کا نکاح بھی بالکل باطل اور حرام ہے۔

(۲) قاضی کے لئے شرعاً جو صفات ضروری ہیں ان کی تفصیل کتب فقہ ہدایہ عالمگیری ردالمحتار وغیرہ میں موجود ہے بوقت ضرورت مراجعت کر لی جائے۔ یہاں چند صفات کو ذکر کیا جاتا ہے ایک شرط یہ ہے کہ قاضی مسلمان ہو، غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا، اسی طرح مکلف ہونا بھی شرط ہے۔ بچہ یا مجنون قاضی نہیں بن سکتے۔ یہ بھی شرط ہے کہ آنکھ کان زبان صحیح وسالم ہوں، اندھا یا بہرا یا گونگا نہ ہو، اور یہ بھی شرط ہے کہ رشوت دے کر قاضی نہ بنا ہو اور اگر رشوت دے کر ←

کئے جائیں جو بزور حکومت ان قضایا کا فیصلہ کر سکیں، اور اگر اس کی قوت نہ ہو تو موجودہ حکومت سے مطالبہ اور کوشش کریں کہ وہ ایسے حاکم مقرر کر دے جن میں وہ سب صفات ہوں جو قاضی شرعی میں ہونا چاہئیں یا کم از کم ہر ضلع میں ایک ایسا مسلمان حاکم مقرر کر دے جو ایسے معاملات میں حکم شرعی کا اختیار رکھے، اور اگر وہ عالم نہ ہو تو قانوناً اس کے ذمہ لازم کیا جائے کہ ہر معاملہ میں علماء سے فتوی حاصل کر کے حکم دیا کرے، اور اگر مسلمان اس کا انتظام نہ کریں یا ان کی ایسی درخواست اور کوشش کامیاب نہ ہو تو انصاف کرنا چاہئے کہ پھر اسلام پر اعتراض کرنا بالکل آیت ''لا تزر وازرة وزر أخرى'' (کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتی) کی جو مسئلہ عقلیہ بھی ہے مخالفت اور بالکل مولانا روم کے اس شعر کا مصداق ہے۔

حملہ بر خود می کنی اے سادہ مرد　　　ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

(اے سادہ انسان تو اپنے اوپر حملہ کر رہا ہے، اس شیر کی طرح جس نے اپنے اوپر حملہ کیا)

اور یہ جواب معترضانہ اور ظالمانہ سوال کے حل کے لئے تو بالکل کافی ہے، لیکن ایک مستفیدانہ اور مظلومانہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے، وہ یہ کہ اگر اسلام میں ایسے مسائل موجود ہوں کہ طلاق یا شوہر کی وفات کے بغیر بھی مقصود حاصل ہو سکے تو ان کے بتلانے سے ان مظلوم عورتوں کی نجات کی سبیل بھی معلوم ہو جائے گی اگرچہ عقلی اصول کے مطابق ایک جواب کے بعد دوسرے جواب کا مطالبہ سائل کا حق نہیں، مگر چونکہ اس دوسرے جواب میں ان مظلوم عورتوں کی بھی مصلحت ہے، اس لئے تبرعاً اس جواب کا بھی انتظام کیا گیا، وہ یہ کہ جن عورتوں کا ابھی نکاح نہیں ہوا ان کی کلفتوں کے انسداد کے لئے تو فقہ حنفی سے ایک مسئلہ لکھا گیا جو اس مجموعہ کا جزء اول ہے، اور جن عورتوں کا نکاح ہو چکا ہے، ان کی کلفتوں کے رفع کے لئے چونکہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل کم ہیں اس لئے ایسے واقعات کے متعلق مدینہ طیبہ سے چند بار مراسلت کے بعد علماء مالکیہ سے فتاوی حاصل کئے گئے، جو جزءِ دوم میں مذکور ہیں پس اب اس کے بعد یہ سوال بھی باقی نہیں رہا کہ اسلام میں کوئی ایسی تدبیر نہیں جس میں قاضی شرط نہ ہو۔

---

← قاضی ہو گیا تو وہ شرعاً قاضی نہ ہوگا اور اس کا حکم بھی نافذ نہ ہوگا (کذا فی البحر وغیرہ) اور یہ بھی ضروری ہے علم دین میں مہارت تامہ رکھتا ہو جاہل کو قاضی بنانا جائز نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اگر کہیں جاہل قاضی بن گیا اور اس نے اہل علم سے فتوی لے کر شریعت کے موافق فیصلہ کر دیا تو اس کا حکم نافذ ہو جائے گا۔ اسی طرح فاسق کو بھی قاضی بنانا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ عالم بھی ہو گو فیصلہ اس کا نافذ ہو جائے گا۔ بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو، مگر مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ اس کے معزول کرانے کی کوشش کریں۔

## ضرورت شدیدہ میں دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتویٰ دینا

رہا یہ کہ فقہ حنفی پر کسی کو عدم کفایت کا سوال ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود فقہ حنفی میں بھی خاص شرائط کے ساتھ کہ جن کی رعایت اس رسالہ میں کر لی گئی ہے (۱) ایسی ضرورت شدیدہ میں دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے جیسا کہ علامہ شامی کے رسالہ عقود رسم المفتی ص ۵۰ میں مفید بحث کے بعد مرقوم ہے "**وبه علم أن المضطر له العمل بذلك لنفسه كما قلنا، وإن المفتي له الافتاء به للمضطر فما مر من أنه ليس له العمل بالضعيف ولا الافتاء به محمول على غير موضع الضرورة كما علمته من مجموع ما قررنا.**"

(۱) چنانچہ پہلی شرط تو یہی ہے کہ مذہب غیر پر عمل کرنا ضرورت شدیدہ کی بناء پر ہو، اتباع ہوا کے لئے نہ ہو، اور اس شرط پر تمام امت کا اجماع اور اتفاق علامہ ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے۔ **حيث قال في من نكح عند شهود فسقة ثم طلقها ثلاثا فأراد التخلص من الحرمة المغلظة بأن النكاح كان فاسدا في الأصل على مذهب الشافعي فلم يقع الطلاق ما نصه: وهذا القول يخالف إجماع المسلمين فإنهم متفقون على أن من اعتقد حل الشئي كان عليه أن يعتقد ذلك سواء وافق غرضه أو خالفه، ومن اعتقد تحريمه كان عليه أن يعتقد ذلك في الحالين، وهولاء المطلقون لا يفكرون في فساد النكاح بفسق الولي إلا عند الطلاق الثلاث لا عند الاستمتاع والتوارث، يكونون في وقت يقلدون من يفسده وفي وقت يقلدون من يصححه بحسب الغرض والهوى ومثل هذا لا يجوز باتفاق الأمة، ثم قال بعد ثلاثة أسطر: ونظير هذا أن يعتقد الرجل ثبوت شفعة الجوار إذا كان طالبا لها، وعدم ثبوتها إذا كان مشتريا فإن هذا لا يجوز بالإجماع وكذا من بنى على صحة ولاية الفاسق في حال نكاحه وبنى على فساد ولايته في حال طلاقه لم يجز ذلك بإجماع المسلمين، ولو قال المستفتي المعين: أنا لم أكن اعرف ذلك وأنا من اليوم التزم ذلك لم يكن من ذلك، لأن ذلك يفتح باب التلاعب بالدين ويفتح الذريعة إلى أن يكون التحليل والتحريم بحسب الأهواء (فتاوى ابن تيميه جلد ثاني ص ۲۴۰ و ۲۴۱ مطبعة كتان العلمية قاهره مصر ۱۳۲۶)**

**وفي باب قبول الشهادة من رد المحتار عن القنية وقيل لمن انتقل الى مذهب الشافعي ليزوج له اخاف أن يموت مسلوب الإيمان لا هانته الدين بجيفة قذرة وفي آخر هذا الباب من المنح وان انتقل إليه لقلة مبالاته في الاعتقاد والجرأة على الانتقال من مذهب إلى مذهب كما يتفق له ويميل طبعه إليه لغرض يحصل له فإنه لا تقبل شهادته (شامي ص ۲۴۰ ج۴ وبحسب طباعة دار الكتب العلمية بيروت لبنان ج۴، ص: ۳۸۲)**

**وأوضح منه ما في تعزير رد المحتار فراجعه، أنظر: رد المحتار، كتاب الحدود التعزير، مطلب فيما إذا ارتحل إلى غير مذهبه، ج۳، ص: ۱۹۰، دار الكتب العلمية بيروت لبنان) وبه صرح العلامة محمد بن علي البيضاوي في الرواية الثامنة والثلاثين من الفتاوى المالكية الملحقة بآخر الرسالة. ←**

ونیز شامی نے درمختار کے قول إن الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل کے تحت لکھا ہے قلت لکن هذا فی غیر موضع الضرورة الخ، فتاوی شامی، المقدمة، مطلب لا یجوز العمل بالضعیف حتی لنفسه عندنا، ج: ۱، ص: ۱۵۱، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان) اوراس مسئلہ پر مکمل بحث جزءدوم کے مقدمہ میں آئی ہے، وہاں دیکھا جائے، اب بحمداللہ جواب ہر پہلو سے مکمل ہوگیا۔

## تصنیف رسالہ کی دوسری وجہ

اور دوسری وجہ تصنیف رسالہ کی رفع جہالت ہے، کیونکہ جہالت کے سبب بعض لوگ مذہب مالکیہ کی آڑ میں تمام قیود وشروط سے آزاد ہوکر بعض اوقات ایسی کارروائی کرگزرتے ہیں جو کسی مذہب میں بھی صحیح نہیں ہوتی، اور مالکیہ کے مذہب سے عام طور پر مکمل واقفیت نہ ہونے کے سبب اکثر اہل علم کو بھی اس میں مغالطہ ہوجاتا ہے، حتی کہ بعض اسلامی ریاستوں میں تفریق بین الزوجین کے لئے ایسا ضابطہ جاری کیا گیا ہے جو شرائط ضروریہ فوت ہونے کے سبب کسی طرح بھی شریعت مقدسہ کی رو سے درست نہیں، اس لئے بھی سخت ضرورت تھی کہ ان

← ہم نے اس رسالہ میں اسی شرط یعنی عدم اتباع ہوا کی بناء پر صرف ان مقامات میں مذہب مالکیہ پر عمل کی اجازت دی ہے جہاں ضرورت شدیدہ یقینی طور پر مشاہد ومتیقن ہوگئی ہو اور جہاں شدت ضرورت کا تیقن نہیں ہوا۔ وہاں مذہب مالکیہ کی تسہیلات سے کام نہیں لیا۔

اور ایک شرط مذہب غیر پر عمل کرنے کی جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ہے کہ تلفیق خارق اجماع نہ ہوحتی کہ صاحب درمختار نے اس پر اجماع ان الفاظ میں بیان کیا "إن الحکم الملفق باطل بالإجماع" اور اس شرط کی تفاصیل وقیود میں طویل کلام اور بہت اختلاف ہے جس کو ایک مستقل رسالہ التحقیق فی التلفیق میں ضبط کر کے اعلاء السنن کی کتاب البیوع کے مقدمہ کا جزو بنادیا گیا ہے، اور ہمارے نزدیک ان اقوال مختلفہ میں سے یہ قول اعدل الاقوال ہے کہ عمل واحد میں تلفیق خارق للاجماع کی اجازت نہ ہو اور دو عمل جداگانہ ہوں تو ان میں تلفیق کی اجازت دی جائے گو بہ ظاہر خلاف اجماع لازم آتا ہو، مثلاً کوئی شخص بے ترتیب وضو کرے تو شافعیہ کے نزدیک وضو صحیح نہیں اور کوئی شخص چوتھائی سر سے کم مسح کرے تو حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ہوا، پس اگر کوئی شخص اس طرح وضو کرے کہ ترتیب کی رعایت نہ ہو اور چوتھائی سر سے کم پر مسح کرے تو کسی کے نزدیک بھی وضو نہیں ہوا اور یہ تلفیق خارق للاجماع ہے اور اگر کسی نے وضو میں چوتھائی سر سے کم کا مسح کیا اور نماز میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی تو بہ ظاہر اس صورت میں بھی خرق اجماع لازم آتا ہے کہ وضو شافعیہ کے مذہب پر ہے اور نماز حنفیہ کے مذہب پر مگر وضو جدا عمل ہے اور نماز جدا۔ اس واسطے یہ تلفیق منع نہیں۔ مگر تاہم احتیاط مدنظر رکھ کر اصل رسالہ ہذا میں تلفیق کی دوسری قسم سے بھی بچاؤ رکھا ہے۔

مسائل ضروریہ کے متعلق جس قدر شرائط ہوں ان سب کو تفصیل کے ساتھ جمع کر دیا جائے، تاکہ جو لوگ اس وسعت پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہوں جو مذہب مالکیہ نے مذکورہ بالا مقامات میں دی ہے وہ ان شرائط کا لحاظ رکھیں، ورنہ معصیت شدیدہ بلکہ حرام کو حلال کرنے یا حلال کو حرام کرنے کا وبال عظیم بھگتنا پڑے گا، پس مسئلہ مفقود وغیرہ میں جو حضرات مذہب مالکیہ کو اختیار کریں ان کو لازم ہے کہ رسالہ ہذا کسی محقق عالم سے خوب سمجھ لیں، اور اہل علم بھی اس کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

## ترتیب رسالہ

اور ترتیب اس رسالہ کی یہ ہے کہ جزءاول میں تفویض طلاق کا فتوی ہے، اور جزءدوم میں زوجہ عنین ومجنون ومفقود وحاضر متعنت اور غائب غیر مفقود کے احکام مفصل مذکور ہیں، اس کے بعد حضرات علمائے دیوبند وسہارنپور کی تصدیق درج ہے، اور سب کے آخر میں ان تمام عربی فتاوی کو جو مدینہ طیبہ کے مالکی المذہب مفتیوں سے حاصل کئے گئے تھے ملحق کر دیا گیا ہے، تاکہ اہل علم حضرات اصل عبارت بھی ملاحظہ فرماسکیں، اور ان فتاوی مالکیہ میں سے جس جس عبارت سے رسالہ ہذا میں استدلال کیا گیا ہے ان کو روایت اولی وثانیہ وغیرہ سے موسوم کر دیا اور اصل رسالہ میں اس روایت کا جس سے استدلال کیا گیا ہے اسی عنوان سے حوالہ بھی دیدیا ہے، اور اس مجموعہ کا نام الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ تجویز کیا گیا ہے، جس کی مناسبت ہر دو اجزاء کے ساتھ ظاہر ہے۔

مگر چونکہ یہ سب علمی رنگ میں تھا اس لئے ان سب کا خلاصہ نہایت عام فہم عبارت میں لکھدیا گیا، اب عوام اہل حاجت کو تمام رسالہ دیکھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف اسی خلاصہ کو دیکھ لینا اور کسی عالم سے سمجھ لینا کافی ہے، مگر ان عالم صاحب کے لئے مناسب ہے کہ اس خلاصہ کو اصل رسالہ سے ملالیں، دستیابی کی سہولت کے لئے خیال ہے کہ اس خلاصہ کو مستقلاً بھی عنقریب شائع کر دیا جائے گا، اور اس رسالہ کو مستقل طور پر شائع کرنے کی صورت میں اس کا ایک نام بھی رکھدیا گیا ''المرقومات للمظلومات'' بس اس معاملہ میں جو کام ہمارے کرنے کا تھا یعنی اعتراض کا جواب دینا بھی جو ہمارے ذمہ تھا اور خاص تدبیریں مفصل قیود وشرائط کے ساتھ بتلا دینا بھی جو ہمارے ذمہ نہ تھا وہ ہم کر چکے۔

## اس رسالہ پر عمل کرنے والوں کے لئے ضروری ہدایت

اب آگے ان میں سے کسی مسئلہ پر عمل کا ارادہ کرنے کے وقت دو کام عمل کرنے والوں کے ذمہ ہیں، ایک یہ کہ عمل سے پہلے کسی ذی استعداد عالم سے جو کہ فتوی میں اہل علم کے نزدیک مشہور و مسلم ہو وہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں، محض اپنی قوت مطالعہ کے بھروسہ اپنی رائے سے کسی واقعہ کو اس مسئلہ پر منطبق نہ کریں، اور اخیر کارروائی کی تکمیل تک ان عالم کو اپنے ساتھ اس طرح شریک بھی رکھیں کہ ہر ہر جزئی کی ان کو اطلاع بھی دیتے رہیں، اور حکم شرعی بھی پوچھتے رہیں، اور ان عالم کو بھی چاہئے کہ بہت بصیرت وتوجہ وتیقظ سے کام لیں، اور جہاں ذرا بھی شبہ ہوں فقہ مالکی کی ان کتابوں سے حل کریں، مختصر الخلیل وشرحہ للعلامۃ الدردیر، منتقی شرح موطا ومدونہ وصاوی حاشیہ اقرب المسالک وغیرہ جو کتب ان کے یہاں فتاوی کے لئے معتبر ہوں۔

اور اگر ان کتابوں سے اطمینان کے ساتھ حل نہ ہو تو کارروائی کو مؤخر کر کے مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ خط بھیج کر خود علمائے مالکیہ سے استفتاء کر لیں، جس کا طریقہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ کے مہتمم صاحب یا مدرسۃ العلوم الشرعیہ مدینہ منورہ کے مہتمم صاحب سے بذریعہ خط دریافت ہو سکتا ہے۔

### تنبیہ

چونکہ اس زمانہ میں فتنہ وفساد کا دور دورہ ہے اور ہر شخص علم ولیاقت کا مدعی ہے، اس لئے علماء کے انتخاب میں نہایت احتیاط اور کامل غور وخوض کی ضرورت ہے، وہ لوگ جو محض کہیں سرکاری اسکول کے سند یافتہ ہو کر مولوی یا مولوی فاضل وغیرہ کہلاتے ہیں، یا اردو فارسی کے رسائل دیکھ کر عوام میں مولوی مشہور ہو جاتے ہیں وہ اس کام کے لئے کافی نہیں۔

دوسرا کام یہ کہ عمل سے پہلے وکلاء وغیرہم سے اس کارروائی کے موافق قانون یا مخالف قانون ہونے کے تحقیق کر لیں، کیوں کہ نہ ہم کو قانون معلوم ہے، نہ ہم کسی کو عمل کرنے کی رائے دیتے ہیں۔

ہم نے صرف مسئلے بتلا دئے، تاکہ دین ومذہب پر جو اعتراض ہوتا تھا وہ مرتفع ہو جائے، اور پریشانی دور ہونے کا شرعی طریقہ مفصل معلوم ہو جائے۔

آگے جس کو عمل کرنا ہو وہ اپنی واقفیت وہمت کے بھروسہ کرے، ہم اس کے ذمہ دار

نہیں، البتہ اگراس کا کوئی حصہ قانون پر منطبق نہ ہوتا ہوتو اہل اثر کوشش کر کے اس کو قانون میں منظور کرادیں، بہت ثواب ہوگا۔

## معاونین تصنیف اوران کے لئے درخواست دعا

اخیر میں بغرض طلب دعا عرض کرتا ہوں کہ مولانا حسین احمد صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند دامت فیوضہم نے علماء مالکیہ سے فتاوی حاصل ہونے مین بہت مدد فرمائی ہے، بلکہ مسئلہ مفقود کے علاوہ دیگر مواقع میں تحقیق احکام کے اصل محرک بھی وہی ہیں، نیز مدینہ طیبہ میں مولانا سید احمد صاحب مہتمم مدرسۃ العلوم الشرعیہ نے علمائے مالکیہ سے حصول فتاوی میں ہر بارسعی بلیغ فرمائی، اور ہمیشہ نہایت اہتمام سے روانہ فرماتے رہے، اور پھراس رسالہ کا اجمالی مسودہ عزیزم مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی سلمہ نے تیار کیا، اور بعد ازاں ان کے رنگوں چلے جانے پر اس رسالہ کی تفصیلی ترتیب میں مولوی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند ومولوی عبد الکریم صاحب متھلی مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون نے بہت مدددی ہے، بلکہ واقع میں قریب قریب سب رسالہ کی ترتیب ان ہی کا کام ہے، گو برائے نام یہ ناکارہ بھی شریک رہا، اس لئے ناظرین سے اپنے ساتھ ان کے لئے بھی دعا کی استدعا کرتا ہوں، **وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب.**

کتبہ اشرف علی

اوائل ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ

# جزو اوّل

## تفویض طلاق بوقت نکاح (از فقہ حنفی)

سوال: آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد جس قدر پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے محتاج بیان نہیں، کبھی مرد ظلم اور بے رخی سے پیش آتا ہے، نہ نان نفقہ دیتا ہے، نہ طلاق دیتا ہے، کبھی بال بچوں سے بے فکر ہو کر پردیس چلا جاتا اور لا پتہ ہو جاتا ہے، کبھی نامرد نکلتا ہے، بعض دفعہ یتیم لڑکی کا نکاح چچا وغیرہ نامناسب جگہ کر دیتے ہیں اور لڑکی ناپسند کرتی ہے، بعض دفعہ مرد کو جنون کا مرض ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہندوستان میں قاضی شرعی کا وجود ہوتا تو اس قسم کی سب پریشانیوں کا علاج سہل تھا، مگر اب جب کہ قاضی شرع موجود نہیں عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے، وہ نکاح کو فسخ کرنے کیلئے اگر عدالت میں دعوی دائر کریں تو بعض دفعہ حاکم غیر مسلم اس کا فیصلہ کرتا ہے جو شرعاً نافذ نہیں ہوتا، اور بعض دفعہ حاکم مسلم ہی فیصلہ کرتا ہے مگر احکام سے ناواقفیت وغیرہ کی وجہ سے قاعدہ شرعیہ کی پابندی سے فیصلہ نہیں کرتا، اس لئے وہ فیصلہ بھی قابل اطمینان نہیں ہوتا، پس علمائے کرام سے دریافت کیا جاتا ہے کہ:

(۱) بعض جگہ ان مشکلات کا جو یہ علاج تجویز کیا ہے کہ بوقت نکاح کابین نامہ میں مرد سے ایسی شرطیں لکھوالی جائیں جن کی وجہ سے عورتوں کو بوقت ضرورت اپنے اوپر خود طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے یہ شرعاً صحیح اور معتبر ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو ایسے کابین نامہ کے معتبر ہونے کی شرط کیا ہے؟

(۲) کیا اس کابین نامہ کو نکاح سے پہلے اور نکاح کے بعد لکھوانے یا عین عقد نکاح کے وقت شرطوں کو زبانی کہلانے میں کوئی فرق ہے؟

### جواب

(۱) اس قسم کا کابین نامہ لکھوانا (جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہو) اور

بوقت ضرورت اس سے کام لینا شرعاً جائز ہے (اور اس اختیار دیدینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں) اور شرطوں کا بیان نمبر۲ میں آتا ہے۔

(۲) اس کی تینوں صورتیں جائز ہیں، چاہے نکاح سے پہلے لکھوالیا (۱) جائے چاہے عین وقت عقد میں زبان سے کہلوایا جائے، چاہے نکاح کے بعد میں لکھوایا جائے، مگر پہلی اور دوسری صورت کی صحیح ومعتبر ہونے کی ایک ایک شرط ہے۔

## تفویض کی پہلی صورت

پہلی صورت یہ کہ یہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا جائے، اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت ونسبت موجود ہو، مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو فلاں بنت فلاں کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے، اگر اس میں نکاح کی طرف نسبت واضافت نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا، اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا (۲) **لما في "تنوير الابصار" باب التعليق" وشرطه الملك كقوله لمنكوحته إن ذهبت فأنت طالق أو الإضافة إليه كإن نكحتك فأنت طالق فلغا قوله لأجنبية إن زرت زيدا فأنت طالق الخ"(رد المحتار مع الدر، ج:۲،ص:٤٩٢، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)**

**وفي الفصل الثالث من كتاب الشروط للعالمكيرية ما نصه:**

---

(۱) پہلی اور تیسری صورت میں لکھنے کی قید احترازی نہیں ہے، بلکہ لکھوانے کا عموماً معمول ہے اور قرین مصلحت بھی یہی ہے اس واسطے اس قید کا ذکر کیا گیا ورنہ زبانی کہنا اور لکھنا ان دونوں صورتوں میں برابر ہے البتہ دوسری صورت میں زبانی کہنے کی قید احترازی ہے، کیونکہ ایجاب وقبول غائب کے لئے تو کتابت سے چند شرطوں کے ساتھ درست ہے مگر حاضر کے لئے کسی حال میں بھی محض کتابت سے ایجاب وقبول درست نہیں، ہاں اگر شرائط تحریر کر کے ایجاب یا قبول کے ساتھ یوں کہہ دیا جائے کہ ان تحریر کردہ شرائط میں کسی کی خلاف ہو تو عورت کو طلاق کا حق ہوگا، تب بھی تفویض کی تعلیق صحیح ہو جائے گی، تمام شرائط کو زبانی بیان کرنا ضروری نہیں۔

(۲) البتہ بعض جگہ جو دستور ہے کہ تحریر تو پہلے تیار ہو جاتی ہے اور دستخط دولہا اور گواہان کے بعد میں ہوتے ہیں اس صورت میں نکاح کی طرف نسبت ضروری نہیں، کیونکہ یہ دراصل اس پہلی صورت میں داخل ہی نہیں بلکہ تیسری میں شمار ہے۔

والثاني تعليق التفويض بالشرط وأنه أقسام (إلى أن قال) القسم الثاني تعليق التفويض بترك نقد المعجل إلى وقت كذا، صورة كتابة هذا القسم جعل أمرها بيدها في تطليقة واحدة بائنة مطلقاً بشرط أنه إذا مضى شهر أوله كذا و آخره كذا و لم يؤد إليها جميع ما قبل تعجيله لها من صداقها وهو كذا فإنها تطلق نفسها بعد ذلك متى شاء ت أبداً واحده بائنة،و فوض الأمر في ذلك إليها وأنها قبلت منه هذا الأمر في مجلس التفويض

القسم الثالث تعليق التفويض بشرط قماره او بشربه الخمر او ضربه ضرباً موجعاً يظهر اثره على بدنها، وصورة كتابته على نحو ما بينا (فتاویٰ عالگیری صفحه ٢٦١ جلد ٦، إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

قلنا قوله وانها قبلت في مجلس التفويض قد خرج مخرج عادة المحاضر والسجلات والا فقبولها في مجلس التكلم ليس بشرط بل الشرط استعمال الخيار في مجلس وقوع الشرط، كما سيأتي، وقد صرح بذلك في الفصل الأول من الباب الثالث لطلاق الهندية".

## تفویض کی دوسری صورت

اور دوسری صورت کہ عین ایجاب وقبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں ،اس کے صحیح ومعتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو،یعنی اولا خود عورت (یا اس کا ولی یا وکیل یعنی قاضی نکاح خواں) عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو (یا فلاں بنت فلاں کو) تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا وہ کام کیا (جتنی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کر دیا جائے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے (یا موصوفہ کے) ہاتھ میں ہوگا یعنی شرائط مذکورہ میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہوں (یا چاہے) تو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کر سکوں گا (یا کر سکے گی) اس کے جواب میں نکاح کرنے والا مرد یوں کہے کہ میں (۱) نے قبول کر لیا، اس پر

---

(۱) چاہے صرف اتنا کہے کہ میں نے قبول کر لیا اور چاہے یوں کہے کہ میں نے شرائط سمیت قبول کر لیا، دونوں کا ایک ہی حکم ہے، كما سيأتي من الفقيه أبي الليث من أن الجواب يتضمن إعادة ما في السوال.

عورت کواختیار ہوگا کہ وہ جب اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم ومصیبت دیکھے اپنے آپ کوایک طلاق بائن دے کراس شوہر کے نکاح سے نکل جائے ،یعنی اس طرح کہدے کہ میں اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرتی ہوں۔

اوراگرایسا نہ کیا گیا بلکہ ابتدائے کلام (یعنی ایجاب )مرد کی جانب سے ہواورلڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلاکسی شرط کے صحیح ہوجائے گا،اور شرط بالکل بیکار جائے گی خوب سمجھ لو۔

في الدر المختار قبيل فصل المشية من كتاب الطلاق:

نكحها على أن أمرها بيدها صح اه، وفى حاشية رد المحتار.

قوله صح مقيد بما إذاابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أن أمرى بيدى أطلق نفسي كلما أريد أو على أني طالق فقال الزوج قبلت، أما لو بدأ الزوج لا تطلق ولا يصير الأمر بيدها كما في البحر عن الخلاصة والبزازية انتهى (رد المحتار، باب الأمر باليد، ج:٢،ص:٤٨٥)

وبمثله صرح في حيل العالكيرية (صفحه ٢٦٣ ج ٧) وبين الفقيه ابوالليثؒ وجه الفرق بين الصورتين فقال لأن البدائة إذاكانت من الزوج كان الطلاق والتفويض قبل النكاح فلا يصح، أما إذا كانت من المرأة يصير التفويض بعد النكاح لأن الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت، والجواب يتضمن إعادة ما في السوال صار كأنه قال قبلت على أنك طالق أو على أن يكون الأمر بيدك فيصير مفوضاً بعد النكاح"

(شامي كتاب الطلاق تحت قول الدر "لا يقع طلاق المولى على امرأة عبده الا اذا قال الخ صفحه ٤٢٦ جلد ٢" (دار الكتب العلمية بيروت لبنان).

## تنبیہ

اوراگرایجاب عورت ہی کی طرف سے ہومگر تفویض کی شرط ذکر نہ کی گئی،اورمرد نے قبول میں تفویض کی شرط کا اضافہ کردیا(۱) تب بھی تفویض صحیح ہوگئی،لیکن چونکہ اس صورت میں

(۱)اگرچہ یہ صورت شاذ ونادر پیش آتی ہے مگر تمام صورتوں کا احاطہ کرنے کے لئے لکھوائی گئی ہے ۱۲ منہ۔

صرف مرد کو اختیار ہے خواہ وہ شرط بڑھائے یا نہ بڑھائے، عورت کی جانب سے جب ایجاب بلا شرط کے ہو چکا تو اس کے ہاتھ سے بات نکل (۱) چکی اس لئے جس عورت کا مقصد یہ ہو کہ اس کو طلاق لینے کا اختیار مل جائے اس کے واسطے یہ صورت کافی نہیں، بلکہ ایجاب میں شرط لگانا ضروری ہے، تاکہ مرد کو بلا شرط قبول کرنے کا حق ہی نہ رہے۔

## تفویض کی تیسری صورت

اور تیسری صورت یہ کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوایا جائے، یہ صورت بھی صحیح اور بالکل درست ہے۔

### مشورہ

یہ صورت اس عورت کے لئے کار آمد ہے جس کے نکاح میں کابین نامہ نہیں لکھوایا گیا تھا، لیکن جو عورت نکاح کے وقت احتیاط کی طالب ہے اس کے واسطے اس میں بھی وہی کمی ہے جو ابھی تنبیہ بالا کے ذیل میں مذکور ہوئی یعنی جب کہ عقد نکاح مکمل ہو چکا تو عورت کے قبضہ میں نہ رہا کہ خاوند کو اس اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور کرے، بلکہ صرف اس کی مرضی پر معاملہ رہ جاتا ہے۔

اس لئے مصائب کے وقت خلاصی کی اصل تدبیر پہلی یا دوسری صورت اختیار کرنا ہے، اور ان میں بھی آسان جس میں عوام کے مغالطہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں وہ صرف پہلی ہی صورت ہے کہ عقد سے پہلے ہی کابین نامہ لکھوالیا جائے، مگر اس میں نکاح کی طرف اضافت ونسبت ضرور ہونا چاہئے، یعنی یہ لفظ ضرور لکھوائے جائیں کہ اگر میں فلاں دختر فلاں سے نکاح کروں اور پھر فلاں فلاں شرط کے خلاف کروں الخ اور اگر نکاح کی طرف اضافت ونسبت نہ لکھی گئی تو کابین نامہ کالعدم ہوگا جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

---

(۱) ہاں اگر شوہر کے قبول کرنے سے پہلے پہلے عورت یا اس کے ولی وغیرہ کو خیال آ گیا، اور تفویض کی شرط کا اضافہ کر دیا تب بھی مرد کو بلا شرط کے قبول کرنے کا حق نہ ہوگا۔

## فائدہ - نکاح معلق اور مشروط میں فرق

نکاح مذکور جس میں کچھ شرائط خاوند سے منظور کرالی گئی ہیں اس کے جواز میں حنفیہ کو کلام نہیں ہے، بعض لوگوں نے اس صورت کو نکاح معلق میں داخل کر کے شبہ کیا ہے، مگر درحقیقت یہ نکاح معلق نہیں (۱) بلکہ نکاح منجز (فوری نکاح) ہے جو تفویض طلاق کے ساتھ مشروط ہے۔

نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہ ہو جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں دے دیا اگر میرا باپ راضی ہو، یا مرد یوں کہے کہ میں نے قبول کرلیا اگر میرا باپ راضی ہو، اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا، اور اگر اصل نکاح معلق نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگادی جائے تو اس (۲) طرح نکاح ہو جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہو رہا ہے مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے۔

## ضروری مشورہ

چونکہ عورت ناقص العقل ہے، اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دیدینا خطرہ سے خالی نہیں ہے پس مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی مناسب قید بھی لگادی جائے جس میں وہ خطرہ نہ رہے، مثلاً یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بہ معاوضہ مہر روپے سکہ رائج الوقت کے اس شرط پر دیدیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی شدید تکلیف پہنچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم (۳) کرلیں (اس جگہ مناسب ہے کہ کم از کم دس آدمیوں کے نام طرفین کی باہمی رضامندی سے متعین کردئے جائیں) تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار

---

(۱) قد صرح فی الدر المختار والشامی (فی آخر فصل المحرمات، ج:۲، ص:۲۹۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت) بالفرق بین النکاح المعلق وبین النکاح المشروط ۱۲ منہ

(۲) نکاح مشروط میں دیگر شرطیں تو فاسد وغیر معتبر ہوتی ہیں، لیکن تعلیق وتفویض طلاق کی شرط معتبر اور صحیح ہوتی ہے کما علم مما مر ۱۲ منہ

(۳) اور اگر اس سے بھی زیادہ احتیاط مطلوب ہو تو یہ جملہ بھی بڑھالیں (اور وہ دونوں آدمی طلاق کو مناسب بھی کہیں۔ ۱۲ منہ

میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دیکر اس نکاح سے علیحدگی اختیار کرلی جائے اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب کہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں کہ تکلیف شدید ہے.

لیکن عورت کو اس کے بعد بھی چاہیئے کہ طلاق واقع کرنے میں جلدی (۱) نہ کرے بلکہ اطمینان کے ساتھ سوچ سوچ کر کام کرے، اور تین باتوں کا ضرور التزام کرے۔

## اوّل

اوّل یہ کہ فوراً غصہ کے وقت اپنے اس اختیار سے کام نہ لے، بلکہ ایک معتد بہ مدت تک غور و خوض کرے جس کی میعاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔

## دوسرے

دوسرے یہ کہ اپنے خیر خواہوں سے مشورہ کرے۔

## تیسرے

تیسرے یہ کہ سنت کے موافق استخارہ کرے اور ویسے بھی دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ میرا دل ایسے کام کے طرف پھیر دے جو میرے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو، اس تمام کوشش کے بعد جو کچھ دل میں آئے اس پر عمل کرے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے، اس طرح کرنے پر وہ خطرہ نہ ہوگا جو تفویض مطلق کے صورت میں ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

## تنبیہ ضروری

تعلیق مذکور میں ''اگر چاہے'' کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیئے، ورنہ یہ تفویض خاص اس

---

(۱) کیونکہ طلاق میں جلدی کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک مباح چیزوں میں مبغوض ترین طلاق ہے (رواہ ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب کراھیۃ الطلاق، حدیث نمبر ۲۱۷۷، الکتب الستہ، دار السلام ریاض) اور نیز ارشاد فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت بلاضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے اس پر جنت کی بو حرام ہے (رواہ أحمد و الترمذی باب ما جاء في المختلعات، حدیث نمبر ۱۱۸۷ مطبعه سابق وابوداؤد حدیث نمبر ۲۲۲۶، باب الخلع، الکتب الستة دارالسلام، وابن ماجةباب کراهية الخلع للمرأة حدیث نمبر ۲۰۵۵، مطبعه سابق.

مجلس (۱) کے ساتھ مقید ہو جائے گی جس میں وہ شرط واقع ہوا، اور اس مجلس کے ختم ہو جانے کے بعد عورت کو اختیار طلاق کا باقی نہ رہے گا، اور اختیار کو اس قدر محدود کر دینا مناسب نہیں، اسی طرح لفظ ''جب (۲) کبھی چاہے'' بھی شرط میں استعمال نہ کیا جائے، ورنہ ہمیشہ کے لئے حتی کہ دوبارہ نکاح کرنے کے بعد بھی اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رہے گا جب تک کہ تین طلاق پوری نہ ہو جائیں، اور ایسا اختیار عورت کو دینا ضرورت سے زائد اور مصلحت کے خلاف ہے، بلکہ ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جن سے نہ تو ایسی تنگی لازم آئے کہ تفویض مجلس کے ساتھ خاص ہو جائے، اور نہ اتنی وسعت ہو کہ عورت کو تینوں طلاقیں واقع کر لینے کا اختیار مل جائے، اسی لئے ہم نے کابین ناموں میں اور گذشتہ مثالوں میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو باتفاق محاورات فریقین کی رعایت اور مصلحت پر مشتمل ہیں، ان الفاظ سے صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوگا، مگر شرط پائے جانے کی مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگا، اور اردو کے محاورات مختلف ہونے کی وجہ سے تمام الفاظ شرط کا حکم منضبط نہ ہو سکا اس واسطے الفاظ عربیہ کی تفصیل نقل کرتے ہیں، تاکہ اہل علم بوقت ضرورت اس تفصیل میں اور متکلم کے محاورہ میں بغور تطابق کر کے بقیہ الفاظ شرط کا حکم متعین کر سکیں، اور عوام کو لازم ہے کہ جو الفاظ ہم نے تجویز کئے ہیں ان کی رعایت رکھیں اور اگر ان کے سوا کسی لفظ کا حکم معلوم ہونے کی ضرورت پیش آجائے تو علمائے کرام سے دریافت کریں، صرف اپنی زبان دانی پر بھروسہ کر کے خود فیصلہ کرنا جائز نہیں،

**والتفصيل ما في العالمكيرية من الجوهرة النيرة : إذا قال لها طلقي نفسك سواء قال لها إن شئت أو لا فلها أن تطلق نفسها في ذلك المجلس خاصة(ج ا،ص: ۴۰۳، إحياء التراث العربي بيروت)**

---

(۱) یہ جب ہے کہ اس شرط کے پائے جانے کو عورت نے خود دیکھا ہو اور اگر خود نہیں دیکھا تو پھر اس مجلس کا اعتبار ہوگا جس میں اس کو خبر ہوئی ہو **قال صاحب الدر المختار فلها أن تطلق في مجلس علمها به مشافهة أو إخباراً أوائل تفويض الطلاق**) ۔ بس اگر خبر ملنے کے بعد اتنی تاخیر کی کہ مجلس بدل گئی تو اب اختیار باقی نہیں رہا۔ اور اگر عورت یہ عذر کرے کہ مجھ کو اس خبر پر اطمینان نہ ہوا تھا تو اس میں تفصیل ہے بوقت ضرورت شامی جلد چہارم مسائل شتی کتاب القضاء ج ۴، ص: ۳۶۷ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، میں ملاحظہ فرماویں۔

(۲) اس کو تنبیہ کا جزء اس واسطے بنایا گیا ہے کہ جب کبھی کا لفظ استعمال کرنے سے اعادۂ نکاح کے بعد بھی ان ہی شرائط کی پابندی ضروری رہے گی اگر تجربہ کی بناء پر زوجین شرائط میں سے کسی شرط کو موقوف کرنا چاہیں تو یہ نہ ہو سکے گا۔

وفيه أيضا إن قال لها طلقي نفسک متى شئت فلها أن تطلقها في المجلس وبعده، ولها المشيئة مرة واحدة وكذا قوله متى ما شئت وإذا ما شئت ولو قال كلما شئت كان ذلک لها أبداً حتى يقع ثلاث كذا في السراج الوهاج(الباب الثالث في تفويض الطلاق فصل المشيئة ج ١،ص:٤٠٣، إحياء التراث العربي بيروت)

وفي البحر الرائق فصل الأمرباليد وأطلق الأمر باليد فشمل المنجز والمعلق إذا وجد شرطه، ومنه ما في المحيط لو قال إن دخلت الدار فأمرک بيدک، فإن طلقت نفسها كما وضعت القدم فيها طلقت، لأن الأمر في يدها وإن طلقت بعد ما مشت خطوتين لم تطلق لأنها طلقت بعد ماخرج الأمر من يدها.(باب الأمر باليد، ج:٣،ص:٣١٨، رشيديه كوئٹه باكستان)

## تنبیہ دوم

شوہر کوتفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا، بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے،اس لئے شرائط (١) میں مردکوغور وخوض اوراہل علم وفہم سے مشورہ کرلیناضروری ہےورنہ بعدمیں پریشانی وپشیمانی ہوگی.

وليس للزوج أن يرجع في ذلک ولاينهاها عما جعل إليها ولا يفسخ، كذا في الجوهرة (عالمكيرية ص ٧٥ جلد ٢)

وفي الدر المختار من فصل المشية كتاب الطلاق "ولايملک الزوج الرجوع عنه أى عن التفويض بأنواعه الثلاثه لما فيه من معنى التعليق، قال الشامي قوله

(١)مرد کے حق میں مفید بات یہ ہے کہ مہر معاف کرنے کی شرط لگالے اگر یہ شرط طے ہوجائے تو اس کو بڑھانے کا موقع یہ ہے کہ کابین نامہ میں جو یہ جملہ ہے"اپنے اوپرایک طلاق بائن واقع کرلے"اس سے پہلے یہ لفظ لکھے جاویں "مہرمعاف کرکےاپنےاوپرالخ"
البحرالرائق میں ہے۔
قال لها أمر ثلاث تطليقات بيدک إن أبرأتيني عن مهرک (إلى قوله) إن قدمت الإبراء وقع وإن لم تبرئه عن المهر لا يقع لان التوكيل كان بشرط الابراء. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل في الأمر باليد ٣/٥٥٤)

الثلاثة أى التخيير والأمر باليد والمشية"(الدر مع الرد، ج:۲،ص:۴۸۶، دارالكتب العلمية بيروت) والله سبحانه وتعالى أعلم، وعلمه أتم وأحكم.

## تکملہ

عوام کی سہولت کے لئے ہم نے تمام امور گذشتہ کی رعایت کر کے تفویض طلاق کے متعلق کابین نامہ کا ایک مضمون بھی لکھ دیا ہے جس پر نکاح سے قبل دستخط ہو جانا شرعاً معتبر ہے یہ مضمون تو بعینہ رکھا جائے اور شرائط جو فریقین میں طے ہو جائیں وہ اس کے بعد درج کر لیں۔

## کابین نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امابعد منکہ

پسر　　قوم　　ساکن　　ضلع　　کا ہوں، میرا

نکاح مسماۃ　　دختر　　قوم　　ساکن　　ضلع　　کے ساتھ

شرائط ذیل پر بعوض مہر　　روپیہ سکۂ رائج الوقت کے قرار پایا ہے، لہذا میں بدرستی ہوش وحواس بلا کسی جبر و اکراہ کے مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھتا ہوں، تاکہ میں اسکا پابند رہوں، اور پابندی نہ کرنے کی صورت میں مسماۃ موصوفہ بالا کے لئے رہائی کی صورت ہو سکے، پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جب تک وہ میرے نکاح میں رہے میں شرائط مندرجہ ذیل کا پابند رہوں گا، اور بغرض اطمینان لکھتا ہوں کہ اگر میں مسماۃ مذکورہ سے نکاح کروں، اور نکاح کرنے کے بعد شرائط ذیل میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو اس کے بعد مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائنہ واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے، شرائط یہ ہیں۔ (۱)

اس کابین نامہ کو میں نے منظور کیا، اور لکھوا کر دیکھنے سننے کے بعد آج بتاریخ

ماہ　　سنہ　　دستخط/نشان انگشت کرتا ہوں

العبد　　گواہ شدہ　　گواہ شد

---

(۱) شرائط طے کرتے وقت تجربہ کار اہل فہم سے مشورہ مناسب ہے، ونیز وکلاء سے یہ مشورہ بھی کہ قانوناً یہ شرائط معتبر ہیں یا نہیں اور اس کابین نامہ کی رجسٹری کرا دینا بھی مناسب ہے ۱۲ منہ۔

اس کابین نامہ میں تو محض اس کی رعایت کی گئی ہے کہ شرعا جائز اور معتبر ہو جائے، لیکن اس کی رو سے ایک مرتبہ شرط کے خلاف ورزی ہونے کے بعد عورت کو ایک طلاق کا مطلق اختیار مل جائے گا، اور ضروری مشورہ کے عنوان سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ عورت کو مطلقاً اختیار دیدینا مناسب نہیں ہے، اس واسطے ایک دوسرا مضمون بھی لکھا جاتا ہے، تا کہ جو شخص اس ضروری مشورہ پر عمل کرنا چاہے وہ اس طرح کابین نامہ لکھوالے.

## کابین نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امابعد منکہ

پسر قوم ساکن ضلع کا ہوں میرا نکاح مسماۃ دختر قوم ضلع کے ساتھ شرائط ذیل پر بعوض مہر روپیہ سکۂ رائج الوقت کے قرار پایا ہے، لہذا میں بدرستی ہوش وحواس بلا کسی جبر واکراہ کے مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھتا ہوں، تا کہ میں اسکا پابند رہوں، اور پابندی نہ کرنے کی صورت میں مسماۃ مذکورہ بالا کے لئے رہائی کی صورت ہو سکے پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جب تک وہ میرے نکاح میں رہے میں شرائط مندرجہ ذیل کا پابند رہوں گا، اور بغرض اطمینان لکھتا ہوں کہ اگر میں مسماۃ مذکورہ سے نکاح کروں اور نکاح کرنے کے بعد جب کبھی شرائط ذیل میں سے کسی شرط کے خلاف کروں اور اس خلاف شرط ہونے کو (۱)

..........................................................................................

..........................اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم (۲) کرلیں تو اس کے بعد مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت (۳) چاہے تو اپنے او پر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے اور جب کبھی بھی کسی شرط کا خلاف

(۱) مناسب ہے کہ اس جگہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کر کے لکھدیئے جائیں کیونکہ دو چار کے نام لکھنے میں ممکن ہے کہ بوقت ضرورت ان میں سے کوئی بھی موجود نہ رہے اور زیادہ آدمیوں میں یہ احتمال بعید ہے ۱۲منہ

(۲) زیادہ احتیاط درکار ہو تو تسلیم کر لینے کے بعد یہ جملہ بھی لکھدیا جاوے (اور وہ دونوں صاحب عورت کیلئے علیحدگی کو مناسب بھی قرار دیں) ۱۲منہ

(۳) اس صورت میں ہر مرتبہ خلاف شرط کرنے سے عورت کو مکرر اختیار حاصل ہوتا رہے گا مگر ہر مرتبہ صرف ایک ماہ تک باقی رہیگا ۱۲منہ

وقوع پذیر ہو ہر بار ایک ایک ماہ کے لئے اختیار حاصل ہوتا رہے گا مگر یہ اختیار ایک ہی نکاح تک محدود ہے، اگر کسی وقت فرقت اور علیحدگی کے بعد نکاح کا اعادہ ہو تو اس کے بعد یہ اختیار اور شرائط نہیں بلکہ اس وقت جو کچھ دوبارہ طے ہو جائے اس کے موافق عمل درآمد ہوگا شرائط یہ ہیں (۱)

اس کابین نامہ کو میں نے منظور کیا اور لکھوا کر دیکھنے کے بعد آج بتاریخ ماہ سنہ دستخط کرتا ہوں

العبد گواہ شدہ گواہ شد

## دونوں کابین ناموں میں فرق

یہ ہے کہ پہلے کابین نامہ لکھنے کے بعد ایک مرتبہ کسی شرط کے خلاف عمل درآمد کرنے سے عورت کو ہمیشہ کے لئے اختیار مل جائے گا جس کا خلاف مصلحت ہونا ضروری مشورہ میں گذر چکا، اور دوسرا کابین نامہ لکھنے کے بعد ایک مرتبہ خلاف ورزی سے صرف ایک ماہ کے لئے اختیار ملے گا اور پھر کبھی کسی شرط کی خلاف ورزی ہوئی تو پھر مکرر اختیار ایک ماہ کے لئے ملجائے گا، اور ہر مرتبہ خلاف کرنے سے اسی طرح اختیار ملتا رہے گا، مگر اس امر میں ہر دو کابین نامہ مشترک ہیں کہ ایک مرتبہ عورت بائنہ ہو جائے تو اسکے بعد دوبارہ نکاح ہونے پر شرط کی خلاف ورزی واقع ہونے سے اختیار حاصل نہ ہوگا۔

---

(۱) جو شرائط طے ہوں ان میں اہل فہم اور تجربہ کاروں سے مشورہ کرنا مناسب ہے، و نیز وکلاء سے بھی کہ یہ شرائط قانون میں معتبر ہیں یا نہیں اور کابین نامہ کی رجسٹری ہو جائے تو بہتر ہے ۱۲ منہ

## جزءِ دوم

# قاضی کے فیصلہ کے ذریعہ میاں بیوی میں تفریق

یہ جزء چند ضروری مسائل پر مشتمل ہے

۱۔ عنین کی بیوی کا حکم
۲۔ مجنون کی بیوی کا حکم
۳۔ مفقود الخبر کی بیوی کا حکم
۴۔ حاضر متعنت کی بیوی کا حکم
۵۔ غائب غیر مفقود کی بیوی کا حکم

پہلا (۱) مسئلہ فقہ حنفی سے اور باقی مسائل فقہ مالکی سے ماخوذ ہیں

(۱) عنین کی بیوی کے متعلق اصل حکم تفریق کا اور اس کی تمام شرائط وتفاصیل فقہ حنفی کے مسائل ہیں اور جس جگہ قاضی شرعی موجود نہ وہاں تفریق کرنے کیلئے جماعت مسلمین کو قاضی کے قائم مقام کرنا یہ حکم فقہ مالکی سے لیا گیا ہے مگر اصل حکم کی رعایت سے مجموعہ کو فقہ حنفی کا مسئلہ قرار دیدیا گیا اور مجنون وغیرہ کے مسائل میں بھی بعض جزئیات فقہ حنفی کے مطابق میں لیکن اکثر مسائل فقہ مالکی سے ماخوذ ہونے کے سبب کل کو فقہ مالکی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، ۱۲ منہ

# مقدمہ

## ہندوستان ودیگر ممالک غیراسلامیہ میں قاضی کے فیصلہ کا حکم

اس جزءدوم کے تمام مسائل (۱) میں قضائے قاضی شرط ہے، یعنی عورت یا اس کے اولیاء طلاق یا فسخ نکاح میں خودمختار نہیں، بلکہ شرط یہ ہے کہ قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کریں، اور قاضی باضابطہ شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ تحقیق کرنے کے بعد حکم کرے، اس کے بغیر مسائل میں سے کسی مسئلہ میں بھی فسخ وتفریق نہیں ہوسکتی۔

## قضائے قاضی کے متعلق اہل علم کے لئے ایک مفید بحث

**فائدة دافعة لشبهة في اشتراط القضاء**

**أعلم أنه قد استدل بعض أهل العلم من اقراننا بما ورد في قضاء تنقيح الحامدية (ص ۳۰۲ ج ۱) من قوله لان فتوى الفقيه للجاهل بمنزلة حكم القاضي المولى أو حكم المحكم، الخ على إن المسائل التي يشترط فيها القضاء من خيار الفسخ بالبلوغ وعدم الكفاءة وغيرها يكفي فيها فتوى المفتي، ويقوم مقام القضاء، فانه يستفاد من ظاهره إن فتوى الفقيه يقوم مقام قضاء القاضي في عامة القضايا. وأنت تعلم أنه لو كان كذلك لتعطلت أبواب القضاء قاطبة ولم يبق لاشتراط القضاء في كثير من الأحكام معنى ولم يتحقق في أحكام القضاء والديانة فرق فإن حكم الديانة هو الفتوى كما لا يخفى على من له أدنى مسكة بالفن فتبين إن اجراء هذا القول على العموم هدم لشطر من أبواب الفقه، وحينئذ فلا يُظنُّ بمن له أدنى مناسبة بالفقه، أن يتخذ هذه المقالة**

---

(۱) ان کے علاوہ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جو قضائے قاضی کی محتاج نہیں بلکہ ان میں خودبخود نکاح سے علیحدگی ہوجاتی ہے ان میں سے دوصورتیں تو رسالہ ہذا کے ضمیمہ حکم الازدواج میں مفصل لکھی گئی ہیں۔ ایک ارتداد شوہر دوسرے اسلام احدالزوجین لہذا ضمیمہ موصوفہ کو ضرور ملاحظہ کیا جاوے اور فرقت کی سب صورتیں ایک نظم میں صاحب نہر نے جمع کردی ہیں وہ نظم اس رسالہ حیلہ ناجزہ کے تتمہ میں درج ہے ۱۲ منہ

عقبة يلجأ إليها للتخلص عن مضايق القضاء، فالحق الحقيق الذي لا يجوز المحيدعنه إن الفتوى درجتها درجة الرأى والاجتهاد فيلزم الجاهل العمل بالفتوى فيما يلزم صاحب الرأى والاجتهاد العمل برأيه واجتهاده فيه وليست الفتوى بمنزلة القضاء ،لأن القضاء له أركان، منها الحاكم وقدصرح الفقهاء بحصره في الوالي والقاضي والمحكم فلا يجوز للجاهل العمل بالفتوى فيما لا يجوز لصاحب الرأى العمل برأيه بدون القضاء فافهم وحينئذ يجب تاويل القول المذكور المروى بصيغة التمريض وتوجيهه بما لا يخالف القواعد وإن لم يسمع التاويل وجب رده.

فنقول في توجيه العبارة وعلى الله التوكل وبه الثقة أن المغلطة إنما نشأت من عدم النظر إلى السياق والسباق، ومن راجع اصل الكتاب وامعن النظر في سياقها وسباقها لم يشك في أن غرضهم منها بيان مسئلة جزئية لا عموم لها ولهذا رأينا أن نجمع بعض عبارة الكتب الفقهية التي وردت فيها أمثال هذه العبارات ليتجلى لك جلية الأمر وحقيقته.

(١) ففي كتاب الدعوى من الخانية (فصل فيما يقضى في المجتهدات، ج:٢،ص:٣٥٣، زكريا ديوبند)

وقد روى عن أصحابنا رحمهم الله تعالى ما هو أوسع من هذا وذلك لما روى عنهم أنه لو استفتى صاحب الحادثة عن هذا فقيهاً عدلاً من أهل الفتوى فافتاه ببطلان اليمين وسعه أن يأخذبفتواه ويمسك المرأة، وعنهم أن صاحب الحادثة لو استفتى فقيها فأفتاه ببطلان اليمين وسعه أن يمسكه، فإن تزوج أخرى بعدها وقد كان حلف بلفظ كل امرأة يتزوجها فاستفتى فقيهاً اخر مثل الأول فأفتاه بصحة اليمين ووقوع الطلاق المضاف إليها فإنه يفارق الثانية ويمسك الأولى، لأن فتوى الفقيه للجاهل بمنزلة حكم القاضي المولى أو حكم الحكم انتهى

(٢) و في الدر المختار من تعليق الطلاق فى مطلب فسخ اليمين المضافة ما نصه"وفي المجتبى عن محمد فى المضافة لا يقع، وبه أفتى ائمة خوارزم انتهى، وهوقول الشافعى، وللحنفى تقليده بفسخ قاض بل محكم بل إفتاء عدل وبفتوتين(١) في حادثتين انتهى(الدر مع الدر، ج: ٢،ص: ٦٩٤ الكتب العلمية)

(٣) قال العلامة الشامى على الدر" وفي البحر عن البزازية وعن أصحابنا ما هو أوسع من ذلك، وهو أنه لو استفتى فقيهاً عدلاً فأفتاه ببطلان اليمين حل له العمل بفتواه و إمساكها (شامى ص: ٦٩٤ جلد ٢)

(٤) و في تنقيح الحامدية .رجل حلف بطلاق امرأة أن تزوجها فتزوجها وحكما رجلاً ليحكم بينهما في الطلاق المضاف فحكم ببطلان اليمين اختلف المشائخ فيه (إلى قوله) وذكر شمس الأئمة الحلوانى إن حكم المحكم في المجتهدات نحو الكنايات والطلاق المضاف جائز في ظاهر المذهب عن أصحابنا، قال: إلا أن هذا مما يعلم ولا يفتى به (إلى قوله) وقد روى عن أصحابنا ما هو أوسع من هذا وذلك، أنه روى عنهم أنه لو استفتى صاحب الحادثة عن هذا فقيهاً فافتاه ببطلان اليمين وسعه أن يمسكها (إلى قوله) لأن فتوى الفقيه للجاهل بمنزلة حكم القاضى المولى أو حكم المحكم (تنقيح الحامديه صفحه ٢٠٣ ج ١)

ففي هذه العبارات قرائن عديدة ترشد الطالب إلى ما قلنا. منها إنهم كلهم أوردوا هذه الجملة في فسخ اليمين المضافة وتحقيق حكمه لا مطلقاً ولو كان ضابطة كلية تعم الحوادث والقضايا عامة لا وردوها واستعملوها في سائر الأبواب وعامة القضا.

ومنها إنهم قيدوه بالجاهل ولو كان الفتوى بمنزلة القضاء فى سائر الاحكام لما كان لهذا القيد معنى فإن القضاء كما ينفذ على الجاهل كذلك

(١)﴿ صوابه بفتويين بياء ين كما نبه عليه الشامى ١٢ منه ﴾

ينفذ على العالم والمجتهد، فغرضهم منه ليس إلاجواز العمل للعامى على مذهب الغير بفتوى المفتي كما أنه يحل له العمل عليه بقضاء القاضى غير أن المفتى إذا أفتى بمذهب الغير في حادثة لزمه أن يتبع جميع شرائط الحكم بذلك المذهب فإن كان الحكم في ذلك المذهب غير مشروط بالقضاء كفى للعامى العمل عليه بمحض الفتوى من دون أن يحتاج إلى قضاء القاضى كما في مسألتنا فسخ اليمين المضافة وجواز الرجعة في كنايات الطلاق فإنه عند الشافعي ليس بمشروط بالقضاء، فإذا أفتى مفت بأخذ مذهب الشافعي في هذه المسائل حل للعامى العمل عليه بمجرد الفتوى فكان الفتوى في أمثال هذه الأحكام مثل القضاء حيث حل به للعامى العمل بمذهب الغير، وهو المراد بقولهم إن فتوى الفقيه للجاهل بمنزلة القاضى المولى الخ يعنى في أمثال هذه المسألة من المجتهدات مما لايشترط فيه القضاء وإن كان الحكم في ذلك المذهب مشروطاً بالقضاء، كما في المسألة المفاقيد والغيّب والمتعنتين في النفقة وأمثالهم، فلو أفتى مفت في أمثالها بمذهب الغير لم يجز للعامى العمل عليه إلا باستجماع شرائط ذلك المذهب ومنها قضاء القاضى .

ويؤيد ما قلنا ما في الفتاوى المهدوية لمولانا الشيخ محمد العباسى الحنفى مفتى الديار المصرية حيث قال" قولهم إن فتوى الفقيه للجاهل بمنزلة حكم القاضى المولى او حكم المحكم" ذلك معناه أن الفتوى بمنزلة ما ذكر في إيجاب العمل بها في حق المستفتى نفسه بدليل قولهم في عبارة أخرى أن قول المفتى فى حق الجاهل بمنزلة رأيه واجتهاده، وتصريحهم فيها ان ذا الرأى يتبع رأى القاضى إذا قضى له أو عليه بخلاف رأيه، (وثم ساق كلام شمس الأئمة الذي قدمناه من تنقيح الحامدية إلى أن قال)" فقوله فيها وسعه أن يمسكها دليل على كون ذلك الحكم ديانة" الخ (فتاوى مهدوية كتاب الطلاق مطلب من طلق زوجته بالحرام ثم راجعها ص ٢٢٤ وص ٢٢٥ ج ١ ) هذا ما سنح لنا، والله سبحانه أعلم.

**قلت وبهذا اتضح جواب ما فی بحث رؤية الهلال من عمدة الرعاية علی شرح الوقاية مانصه:**

**والعالم الثقة في بلدة لا حاكم فيها قائم مقامه (عمدة الرعاية علی هامش شرح الوقاية، ج: ١،ص: ٢٤٦ مطبوعه ديوبند) (يعنی القاضی) فإنه أيضاً مختص بمورد كلامه يعني في فصل رؤية الهلال التي لا يشترط فيها القضاء لا عامة القضايا كما لا يخفی علی المتدرب هذا هو الصواب، وبيدالله الأمر وإليه المآب في كل باب.**

اور ہندوستان میں موجودہ حالات میں چونکہ عام طور پر قاضی شرعی کا وجود نہیں اس لئے ان مسائل کے بیان کرنے سے پہلے ایسی صورتیں ذکر کی جاتی ہیں جو ہندوستان مین میسر ہوسکتی ہیں۔

## موجودہ جج، مجسٹریٹ وغیرہ کا فیصلہ کن شرائط کے ساتھ معتبر ہے

ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں تو معاملہ سہل ہے، اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔

الدرالمختار میں ہے **ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافراً ذكره مسكين وغيره (الدر المختار ٤/٣٠٧ دار الكتب العلمية)** لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کرنے والا حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہوسکتا **(لان الكافر ليس باهل للقضاء علی المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه ) (رد المحتار ٤/٢٩٨، بدائع الصنائع ٦/٤٣٨)** حتی کہ اگر روداد مقدمہ غیر مسلم مرتب کرے اور مسلمان حاکم فیصلہ کرے یا اس کے برعکس ہو تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہوگا، اسی طرح اگر عنین وغیرہ کو مہلت تو مسلمان حاکم نے دی لیکن تفریق سے قبل دوسرا غیر مسلم حاکم آگیا، اور اس نے تفریق کردی یا اس کے برعکس ہوا تو وہ تفریق صحیح نہ ہوگی، کیونکہ جس طرح فیصلہ کے لئے اہلیت قضاء شرط ہے، اور نااہل کا فیصلہ غیر معتبر ہے، اسی طرح نااہل کے سامنے شہادت بھی ناکافی ہے اور ضروری ہے کہ جو قاضی فیصلہ کرے یا تو اسی کے

سامنے شہادت ہو یا کوئی دوسرا قاضی جس کے سامنے شہادت گزری ہے وہ باضابطہ (یعنی کتاب القاضی إلی القاضی کے جوشرائط ہیں ان کے موافق) قلم بند کر کے فیصلہ کرنے والے قاضی کے پاس حسب شرائط پہنچادے، ان دوصورتوں کے علاوہ قاضی کو فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے جیسا کہ درج ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

ولو جاء المدعى من القاضي برسول ثقة مامون عدل إلى قاض آخر لا يقبل لأنه لا يزيد على أن يأتي القاضي بنفسه ويخبر وهو في غير ولايته كواحد من الرعايا بخلاف كتابه لأنه كالخطاب من مجلس قضاء ه" (البحر الرائق، ج:۷ص:۲ طبع کوئٹہ)

وفيه أيضا عن السراج الوهاج ولو شهد شهود بحق ثم مات القاضي المشهود عنده وولي قاضي آخر لم ينفذ تلک الشهادة حتى تعاد" (البحر الرائق،ص ۴ ج۷)

اورنائب قاضی اگر روداد مراتب کرے تو اس میں تفصیل ہے

( كما فيه ايضا ص ۷ ج ۷)ما نصه في ادب القاضي للصدر الشهيد: النائب يقضي بما شهدوا عند الأصل وكذا الأصل يقضي بما شهدوا عند النائب (الى ان قال بعد نقل جزئيات تخالف بعضها بعضاً) فالحاصل ان القاضي اذا ولى الخليفة القضاء عمل بقوله، وان ولاه سماع الدعوى والشهادة فقط لا يعمل بقوله فلا تناقض كما لا يخفى الخ (البحر الرائق، ج:۷/۷ کوئٹہ)

اور اگر فیصلہ کسی جماعت کے سپرد کیا جائے جیسا کہ بعض مرتبہ ججوں کی جیوری کے سپرد ہوجاتا ہے یا بینچ میں پیش ہوتا ہے یا چند اشخاص کی کمیٹی کے سپرد کر دیا جاتا ہے تو اس صورت میں ان سب ارکان کا مسلمان ہونا شرط ہے کوئی غیر مسلم جج اور مجسٹریٹ اور ممبر بھی اس کا رکن ہو تو شرعاً اس جماعت کا فیصلہ کسی طرح معتبر نہیں، ایسے فیصلہ سے تفریق وغیرہ ہرگز صحیح نہ ہوگی۔

# جماعت مسلمین کا حکم

اور جس جگہ مسلمان حاکم موجود نہ یا مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ لیجانے کا قانوناً اختیار نہ ہو یا مسلمان حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو اس صورت میں فقہ حنفی کے مطابق تو عورت کی علیحدگی کے لئے بغیر خاوند(۱) کی طلاق وغیرہ کی کوئی صورت (۲) نہیں، اور حتی الوسع لازم ہے کہ خلع وغیرہ کی کوشش کرے۔

لیکن اگر کسی طرح شوہر نہ مانے یا مجنون یا لاپتہ ہونے کی وجہ سے اس سے خلع وغیرہ ممکن نہ ہو، اور عورت کو صبر کی ہمت نہ ہو تو مجبوراً مذہب مالکیہ کے مطابق دین دار مسلمانوں کی پنچایت میں معاملہ پیش کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ مالکیہ کے مذہب میں قاضی وغیرہ نہ ہونیکی حالت میں یہ صورت بھی جائز ہے کہ محلّہ کے دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت جن کا عدد کم از کم تین ہو پنچایت کرے، اور واقعہ کی تحقیق کرکے شریعت کے موافق حکم کردے تو یہ بھی قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، **صرح بذلک العلامة الصالح التونسی مفتی المالکیة فی المسجد النبوی بالمدینة المنورة فی فتواه الملحقة بهذه الرسالة فی الروایة السابعة عشر .**

## ضرورت شدیدہ میں مذہب غیر پر فتویٰ دینا

اور ضرورت شدیدہ اور ابتلائے عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کرکے اس پر فتوی دیدینا بھی جائز ہے، لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلہ میں چاہیں ایسا کرلینے کی اجازت نہیں، بلکہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، جیسا کہ

(۱) مگر یہ صورت طلاق وغیرہ کی جب ہوسکتی ہے جب کہ خاوند عاقل بالغ ہو، اور مفقود نہ ہو، کیونکہ مجنون ونابالغ سے طلاق وغیرہ صحیح نہیں اور مفقود سے طلاق وغیرہ کا حاصل کرنا متصور نہیں۔

(۲) اما التحکیم ففی بعض مسائل الباب لا یصح اصلاً وفی البعض یصح لکن لا یفتی به لما قال صاحب الهدایة وغیره من انه لا یفتی به فی النکاح والطلاق وغیرهما، لکیلا یتجاسر العوام (الهدایه ج: ۱۴۵/۲ مطبوعه دیوبند) فلذا ترکنا ه ۱۲ منه

علامہ شامی نے اپنے رسالہ شرح عقود رسم المفتی میں اس کی صراحت کی ہے، ان کی عبارت اس رسالہ کی تمہید میں گذر چکی ہے۔

اور اس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب تک محقق اور متدین علمائے کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کرکے دوسرے امام کے مذہب پر فتوی نہ دیں، اس وقت تک ہرگز اپنے امام کا مذہب نہ چھوڑے، کیونکہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہویٰ وخواہش نفس کے بناء پر نہ ہو، بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو، اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علمائے اہل بصیرت ضرورت سمجھیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتوی دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاد سے فن کو حاصل کیا ہو، اور اہل بصیرت اس کو فقہ میں مہارت تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہوں۔

لما قال الشامي في عقود رسم المفتي

" فإن المتقدمين شرطوا في المفتي الاجتهاد، وهذا مفقود في زماننا فلا أقل من أن يشترط فيه معرفة المسائل بشروطها وقيودها التي كثيرا ما يسقطونها ولا يصرحون بها اعتماداً على فهم المتفقه وكذا لا بد من معرفة عرف زمانه وأحوال أهله والتخرج في ذلك على أستاذ ماهر الخ (عقود رسم المفتي مجموعة رسائل ابن عابدين، ج: ١، ص: ٤٦ ثاقب بکڈپو دیوبند)

یعنی متقدمین نے مفتی ہونے کے لئے اجتہاد کی شرط لگائی ہے اور یہ اس زمانہ میں مفقود ہے، پس کم ازکم اس میں یہ شرط تو ضرور رہے گی کہ مسائل سے ان کے شروط وقیود سمیت واقف ہو، جن کو فقہاء اکثر چھوڑ دیتے ہیں، اور اہل فن کے فہم پر بھروسہ کی وجہ سے صراحت کے ساتھ بیان نہیں کرتے، اور اسی طرح مفتی کے واسطے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے زمانہ کے عرف اور اہل زمانہ کے احوال سے بخوبی واقف ہو، اور کسی ماہر استاد سے فتوی دینے کا طریقہ بھی حاصل کیا ہو (الی اخرہ) اور اس زمانہ پرفتن میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا یعنی کسی ایک شخص میں تدین کامل ومہارت تامہ کا اجتماع نایاب ہے، اس لئے اس زمانہ میں اطمینان کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ کم ازکم دو چار محقق علمائے دین کسی امر میں ضرورت (١) کو تسلیم کرکے مذہب غیر پر

فتوی دیں اس کے بغیر اس زمانہ میں اگر اقوال ضعیفہ اور مذہب (۲) غیر کو لینے کی اجازت دی جائے تو اس کا لازمی نتیجہ مذہب کا منہدم کرنا ہے، کما لا یخفی واللہ أعلم بالصواب وإلیه المرجع والمآب.

## مذہب غیر کو اختیار کرنے پر ایک اشکال اور اس کا جواب

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "شفاء العلیل" میں استیجار علی التلاوۃ کی ممانعت پر دلائل قائم کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے۔

"قلت فثبت بما قلناه عدم جواز الاستيجار على الحج كغيره من الطاعات سوى ما مر، وممن صرح بذلك صاحب الهداية والكنز والمجمع والمختار والوقاية وغيرهم، نصوا على ذلك في كتاب الاجارة ثم استثنوا تعليم القرآن من الطاعات، وبعضهم استثنى أيضاً تعليم الفقه والإمامة والأذان والإقامة كما علمت ذلك مما نقلناه عن المتون وغيرها، وهذا من أقوى الأدلة على ما قلنا من أن ما أفتوا به ليس عاماً في كل طاعة بل هو خاص بما نصوا عليه مما وجد فيه علة الضرورة والاحتياج فإن الاستثناء من أدوات العموم كما تقرر في الأصول، وحيث نصوا على أن مذهب أئمتنا الثلاثة المنع مطلقاً مع وضوح الأدلة عليه، واستثنى بعض المشائخ أشياء، وعللوا ذلك

---

(۱) اسی لئے ہم نے اس رسالہ میں چند مسائل مذہب مالکیہ سے لینے کی ضرورت سمجھی تو صرف اپنی رائے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسودہ تیار کر کے حضرات علماء دیوبند وسہارنپور کی خدمت میں بغرض استصواب بھیجا گیا، ان حضرات نے جس اہتمام کے ساتھ جمع ہو کر اس پر نظر غائر فرمائی ہے ایسا اتفاق شاید کسی مسئلہ میں پیش آیا ہو، یہاں تک کہ اس اہم کام کی وجہ سے ان حضرات نے چند بار اپنے اور مدرسہ کے مشاغل ضروریہ کا حرج کثیر بھی گوارا فرمایا، آخر کار کئی مرتبہ باہمی مراجعت کے بعد جب سب حضرات نے بالاتفاق تصدیق فرمائی تب اس کو شائع کیا گیا ۱۲ منہ

(۲) ایک امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر کسی جگہ مالکی قاضی بھی ہو یا جہاں بالکل قاضی نہیں اگر وہاں مالکی لوگوں کی پنچایت ہو تو حنفی قاضی اور حنفی پنچایت کی طرف رجوع نہ کیا جائے، اور اگر رجوع کرے تو ان کو مالکی مذہب پر فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ مالکی قاضی یا پنچایت میں معاملہ بھیج دیا جائے ۱۲ منہ

بـالـضرورة المسوغة لمخالفة أصل المذهب كيف يسوغ للمقلد طرد ذلك والـخـروج عـن المذهب بالكلية من غير حاجةضرورية على أنه لو ادعى أحد إلـحـاق مـا فيه ضرورة غير ما نصوا عليه به فلنا إن نمنعه وإن وجدت فيه العلة إلا أن يـكـون مـن أهـل الـقيـاس، فـقـد نص ابن نجيم في بعض رسائله على أن الـقيـاس بـعـد الأربـع مأة منقطع، فليس لأحد أن يقيس مسألة على مسألة فما بـالـك بالخروج عن المذهب، فعلى المقلد اتباع المنقول، ولهذا لم نر أحداً قـال بجواز الاستيجار على الحج بناء على ما افتى به المتأخرون (شفاء العليل مجموعة رسائل ابن عابدين، ج: ا ،ص:۱۶۳ ، ثاقب بکڈپو دیوبند)

اس میں" مـن غيـر حـاجة ضـرورية" تک سےتو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت دوسرے مذہب پر عمل جائز ہے اوراس ضرورت میں یہ قید نہیں کہ اس کا تحقق کب ہوا ہے، بلکہ علی الاطلاق ضرورت کا لفظ استعمال کیا ہے جو عام ہے ہر ضرورت کو خواہ وہ کسی زمانہ میں پیدا ہوئی ہو جیسا کہ علامہ نے عقود رسم المفتی میں بھی ضرورت کو عام رکھا ہے، بلکہ اس میں صفحہ ۴۵ پر فهـذه كـلهـا قد تغيرت أحكامها لتغير الزمان إما للضرورة وإما للعرف وإما لقرائن الأحوال الخ کے بعد جو تحریر فرمایا ہے

(فـإن قـلـت )العرف يتغيره مرة بعد مرة فلو حدث عرف آخر لم يقع فـي الـزمـان الـسـابـق فهـل يسـوغ لـلـمفتي مخالفة المنصوص واتباع العرف الـحـادث (قـلـت) نـعم فإن المتأخرين لم يخالفوا إلا لحدوث عرف بعد زمن الإمام، فللمفتي اتباع عرفه الحادث في الالفاظ العرفية وكذا في الأحكام التي بـنـاهـا المجتهد على ما كان في عرف زمانه وتغير عرفه إلى عرف آخر اقتداء بهـم لـكـن بـعـد أن يكون المفتي ممن له رأى صحيح ومعرفة بقواعد الشرع حتى يميز بين العرف الذي يجوز بناء الأحكام عليه وبين غيره فإن المتقدمين شـرطـوا في المفتي الاجتهاد، وهذا مفقود في زماننا فلا أقل من أن يشترط فيه مـعـرفة الـمسائل" (إلى آخر ما مر ) (شرح عقود رسم المفتي مشموله رسائل ابن عابدين، ج: ص:۴۵، ثاقب بکڈپو دیوبند)

اس میں تصریح ہے کہ اس زمانہ میں بھی تغیر زمان ضرورت جدیدہ سے ہو جائے تو اہل فتوی کو مذہب غیر پر فتوی دینا جائز ہے۔

مگر **علی انه لو ادعی احد الخ** سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ غیر کے مذہب پر فتوی دینا مخصوص تھا زمانہ اجتہاد کے ساتھ جو چوتھی صدی پر ختم ہو چکا، پس چوتھی صدی کے بعد خواہ کیسی ہی ضرورت شدیدہ اور حالتِ اضطرار پیش آ جائے مگر جس مسئلہ میں زمانہ اجتہاد کے مشائخ نے مذہب غیر کو اختیار نہیں فرمایا اس مسئلہ میں بعد کے علماء کو مذہب غیر پر فتوی دینا جائز نہیں، مقصود ان حضرات مستدلین کا یہ ہے کہ اس رسالہ میں جو مذہب مالکیہ کے مسائل لکھے گئے ہیں ان میں اکثر مسائل ایسے ہیں جن کو زمانہ مذکورہ میں کسی حنفی مجتہد نے نہیں لیا، اس واسطے ہم کو ان پر فتوی دینے کا اختیار نہیں ہے، سو اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ جب خود علامہ موصوف ہر زمانہ میں اس کے جواز کے تصریح فرما چکے (جیسا کہ عبارت مذکورہ بالا از عقود رسم المفتی سے واضح ہے) اور قاعدہ ہے ''**الحكم المذكور في بابه أولى من المذكور في غير بابه**'' تو پھر اگر اس زیر بحث عبارت سے عدم جواز ثابت ہو جائے تب بھی قابل تسلیم نہیں۔

ثانیاً یہ کہ اس عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کو لے کر اسی چیز کے جواز پر فتوی ہو سکتا ہے جس کا جواز مذہب غیر میں منصوص ہو، غیر مجتہد کو یہ جائز نہیں کہ منصوص فی مذہب الغیر پر قیاس کر کے کسی ایسی چیز کا جواز ثابت کرے جو دوسرے مذہب میں منصوص (۱) نہ ہو، اور پھر ضرورت کے وجہ سے اپنے اس استخراجی جواز پر فتوی دے، جیسا کہ بعض لوگوں نے علامہ شامی کے زمانہ میں ضرورت کا دعوی کر کے قبر پر تلاوت قرآن وغیرہ کی اجرت کو جائز کہا تھا تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز پر قیاس کر کے جو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب میں منصوص ہے، اور اس مقام پر علامہ کا اصل مقصود اسی قیاس فاسد کو رد کر دینا ہے۔

حاصل رد یہ ہے کہ تلاوت قرآن پر اجیر رکھنے کی ضرورت غیر مسلم ہے، جو خروج عن المذہب کو جائز کرنے والی ہے، اور اگر بالفرض ہم اس کی ضرورت کو تسلیم کر لیں تب بھی جائز نہیں ہو سکتی، کیونکہ کسی مذہب (۱) میں بھی اس کا جواز منصوص نہیں اور تعلیم جو منصوص ہے اس پر اہل زمانہ

---

(۱) جیسا کہ خود اپنے مذہب کے مسائل پر قیاس کرنے کا حق نہیں ۱۲ منہ

کے لئے مجتہد نہ ہونے کی وجہ سے تلاوت کو قیاس کرنے کا حق نہیں ہے، اگر چہ دوسرے کو کتاب اللہ سے نفع پہنچانا تلاوت میں بھی موجود ہے جو اصل مسئلہ یعنی رقیہ والی حدیث کی علت ہے، اور اسی علت کے سبب امام مالک وشافعی نے تعلیم قرآن کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے، اور اسی واسطے " فلنا ان نمنعه " کے بعد "وان وجدت فيه العلة" فرمایا یعنی اگر چہ مذہب میں منصوص اصل مسئلہ کی علت بھی پائی جائے؛ ورنہ اگر وہ مطلب ہوتا جو ان حضرات نے خیال فرمایا ہے تو اسکی جگہ " وان مست اليه الحاجة" یا "وان دعت اليه ضرورة" وغیرہ فرمانا مناسب تھا، کیونکہ علت کی ضرورت ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ پر قیاس کرنے میں ہے بس روح اس جواب ثانی کی یہ ہے "و إن وجدت فيه العلة" میں علت سے مراد علة الحكم في أصل المسألة المنصوصة في مذهب ہے نہ کہ ضرورت کی علت جس کی وجہ سے ان حضرات کو اشکال پیش آیا، فافهم حق الفهم .

اب رہا یہ سوال کہ اس عبارت میں جب دونوں احتمال رہیں تو ان میں سے ایک کو متعین کیسے کہا جائے، اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ احتمال استدلال کرنے والے حضرات کو مضر ہوتا ہے، ہم چونکہ استدلال نہیں کرتے، اسلئے دوسرا احتمال بھی رہے تو ہم کو ضرر نہیں پہنچ سکتا، بلکہ استدلال کرنے والے وہ حضرات ہیں جو مذہب غیر کا مسئلہ لینے کو محدود کرتے ہیں زمانہ خاص کے ساتھ، پس ہم کو ایسا احتمال نکال دینا کافی ہے جس کی عبارت متحمل ہو، اور یہ ثابت کرنا کہ اس کا صرف یہی ایک محمل ہے، یہ کام استدلال کرنے والے حضرات کا ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جو توجیہ ہم نے کی ہے وہی متعین ہے اس لئے کہ اس کے بغیر علامہ کا کلام صحیح نہیں ہوسکتا، کیونکہ خود علامہ موصوف نے اپنے اس رسالہ شفاء العلیل ونیز ردمحتار میں تعلیم فقہ وامامت واذان واقامت ووعظ کی ملازمت کا جواز تسلیم کیا ہے، حالانکہ زمانہ اجتہاد میں ان چیزوں پر تنخواہ کے جواز کا احناف میں کوئی قائل نہیں تھا، جیسا کہ خود شفاء العلیل

(۱) كما قال العلامة أيضاً في رسائله:

وأما الاستيجار على التلاوة فلا يجوز في مذهب من المذاهب الإسلامية ولا دين من الأديان السماوية (شفاء العليل مشموله رسائل ابن عابدين، ج: ۱، ص: ۱۷۴) وعن شيخ الإسلام تقي الدين مانصه: ولا يصح الاستنجار على القراءة واهدائها إلى الميت؛ لأنه لم ينقل عن أحد من الأئمة الاذن في ذلک ، (نفس المصدر، ص: ۱۷۵)

ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین یعنی تین صدی تک تو علمائے کرام بالاتفاق سب طاعات کی اجرت کو مطلقاً منع فرماتے تھے، اور بعض متاخرین (یعنی تیسری صدی کے بعد والے مشائخ) نے تعلیم قرآن کو مستثنیٰ فرمایا ہے، ان متاخرین میں فقیہ ابواللیث سمرقندی بھی ہیں (جن کا انتقال ۳۷۳ھ میں یا اس کے بھی بعد ہوا ہے) اور امام فضلی نے بھی تعلیم قرآن پر اجارہ کو جائز اور اذان وامامت وغیرہ بقیہ طاعات پر ناجائز فرمایا ہے (امام فضلی کا سن وفات ۳۸۱ھ ہے)

الغرض یہ استثناء زمانہ اجتہاد میں صرف تعلیم قرآن تک محدود رہا، حتی کہ شمس الأئمۃ سرخسی (متوفی ۵۰۰ھ) نے تصریح فرمائی ہے

"وأجمعوا علی ان الإجارۃ علی تعلیم الفقۃ باطلۃ"

اور تعلیم قرآن کے علاوہ دوسری طاعات مثل تعلیم فقہ واذان وامامت وغیرہ پر پانچویں صدی کے بعد والے فقہاء میں سے بعض نے وقتاً فوقتاً جواز کا فتوی دیا ہے، چنانچہ چھٹی صدی میں صاحب مجمع البحرین نے تو امامت وتعلیم فقہ کو تعلیم قرآن کے ساتھ ملحق کر دیا، مگر صاحب ہدایہ (متوفی ۵۹۳ھ) وقاضی خاں (متوفی ۵۹۲ھ) جیسے جلیل القدر اصحاب تخریج وترجیح نے اس وقت بھی محض تعلیم قرآن ہی کی تنخواہ کو جائز قرار دیا، اس کے علاوہ بقیہ طاعات پر اجارہ کو بدستور ناجائز رکھا، اور کنز جو متون متداولہ میں ایک ممتاز شان رکھتا ہے اس میں باوجود ساتویں صدی ختم ہو جانے کے بھی جواز اجارہ کو محض تعلیم قرآن تک محدود رکھا (صاحب کنز کی وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی ہے) مگر اس کے بعد اکثر اصحاب متون وشراح اور ارباب فتاوی نے تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم فقہ وامامت واذان کو بھی ملحق کیا ہے، جیسا کہ مختصر وقایہ (۱) میں تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم فقہ ملحق ہے (صاحب مختصر وقایہ کی وفات ۷۴۷ھ میں ہوئی) اور صاحب ملتقیٰ الابحر (متوفی ۹۵۶ھ) وصاحب درر البحار (متوفی ۷۸۸ھ) نے امامت کا اضافہ کر دیا ہے، اور صاحب الاصلاح والایضاح (متوفی ۹۴۰ھ) نے فقہ کی اجرت کو جائز قرار دیا، اور صاجب تنویر الابصار (متوفی ۱۰۰۴ھ) نے تعلیم قرآن وفقہ اور امامت کے ساتھ اذان کو بھی شامل کر دیا،

(۱) خود وقایہ میں تعلیم فقہ کا لفظ بھی موجود ہے، پس نہ معلوم علامہ نے وقایہ کی طرف کیوں منسوب نہیں فرمایا ہے ۱۲ منہ۔

اور بعض (۱) فقہاء نے اقامت ووعظ کا بھی اضافہ کردیا۔ (۲)

جب یہ سب تفصیل علامہ موصوف خود تحریر فرمارہے ہیں، اور باایں ہمہ ان چیزوں کے جواز کا فتوی دے رہے ہیں جو چوتھی صدی سے بہت پیچھے دوسرے مذہب سے لی گئی ہیں، اور خود ان فقہائے کرام کا باوجود مجتہد نہ ہونے اور زمانۂ اجتہاد ختم ہوجانے کے دوسری اشیاء کو ملحق کرنا اس کی بین دلیل ہے کہ علامہ شامی کے کلام کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہوسکتا کہ چوتھی صدی کے بعد کسی کو دوسرے امام کا قول لینے کا اختیار نہں، بلکہ مذہب غیر پر فتوی دینا ہر زمانہ میں جائز ہے، بشرطیکہ سخت ضرورت ہو کہ مذہب غیر کو لئے بغیر کوئی تکلیف نا قابل برداشت (۳) پیش آجائے

**كما بيناه من قبل أيضاً هذا ما سنح بالبال والله أعلم بحقيقة الحال.**

---

(۱) هكذا ذكرهم العلامة بلا تسمية في رد المحتار أيضاً ۱۲ منه

(۲) وقد اقتصر على استثناء تعليم القرآن أيضاً في متن الكنز ومواهب الرحمن وكثير من الكتب، وزاد في مختصر الوقاية ومتن الإصلاح: تعليم الفقه، وزاد في متن المجمع: الإمامة، ومثله في متن الملتقى ودرر البحار، وزاد بعضهم: الأذان والإقامة والوعظ، (رد المحتار، ج:۵، ص:۳٤، مطبعة دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۳) ایک مطبوعہ رسالہ میں دیکھا کہ مذہب غیر پر عمل جب جائز ہے جب اندیشۂ ہلاکت ہو مگر کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا، اور نہ دے سکتے ہیں، ضرورت کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم نے کی ہے، یعنی تکلیف نا قابل برداشت، چنانچہ خود اس رسالہ میں بھی ایک جگہ تکلیف نا قابل برداشت کا لفظ استعمال کیا ہے ۱۲ منہ

# جماعت مسلمین کے بارے میں ضروری تنبیہات

## تنبیہ اوّل

فتاوی مالکیہ میں جماعة المسلمین العدول کے الفاظ ہیں اور عدل سے مراد وہ شخص ہے جو فاسق نہ ہو، یعنی تمام کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو، اور صغائر پر بھی مصر نہ ہو، اور اگر کبھی گناہ سرزد ہو جاتا ہو تو فوراً توبہ کر لیتا ہو، لہذا وہ شخص جو سود یا رشوت وغیرہ لیتا ہو یا داڑھی منڈواتا ہو یا جھوٹ بولتا ہو یا نماز روزہ کا پابند نہیں ہے وہ اس جماعت کا رکن نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ مسئلہ مالکیہ سے لیا گیا ہے، اس واسطے اس کی سب شرطیں مذہب مالکیہ سے لینا لازم ہے، اور ان کے نزدیک قاضی وغیرہ کے لئے عادل ہونا شرط ہے اس لئے غیر عادل کا حکم نافذ نہ ہوگا اور حنفیہ کے نزدیک گو قاضی کا عادل ہونا شرط کے درجہ میں نہیں، لیکن غیر عادل سے فیصلہ کرانا حرام ہے، اس لئے ان کے نزدیک بھی غیر عادل کو اس پنچایت کا رکن بنانا جائز نہیں، غرض پنچایت کا دیندار ہونا ضروری ہے۔

اور اگر بدقسمتی سے کسی جگہ کے بااثر لوگ دین دار نہ ہوں، تو یہ تدبیر کر لی جائے کہ وہ بااثر اشخاص چند دینداروں کو اختیار دیدیں، تاکہ شرعاً فیصلہ کی نسبت دیندار جماعت کی طرف ہو، اور بااثر اشخاص کی شرکت گو ضروری نہیں مگر ان کے اثر سے کام میں سہولت ہوتی ہے، اس طرح کام بھی بن جائے گا اور ان بااثر اشخاص کو ثواب بھی ملے گا۔

## تنبیہ دوم

اگر فیصلہ پنچایت کے سپرد کیا جائے تو چونکہ عوام کی پنچایت کا کچھ اعتبار نہیں، نہ معلوم کہاں کہاں قواعد شرعیہ کے خلاف کر بیٹھیں اس لئے اولاً تو یہ چاہیے کہ پنچایت کے ارکان سب اہل علم ہوں، اور اگر یہ میسر نہ ہو تو کم از کم ایک معاملہ شناس عالم کو پنچایت میں اس طرح شریک کر لیں کہ اول سے آخر تک جو کچھ بھی کریں ان سے پوچھ کر کریں اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر اس کے سوا پنچایت کا فیصلہ نافذ و معتبر ہونے کی کوئی صورت نہیں کہ معاملہ کی مکمل روئداد دکھلا کر ہر ہر جزئی کے حکم کو معاملہ فہم علمائے محققین سے دریافت کر کے ان کے فتوی کے موافق فیصلہ کیا جائے، اگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ عوام نے محض اپنی رائے سے حکم کر دیا تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا اگرچہ اتفاقاً

حکم صحیح بھی ہوگیا ہو، جیسا کہ فقہائے مالکیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے:

"كما في مختصر الخليل حيث قال ونبذ حكم جائر وجاهل لم يشاور وإلا تعقب ومضى غير الجور وقال شارحه العلامة الدردير تحت قوله لم يشاور (أى) العلماء ولو وافق الحق (إلى أن قال) وإن تعقب مع المشاورة لانه وإن عرف الحكم فقد لا يعرف إيقاعه لأنه يحتاج لزيادة نظر فى البينة وغيرها من أحوال المتداعِيَيْن إذ القضاء صناعة دقيقة لا يهتدى إليه كل الناس. (الشرح الكبير للدردير مع حاشية الدسوقى، باب في القضاء، ج:۴،ص:۱۵۲، مطبوعه دار إحياء الكتب العربية مصر)

قلناونظيره على قول بعض من صلى بغير التحرى فإن صلوته لا تصح، وإن أصاب القبلة، لأنه ترك فرض التحرى فكذا إذا ترك الجاهل فرض المشاورة مع العلماء لا يصح حكمه وإن وافق الحق، وأما التعقب على حكمه بعد المشاورة مع العلماء فهو فريضة القاضى، ويكفينا صحة الحكم.

وقال في باب القضاء، وأما الجاهل والكافر فلا يجوز تحكيمهما (ثم قال) فإن حكما خصماً أو كافراً أو جاهلاً لم ينفذ حكمه (شرح الدردير مع حاشية الدسوقى باب في القضاء، ج:۴،ص:۱۳۵، ۱۳۶ بقيه حواله سابق) قلنا لعل عدم النفاذ مخصوص بما إذا لم يشاور الجاهل العلماء كما علم مما مر والله أعلم"

## تنبیہ سوم

یہ شرعی پنچایت جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اگر کسی معاملہ میں متفق ہوکر تفریق کردے تو اس کا حکم قاضی کے حکم کے قائم مقام ہوگا، اور تفریق وغیرہ صحیح ہوجائے گی اور اگر خدانخواستہ کسی واقعہ کے متعلق پنچایت کے ارکان میں اختلاف رہا تو تفریق وغیرہ نہ ہوسکے گے، اور بعض نے فیصلہ کردیا تو کالعدم متصور ہوگا۔

ونظيره ما في كتبنا من إن الحكمين إذا اختلفا لا ينفذ حكم أحد منهما، قال صاحب الهداية لو حكما رجلين لا بد من اجتماعهما لأنه أمر يحتاج فيه إلى الرأى، وفي شرحها النهاية حتى لو حكم أحدهما دون الآخر لا يجوز،لانهمارضيا برأيهما، ورأى الواحد لا يكون كرأى الاثنين (هدايه اخيرين، ص:۱۴۵، كتاب أدب القاضى، باب التحكيم، طبع ديوبند) انتهى

قلنا : فكما أن تفويض الخصمين للحكمين يقتضي اجتماع رأيهما على حكم واحد فكذالک تفويض الشرع الحكم إلى الجماعة يقتضي اجتماع آرائهم على حكم واحد. وبمثله صرح الإمام مالک في المدونة باب ما جاء في الحكمين في أبواب الأنكحة والطلاق (صفحه ۲۵۷ ج۲ ) حيث قال:

قلت فلو أنهما اختلفا، فطلق أحدهما ولم يطلق الآخر (قال ) إذاً لا يكون هناک فراق لأن إلى كل واحد منهما ما إلى صاحبه باجتماعهما عليه" (المدونة الكبرىٰ، ج: ۲،جزء: ۵،ص: ۳۶۹، مطبعة دار صادر بيروت) انتهى

واصرح منهماما قال الباجي المالكي في المنتقي.

مسئله :

ولو حكم المتخاصمان رجلين، فحكم أحدهما ولم يحكم الآخر، فإن ذلک لا يجوز له، قاله سحنون في كتاب ابنه.

ولو حكم جماعة فاتفقوا على حكم أنفذوه وقضوا به جاز، قاله ابن كنانة في المجموعة ووجه ذلک انهما إذا رضيا بحكم رجلين أورجال فلا يلزمهما حكم بعضهم دون بعض" الخ (منتقى صفحه ۲۲۷ ج ۵ دار الكتاب العربى بيروت لبنان)

عبارات مذکورہ سے مستفاد ہوا کہ جماعت المسلمین کا صرف وہ فیصلہ معتبر ہوگا جو باتفاق ہو، کثرت رائے کا اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ اس کے معتبر ہونے کی کوئی دلیل نہیں، اور بغیر دلیل کے کوئی حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔

البتہ عورت کو نظر ثانی کی درخواست کا حق ہوگا، پھر نظر ثانی میں اس پنچایت کے ارکان کو اگر کوئی وجہ قوی عورت کے مطالبہ کی مؤید ظاہر ہو، اور ارکان پنچایت اب تفریق پر متفق ہو کر تفریق کردیں تو یہ تفریق نافذ ہوجائے گی، اور اگر مقدمہ کی روداد بالکل وہی ہے کوئی نئی بات نہیں ہوئی تو تفریق نہ کی جائے۔

وذلک لما في المدونة أوائل كتاب الأقضية (مجلد: ۵،ص: جزء: ۱۲،ص: ۱۳۲، دار صادر بيروت) فإن أتيا بعد ذلک يريدان نقض ذلک الحكم لم يقبل ذلک منهما إلا أن يأتيا بامريرى لذلک وجهاً (إلى قوله ) وما أشبه هذا مما قال مالک يعرف به وجه حجته " والله أعلم

# عنین (نامرد) کی بیوی کا حکم

## سوالات

۱۔عنین اصطلاح فقہ میں کس کو کہتے ہیں؟
۲۔عنین کی بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار دیا جائے گا یا نہیں؟
۳۔اگر اختیار دیا جائے تو اس کی کیا صورت ہوگی، اور اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟
۴۔تفریق کے بعد عنین پر پورا مہر واجب ہوگا یا آدھا، نیز عورت پر عدت لازم ہوگی یا نہیں؟

## جواب سوال نمبرا

## عنین کی تعریف

**۱ . في الباب الثاني عشر من طلاق العالمكيرية**

**"العنين هو الذي لا يصل إلى النساء مع قيام الآلة، فإن كان يصل إلى الثيب دون الأبكار أو إلى بعض النساء دون البعض وذلك لمرض به أو لضعف في خلقه أو لكبر سنه، أو سحر فهو عنين في حق من لا يصل إليها كذا في النهاية"**
**(جلد: ۱،ص: ۲۲،مطبع إحياء التراث العربي بيروت لبنان)**

**وفي رد المحتار" أي مع وجود الآلة سواء كانت تقوم أولا" (رد المحتار ،ج: ۲،ص: ۵۹۳،باب العنين، دار الكتب العلمية، بيروت)**

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ فقہاء کی اصطلاح میں عنین اس شخص کو کہتے ہیں جو باوجود(۱) عضو مخصوص ہونے کے عورت سے جماع (۲) کرنے پر قادر نہ ہو، خواہ یہ حالت کسی

---

(۱) اور جس شخص کا عضو مخصوص قطع ہو گیا یا اصل سے ہی بالکل موجود نہ تھا اس کا حکم آگے آتا ہے ۱۲ منہ

**(۲) في رد المحتار عن المعراج إذا أولج الحشفة فقط فليس بعنين و إن كان مقطوعها فلا بد من ايلاج بقية الذكر قال في البحر وينبغي الاكتفاء بقدرها من مقطوعها (باب العنين، ج: ۲،ص: ۵۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)**

مرض کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو یا ضعف کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ کسی نے اس پر جادو کر دیا ہو، اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ بعض عورتوں سے تو جماع کرنے پر قادر ہے اور بعض پر نہیں تو جس سے ہم بستری پر قدرت نہیں اس کے حق میں یہ شخص عنین سمجھا جائے گا۔

## جواب سوال نمبر۲

۲۔عنین کی بیوی کو ان شرائط کے ساتھ اپنے خاوند سے تفریق یعنی علیحدگی اختیار کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے جو جواب نمبر۳ مندرجہ ذیل میں ابھی آتے ہیں بغور ملاحظہ فرماویں۔

## جواب سوال نمبر۳

## عنین کی بیوی کے متعلق دعوی اور فیصلہ کا طریقہ

۳. الف . قال في العالمكيرية باب العنين

"إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي وادعت أنه عنين وطلبت الفرقة فإن القاضي يسأله هل وصل إليها اولم يصل؟ فإن أقرّانه لم يصل أجّله سنة، سواء كانت المرأة بكراً أو ثيباً وإن أنكر وادعى الوصول إليها فإن كانت المرأة ثيباً فالقول قوله مع يمينه أنه وصل إليها هكذا في البدائع فإن حلف بطل حقها وإن نكل يؤجل سنة، كذا في الكافي وإن قالت : أنا بكر نظر إليها النساء وامرأة تجزئ والاثنان أحوط وأوثق فإن قلن أنها ثيب فالقول قول الزوج مع يمينه كذا في السراج الوهاج، فان حلف لاحق لها ، و ان نكل يوجله سنة كذا في الهداية ، وإن قلن : أنها بكر فالقول قولها من غير يمين ( فتاوى عالمگيرى كتاب الطلاق باب العنين ۱ / ۵۲۲) .

وفي الدر المختار فإن قالت امرأة ثقة والثنتان أحوط هي بكر خيرت اه (شامي، ج:۲،ص: ۵۹۶) دار الكتب العلمية بيروت)

ب.وفي التاجيل تعتبر السنة القمرية في ظاهر الرواية كذا في التبيين وهو الصحيح، كذا في الهداية، وروى الحسن عن أبي حنفية أنه تعتبر سنة

شمسية وهي تزيد على القمرية بأيام، وذهب شمس الأئمة السرخسي في شرح الكافي(المبسوط) إلى رواية الحسن أخذاً بالاحتياط، وكذالك صاحب التحفة وهذا هو المختار عندي، كذا في غاية البيان وهو اختيار شمس الائمة في المبسوط واختيار قاضيخان والإمام ظهير الدين، وعليه الفتوى، كذا في الخلاصة (عالمكيرية ج: ١ ،ص: ٥٢٣، إحياء التراث العربي بيروت)وفي الدر ولواجل في اثناء الشهر فبالأيام إجماعاً اه (شامى، ج: ٢، ص: ٥٩٥)

ج. ابتداء التاجيل من وقت المخاصمة [1] كذا في المحيط (عالمكيرى كتاب الطلاق باب العنين، ج: ١، ص: ٥٢٣، التراث الغربي،) وفي مبسوط السرخسي (صفحه ١٠٢ ج ٥) باب العنين، دار المعرفة بيروت، سنة ١٤١٤ هج، ١٩٩٣م. في عبارة طويلة ولا يحتسب بالمدة قبل التاجيل انتهى .

د. إن جاء ت المرأة إلى القاضي بعد مضى الأجل وادعت أنه لم يصل إليها وادعى الزوج الوصول، فإن كانت ثيباً في الأصل كان القول قوله مع اليمين (إلى قوله) وإن قالت المرأة أنا بكر نظرت إليها النساء (إلى قوله) وإن قلن : هي بكرأو أقر الزوج أنه لم يصل إليها خيرها القاضي في الفرقة، كذا في شرح الجامع الصغير لقاضيخان (عالمكيرى، كتاب الطلاب باب العنين، ج: ١، ص: ٥٢٤، إحياء التراث العربي بيروت)

وفي رد المحتار تحت (قوله خيرت ) قال في النهر وظاهر كلامه أنها لا تستحلف اه. قلت صرح به في البدائع عن شرح الطحاوى الخ (شامى، ج: ٢، ص: ٥٩٦، دار الكتب العلمية بيروت)

هـ. إن اختارت الفرقة أمره القاضي أن يطلقها بائنة، فإن أبى فرق بينهما، هكذا ذكر محمد في الأصل، كذا في التبيين، والفرقة تطليقة بائنة

---

(١) المراد به وقت التاجيل لأنه لا يؤخر من المخاصمة بدون عذر وبه حصل التوفيق بين هاتين الروايتين.

**كـذا فـي الـكـافـي (عالمكيرى، كتاب الطلاق باب العنين، ج: ۱، ص: ۵۲۴، إحيـاء التـراث الـعـربـي) لأنهـا فرقة قبل الدخول حقيقة فكانت بائنة (شامى، ج: ۲،ص: ۵۹۵، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)**

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ عنین کی بیوی کے لئے تفریق کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کرے، قاضی واقعہ کی تحقیق کرے، یعنی پہلے خاوند سے دریافت کرے، اگر وہ خود اقرار کر لے کہ بے شک میں اس عورت سے ہم بستری پر قادر نہیں ہوا تو اس کو ایک سال کی مہلت علاج کرنے کے لئے دیدے، اور اگر وہ اقرار نہ کرے بلکہ جماع کا دعوی کرے تو اس وقت یہ تفصیل ہے کہ اگر عورت باکرہ ہونے (کنواری) کا دعوی نہ کرتی ہو تب تو مرد سے حلف لیا جائے گا، اگر اس نے حلف کر لیا تو پھر عورت کو تفریق کا حق حاصل نہ ہو سکے گا، اور اگر شوہر نے حلف سے انکار کر دیا تو اس کو ایک سال کی مدت علاج کے لئے دیدی جائے گی اور اگر عورت باکرہ ہونے کی مدعی ہو تو قاضی عورتوں سے اس کی بیوی کا معائنہ کرائے ایک عادل تجربہ کار عورت کا معاینہ بھی کافی ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ دو عادل (۱) عورتیں معائنہ کریں، پھر معائنہ کے بعد دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ ہے کہ عورتیں بیان کریں کہ یہ عورت باکرہ یعنی کنواری نہیں رہی، تب تو خاوند سے اس بات پر حلف لیا جائے کہ اس نے جماع کیا ہے، اگر وہ حلف کرے تو اس کا قول معتبر ہو جائے گا اور عورت کو تفریق کا حق باقی نہ رہے گا، اور اگر شوہر حلف سے انکار کر دے تو تاجیل یعنی ایک سال کی مہلت کا حکم دیا جائے گا، اور دوسری صورت یہ کہ عورتیں بیان کریں کہ ابھی تک یہ لڑکی باکرہ (کنواری) ہے تو پھر قاضی کسی سے حلف لئے بغیر عنین شوہر کو ایک سال کی مہلت

(۱) اس کو احتیاط کہنا اس وقت ہے جب فیصلہ کرنے والا قاضی ہو اور اگر فیصلہ کرے تو مذہب مالکیہ لینا ضروری ہے اور ان کے مذہب میں معائنہ کے لئے دو عورتیں ضروری ہیں ایک عورت کافی نہیں ہے، **فى المدونة الكبرى، ج: ۵، جـزء ۱۳، ص: ۱۵۸، دار صـادر بيـروت) قـلـت أرأيت ما لا يراه الرجال هل يجوز فيه شهادة امـرأة واحد (قال مالكؒ) لا يجوز في شئى من الشهادات أقل من شهادة امرأتين لا يجوز شهادة امـرأة واحدة فـي شـيء مـن الأشيـاء وفـي الـمـختصر (ج: ۱، ص: ۱۰۳، فصل في الخيار لأحد الـزوجـيـن، دار الـحـديـث الـقـاهـرة، سنة ۱۴۲۶هج ۲۰۰۵م) فصل في الخيارات من أبواب (الانكحة) وإن أتى بأمرأتين تشهدان له قبلتا . ۱۲ منه**

علاج کے لئے دیدے۔

خلاصہ یہ کہ جب کسی دلیل سے متحقق ہو جائے کہ عورت باکرہ نہیں بلکہ ثیبہ ہے خواہ ثیبہ ہونا اس طرح معلوم ہو کہ وہ بیوہ ہو اور پہلے شوہر سے اولاد ہو چکی ہو یا خود عورت کے اقرار سے یا عورتوں کے معائنہ سے، ان تینوں حالتوں میں مرد کا قول حلف کے ساتھ قبول کرلیا جائے گا کہ وہ ہم بستری کر چکا اور عورت کو علیحدگی کا حق نہ دیا جائے گا اور اگر تینوں حالتوں میں مرد حلف سے انکار کر دے تو عورت کا دعوی درست مان کر مرد کو ایک سال کی مہلت دیدیں اور اگر عورتوں کے معائنہ سے بیوی کا باکرہ ہونا ثابت ہو تو حلف لیے بغیر ایک سال کی مہلت دیدی جائے، یہ تمام مضمون عالمگیری کی عبارت حرف (الف) میں مفصل مذکور ہے۔

اور اس مہلت کے لئے ظاہر الروایۃ میں تو قمری سال کا اعتبار کیا ہے لیکن روایت حسن میں شمسی سال کو لیا ہے اور بعض اصحاب ترجیح نے احتیاطاً اسی کو اختیار کیا ہے اور عموماً متاخرین نے اسی پر فتوی دیا ہے، جیسا کہ عالمگیریہ کی دوسری عبارت میں ہے جو حرف ب کے تحت مذکور ہے، اور اب بھی عام اہل فتوی کا یہی معمول ہے، اور یہ سال حاکم کی مہلت دینے کے وقت سے شروع سمجھا جائے گا، اس سے پہلے خواہ کتنی ہی مدت گذر گئی ہو معتبر نہ ہوگی، جیسا کہ عالمگیری ومبسوط کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا جو حرف (ج) کے تحت مذکور ہیں، پھر اس سال بھر کے عرصہ میں اگر شوہر کسی طرح علاج کر کے تندرست اور جماع پر قادر ہو گیا، اور ایک مرتبہ بھی ہم بستری کر لی تو عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں رہا، بلکہ ہمیشہ کے لئے یہ حق باطل ہو چکا، اب کبھی علیحدگی کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔

اور اگر اس عرصہ میں ایک مرتبہ بھی جماع نہ کرسکا تو عورت کے دوبارہ درخواست کرنے پر قاضی تحقیق کرے، اگر شوہر نے اقرار کرلیا کہ بے شک میں قادر نہیں ہوا تب تو عورت کا دعوی بلاغبار صحیح ہو گیا، اس صورت میں قاضی عورت کو اختیار دیدے گا کہ اگر علیحدگی درکار ہے تو طلب کرو ورنہ اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کو گوارا کرو، اس پر اگر وہ اسی مجلس میں علیحدگی چاہے تو خاوند سے طلاق دلوادی جائے، اگر وہ انکار کرے تو خود قاضی تفریق کر دے، جیسا کہ آئندہ عنقریب آئے گا۔

اور اگر شوہر اقرار نہ کرے بلکہ جماع ہو چکنے کا دعوی کرے تو اس وقت یہ تفصیل ہے کہ

مہلت دینے کے وقت اگر عورت کا ثیبہ ہونا ثابت ہو چکا تھا یا اب عورت اقرار کرلے کہ کسی طرح بکارت زائل ہو چکی ہے مگر ہم بستری نہیں ہوئی تب تو شوہر سے حلف لیا جائے، اگر وہ قسمیہ کہہ دے کہ میں نے اس عورت سے جماع کیا ہے تو مرد کا قول معتبر ہوگا، اور تفریق نہ ہو سکے گی، اور اگر شوہر نے اس وقت بھی حلف (۱) سے انکار کر دیا تو عورت کو تفریق طلب کرنے کا اختیار دیدیا جائے گا، اور اگر مہلت دینے کے وقت معائنہ سے عورت کا باکرہ ہونا ثابت ہوا تھا اور اب دوبارہ معائنہ میں بھی باکرہ ہونے کی تصدیق ہو تب بھی عورت سے حلف لئے بغیر قاضی عورت کو اختیار دیدے کہ اپنے خاوند کے نکاح میں رہے یا تفریق کا مطالبہ کرے (اور جن صورتوں میں قاضی عورت کو اختیار دے ان میں حکم یہ ہے کہ اگر عورت اسی مجلس میں تفریق چاہے تب تو تفریق ہو سکتی ہے ورنہ نہیں، جیسا کہ ابھی شرطوں کے بیان میں آئے گا پس اگر عورت نے اسی مجلس تخییر میں کہہ دیا کہ میں اس شوہر سے علیحدہ ہونا چاہتی ہوں تو قاضی اس کے شوہر سے کہے کہ اس عورت کو طلاق دے دو، اس پر اگر خاوند نے طلاق دیدی تو طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی، اگر وہ طلاق دینے سے انکار کر دے تو قاضی خود تفریق کر دے، مثلاً یوں کہدے کہ میں نے تجھ کو اس کے نکاح سے الگ کر دیا، یہ تفریق بھی شرعاً طلاق بائنہ کے قائم مقام ہو جائے گی (جیسا کہ حرف (د) اور حرف (ہ) کے تحت مذکور عالمگیریہ اور شامی کی عبارتوں میں ہے)

## تفریق کی شرطیں

عنین کی بیوی کو اپنے شوہر سے علیحدگی کا اختیار چند شرائط کے ساتھ حاصل ہو سکتا ہے وہ شرائط یہ ہیں:

## پہلی شرط

پہلی شرط یہ ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کو اس شخص کے عنین (نامرد) ہونے کا علم نہ ہو، پس اگر اس وقت علم تھا اور باوجود معلوم ہونے کے نکاح کیا ہے تو اب اس کو تفریق کا حق نہیں مل سکتا، عالمگیریہ میں ہے۔ (عالمگیری، الباب الثاني عشر في العنين، ج: ۱، ص: ۵۲۴،

---

(۱) لما في الدر المختار: فإن نكل في ابتداء أجل وفي الانتهاء خيرت (شامی، ج: ۲، ص: ۵۹۷، دار الكتب العلمية بيروت لبنان) ۱۲ منه

إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

" إن علمت المرأة وقت النكاح أنه عنين لا يصل إلى النساء لا يكون لها حق الخصومة وفي الدر المختار تزوج الأولى أو امرأة أخرى عالمة بحاله لا خيار لها على المذهب المفتي به بحر عن المحيط خلافا لتصحيح الخانية" (رد المحتار كتاب الطلاق باب العنين ۵/۱۷۵ طبع زکریا دیوبند)

## دوسری شرط

دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کیا ہو، اور اگر ایک مرتبہ جماع کر چکا ہے، اور پھر عنین ہوگیا تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا۔ الدرالمختار میں ہے۔

"فلو جُبّ بعد وصوله إليها مرة أو صار عنيناً بعده أی الوصول لا يفرق لحصول حقها بالوطئ مرة قال الشامي قوله مرة وما زاد عليها فهو مستحق ديانة لا قضاء، بحر عن جامع قاضيخان ويأثم إذا ترک الديانة متعنتا مع القدرة على الوطئ (فتاوى شامي، باب العنين وغيره، ج: ۲، ص: ۵۹۳، ۵۹۴، مطبع دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

## تیسری شرط

تیسری شرط یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے اس وقت سے عورت نے اس کے ساتھ رہنے پر رضامندی کی صراحت نہ کی ہو، مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ جیسا بھی ہے اب تو میں اسی کے ساتھ بسر کروں گی، کیونکہ اگر وہ اپنی رضا (۱) کی تصریح کر چکی ہو تو پھر اس کو مطالبہ تفریق کا حق نہیں رہتا، ہاں محض سکوت (۲) سے اس جگہ رضا نہ سمجھی جائے گی الدرالمختار میں ہے:

(۱) یعنی زبان سے کہہ دیا ہو خواہ تنہائی میں یا کسی کے سامنے، كما يدل عليه اطلاق ما لم تقل في الرواية الآتية اور تاجیل سے پہلے کہا ہو یا تاجیل کے بعد كما هو المصرح في البدائع ونصه هذا، فالنص هو تصريح إسقاط الخيار وما يجرى مجراه سواء كان ذلک بعد تخيير القاضى أو قبله اه مختصراً ۱۲ منه

(۲) بلکہ تقبیل ومضاجعت وغیرہ افعال بھی موجب رضا نہیں، كما هو المصرح فى الدر عن الخانية ۱۲ منه

''فلو وجدته عنيناً أو مجبوباً ولم تخاصم زمانا لم يبطل حقها، قال الشامی (قوله لم يبطل ) أی ما لم تقل رضيت بالمقام معه، كذا قيده في التاتار خانيه عن المحيط'' ( فتاوی شامی، باب العنين وغيره، ج: ۲، ص: ۵۹۶، مطبع دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

## چوتھی شرط

چوتھی شرط یہ ہے کہ جس وقت سال بھر کی مدت گذرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اسی مجلس میں تفریق کو اختیار کرلے، پس اگر اس مجلس میں اس نے اپنے خاوند کے ساتھ رہنا پسند کرلیا یا اس قدر سکوت کیا کہ مجلس برخاست ہوگئی خواہ اس طرح کہ عورت مجلس سے اٹھ گئی یا اس طرح کہ قاضی مجلس سے کھڑا ہوگیا تو اس کا اختیار باطل ہوگیا، اب کسی طرح تفریق نہیں ہوسکتی۔ عالمگیری میں ہے:

'' فإن اختارت زوجها أو قامت عن مجلسها أو أقامها أعوان القاضي أو قام القاضي قبل أن تختار بطل خيارها، هكذا في المحيط'' (فتاوى هندية، الباب الثاني عشر في العنين، ج: ۱، ص: ۵۲۴، مطبع إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

نیز مجلس برخاست ہونے اور عورت کے اٹھ جانے کے علاوہ اور صورتیں بھی ایسی ہیں جن سے مجلس بدل جاتی ہے، اور اختیار باطل ہوجاتا ہے، مثلاً کوئی دوسری گفتگو کرنے لگی یا نماز پڑھنے لگی، یا کوئی اور کام کرنے لگی جو اعراض پر دلالت کرتا ہو، اور تبدیل مجلس کی تفصیل شامی باب تفویض الطلاق سے معلوم ہوسکتی ہے:

''والدليل على أن بطلان الخيار لا يختص بقيامها وقيام القاضي بل كل مايدل على الإعراض يبطل الخيار قول الدر حيث قال لو وجد منها دليل إعراض بأن قامت، الخ لأن هذا يدل على أن القيام ذكر حيث ذكر تمثيلاً والمراد مطلق الإعراض، هذا ما عندنا، والله أعلم بالصواب .

## پانچویں شرط(۱)

عنین کو سال بھر کی مہلت دینا اور سال گذرنے پر عورت کو اختیار دینا اور خاوند طلاق سے انکار کرے تو تفریق کر دینا وغیرہ یہ سب امور جن کا ذکر اوپر مفصل ہو چکا قاضی کے فیصلہ کے محتاج ہیں، قاضی کے فیصلہ کے بغیر از خود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں۔

ردالمحتار میں درمختار کے قول:

**"ولا عبرة بتأجيل غير قاضي البلدة"** کے تحت ہے: **لأن هذا مقدمة أمر لا يكون إلا عند القاضي، وهو الفرقة فكذا مقدمته ولوالجية (كذا في رد المحتار مع الدر المختار كتاب الطلاق، باب العنين وغيره، ج:۲،ص:۵۹۵، مطبع دار الكتب العلمية بيروت لبنان)**

اور جس جگہ قاضی نہ ہو اس کا مفصل حکم جزء دوم کے مقدمہ میں مفصل گذر چکا، وہاں دیکھ لیا جائے.

## جواب سوال نمبر۴

خلوت صحیحہ کی وجہ سے عنین پر پورا مہر واجب ہو چکا تھا، وہ تفریق کے بعد بھی ادا کرنا لازم ہے، اور عورت پر عدت بھی واجب ہے.

جیسا کہ علامہ شامی نے الدرالمختار کے قول

**"إلا بانت بالتفريق من القاضي"** کے تحت لکھا ہے: **ولها كمال المهر، وعليها العدة لوجود الخلوة الصحيحة بحر (رد المحتار مع الدر المختار، باب العنين وغيره، ج:۲،ص: ۵۹۵، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)**

عالمگیریہ میں ہے:

**ولها المهر كاملاً، وعليها العدة بالإجماع إن كان الزوج خلا بها، وإن**

---

(۱) وبقي من الشروط كونها بالغة غير رتقاء وقرناء وطلبها الفرقة او طلب وليها إن كانت مجنونة وإن لم يكن لها ولي نصب القاضي رجلا يخاصم عنها كما هو المصرح به في الدر وغيره وتركنا هذه الشروط روماً للاختصار ۱۲ منه، وتمامه في الشامي، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره، ج:۲، ص:۵۹۳، مطبع دار الكتب العلمية بيروت.

لـم يـخـل فـلا عـدة عليها، ولها نصف المهر إن كان مسمى، والمتعة إن لم يكن مسـمـى، كـذا في البدائع" (كذا في الفتاوىٰ الهندية كتاب الطلاق، الباب الثاني عشر في العنين، ج: ۱ ،ص: ۵۲۴، مطبع إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

## چندفوائد

### فائدہ اول- مجبوب کاحکم

عنین کوایک سال کی مہلت دینے کاحکم جواوپر بیان کیا گیا ہے صرف اس شخص کے لئے ہے جس کوعرفاً عنین کہتے ہیں (والخصی الذی لا ینتشر ذکرہ ملحق بالعنین) لیکن وہ شخص جس کا عضوتناسل قطع ہوگیا ہو (خواہ تنہا یا مع الانثیین) جسکو اصطلاح میں مجبوب کہتے ہیں، اوراسی طرح وہ شخص جس کا عضومخصوص پیدائشی طور پر بہت کم مثل نہ ہونے کے ہواس کوسال بھرمہلت دینے کی ضرورت نہیں۔

بلکہ پہلی ہی درخواست پرمجبوب ہونے کی تحقیق کر کےعورت کواختیار دے دیا جاے گا۔

عالمگیریہ میں ہے:

"ولـو وجدت الـمرأة زوجهـا مـجبـوبـاً خيـر ها القاضى للحال، ولا يـؤجـل، كـذ ا فـي فتـاوى قاضيخان، ويلحق بالمجبوب من كان ذكره صغيراً جـدا كـا لـزر (فتـاوى عـالمگيرى باب العنين، ج: ۱ ، ص: ۵۲۵، مطبع إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

### اس فائدہ کاتتمہ

اگرعورت دعوی کرے کہ میرا شوہرمجبوب وغیرہ ہے، اورمرداس کاانکار کرے، اوربغیر معائنہ کےاس کافیصلہ نہ ہوسکےتو معائنہ بھی جائز ہے، پس قاضی کسی معتبرشخص کوکہدے کہ معائنہ کرکے بتلاؤ کہ عورت سچ کہتی ہے یامردسچاہے جیسا کہ اس کی صراحت شامی میں الدرالمختار کے قول" ولو المجبوب صغيرا "کےتحت موجود ہے۔

(تتـمة) لـو اختـلفا في كونه مجبوبا فإن كان لا يعرف بالـمس من وراء الثيـاب، أمـر الـقـاضـي أميـنـاً أن ينظر إلى عورته، فيخبر بحاله؛ لأنه يباح عند

الضرورة، خانية، (رد المحتار، كتاب الطلاق/ باب العنين وغيره، ج: ۲، ص: ۵۹۳، الكتب العلمية، بيروت)

## فائدہ دوم

عنین اوراس کی بیوی میں تفریق کرنے کا حکم جواوپر تحریر کیا گیا ہے فقہ حنفی کا مشہور اور مسلم مسئلہ ہے، اوراسی کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے، اوراس مسئلہ میں مذہب مالکیہ بھی تقریبا تمام جزئیات میں حنفیہ کے ساتھ بالکل متفق (۱) ہے، جیسا کہ علامہ صالح تونسی مالکی مفتی مدینہ منورہ کے فتوی کی عبارت نمبر ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے.

البتہ صرف ایک جزء یعنی پنچایت کا فیصلہ معتبر ہونا جس کا ذکر مقدمہ میں کیا گیا وہ خاص مذہب مالکیہ کا مسئلہ ہے، اوررسالہ ہذا میں بضرورت اس پر فتوی دیا گیا ہے، کما مر مفصلاً

## ہدایت

یہ مختصر بیان بقدر ضرورت لکھا گیا ہے، اس کے سوا اوربھی بہت سی جزئیات ہیں جو کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں، ضرورت کے وقت اہل فتوی علماء سے دریافت کرلیا جائے.

(۱) إلا في بعض المسائل كما أن تراضي الزوجين بالتأجيل كاف عندهم كما هو المصرح به في الرواية التاسعة عشر، وعندنا لا يعتد به كما في البحر وغيره مصرحا، ولما لم نشاهد ضرورة المصير إلى مذهب المالكية في هذا الجزء لم ناخذ به روماً للاحتياط في أمر الفروج ۱۲ منه

# مجنون کی بیوی کا حکم

## سوالات

(۱) کیا مجنون کی بیوی کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ تفریق کا مطالبہ کرے، اور مجنون کی زوجیت سے نکل جائے؟

(۲) اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے اور کیا شرائط ہیں؟

(۳) تفریق کے بعد مہر اور عدت کا کیا حکم ہے؟

## جوابات

(۱) قال فی الدر المختار

" ولا يتخير أحدا الزوجين بعيب الآخر ولو فاحشاً كجنون وجذام وبرص ورتق وقرن"

وفي رد المحتار" وخالف الائمة الثلاثة في الخمسة مطلقاً ومحمد في الثلاثة الأول لو بالزوج، كذا يفهم من البحر وغيره (شامی كتاب الطلاق آخر باب العنين، ج: ۲، ص: ۵۹۷، مطبع دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي الدر بعد قوله المذكور "ولو قضى بالرد صح" نفس الجزء والصفحة والمطبعة.

وفي آخر باب العنين من العالمكيريه

وإذ كان بالزوج جنون أو برص أو جذام فلا خيار لها، كذا في الكافی قال محمدؒ إن كان الجنون حادثاً يؤجله سنة كالعنة، ثم يخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ وإن كان الجنون مطبقاً فهو كالجب، وبه نأخذ كذا في الحاوی القدسي (ج: ۲، ص: ۵۲۶ مطبع إحياء التراث العلمية).

و في مبسوط شمس الائمة السرخسی باب الخيار في النكاح (ص: ۹۲، ج: ۵، جدید ایڈیشن، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۱ء) : وعلى قول

محمد لها الخيار إذا كان على حال لا تطيق المقام معه، وفي كتاب الآثار للامام محمد رحمه الله: وكذلک إذا وجدته مجنونا موسوساً يخاف عليها قتله (كتاب الآثار صفحه ٦١ باب الرجل يتزوج وبه العيب)

وفي الفتاوى الحمادية للعلامة ركن بن حسام الناگورى (صفحه ٤٦):

"من المضمرات قال محمدؒ إن كان بالزوج عيب لا يمكنه الوصول إلى زوجته فالمرأة مخيرة بعد ذلک، ينظر إن كان العيب كالجنون الحادث والبرص ونحوهما فهو والعنة سواء، فينتظر حولا وإن كان الجنون أصلياً أو به مرض ولا يرجى برئه فهو والجب سواء، وهي بالخيار، إن شاء ت رضيت بالمقام معه وإن شاء ت رفعت الأمر إلى الحاكم حتى يفرق بينهما".

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ شیخین کے نزدیک تو شوہر کے جنون (۱) کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں، لیکن امام محمد کے نزدیک اس کو یہ حق حاصل ہے کہ قاضی کے یہاں درخواست دے کر تفریق کا مطالبہ کرے اور اپنے آپ کو مجنون کی زوجیت سے علیحدہ کرالے بشرطیکہ جنون اس درجہ کا ہو کہ اس کے ساتھ رہنا قدرت سے خارج ہو مثلاً اس سے قتل کا اندیشہ ہو۔

## موجب تفریق جنون کی حد

اس بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ جنون جس کی وجہ سے عورت کو امام محمدؒ کے نزدیک

---

(۱) البتہ اگر ہمبستری سے قبل کسی کو جنون ہو گیا اور حالت جنون میں بھی وہ ہمبستری نہ کر سکا تو ایسا مجنون امام صاحب کے نزدیک بھی عنین کے حکم میں ہے کہ سال بھر کی مہلت دے کر اسی طریق پر علیحدگی کر دی جائے جو کہ عنین کے بیان میں مفصل گذر چکا، كما مر في كتاب الحجج للإمام محمدؒ (ج:۳، ص: ۴۴۱۔ ۴۴۲ مطبوعہ دار المعارف النعمانیۃ لاہور پاکستان تحقیق مفتی سید مہدی حسن گیلانی قادری) باب ما يذكر في النكاح من المجنون، محمد قال: قال أبو حنيفة في المجنون تخاف منه امرأته ولم يجامعها إنه إن كان لا يفيق حيل بين امرأته وبين ما يخاف عليها منه في حال الخوف وانفق عليها من ماله ولم يفرق بينهما إلا أن يخلي بينه وبينها ولا يصل إليها فإذا كان ذلک أجل سنة فإن وصل إليها وإلا خيرت فان اختارت المقام معه أنفق عليها من ماله ولم يكن لها بعد ذلک خيار وإن اختارت الفرقة بانت بتطليقة انتهى

خیار فسخ حاصل ہوسکتا ہے اس کی حد بیان کرنے میں مختلف الفاظ مذکور ہیں.
مبسوط کے الفاظ یہ ہیں

"لا تطيق المقام معه"

اور کتاب الآثار میں "يخاف عليها قتله" مذکور ہے، ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جو مجنون ایذا پہنچایا کرتا ہو اس کے متعلق عادت غالبہ سے اکثر یہ بھی اندیشہ ہوجاتا ہے کہ شاید قتل کر بیٹھے، خلاصہ یہ ہوا کہ جس مجنون سے نا قابل برداشت ایذا پہنچتی ہو اس کا یہ حکم ہے، واللہ اعلم۔

اور ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک وشافعی واحمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک بھی جنون وغیرہ کی وجہ سے خیار فسخ عورت کو حاصل ہے، اور فتاوی عالمگیری میں حاوی قدسی سے امام محمدؒ کے قول کو اختیار (۱) کرنا نقل کیا ہے، ونیز ان کے قول میں یہ تفصیل نقل کی ہے کہ اگر جنون حادث ہے تو حاکم اس مجنون کو اور اس کے اولیاء کو عنین کی طرح سال بھر علاج کرنے کے لئے مہلت دے، اس عرصہ میں اگر تندرست نہ ہو تو پھر عورت کو اختیار دیدے کہ اس کے نکاح میں رہے یا فرقت اختیار کرلے (جیسا کہ عنین کے بیان میں مفصل گذرا اس کو دیکھنا ضروری ہے) اور اگر جنون مطبق ہے تو معاملہ کی پوری تحقیق کرنے کے بعد بلا تأجیل وتاخیر عورت کو اختیار دیدیا جائے۔

## ایک احتیاط

لیکن چونکہ جنون حادث کی تفسیر نہ اس جگہ لکھی ہے اور نہ کہیں دوسرے مواقع میں دستیاب ہوئی جس کی وجہ سے اس کے مقابلہ میں مطبق کی تفسیر بھی پوری طرح واضح نہیں ہوسکتی،

---

(۱) ويؤيده ما في منحة الخالق على البحر الرائق حيث قال (قوله فالمجنون كفوء للعاقلة وفيه اختلاف المشائخ) قال في النهر وقيل يعتبر لأنه يفوت مقاصد النكاح فكان أشد من الفقر ودنائة الحرفة وينبغي اعتماده لأن الناس يعيرون بتزويج المجنون أكثر من دنيء الحرفة الدنيئة وفي البناية عن المرغيناني لا يكون المجنون كفؤا للعاقلة الخ. منحة الخالق على البحر الرائق كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الأكفاء، ج:۳، ص:۱۳۴، مطبع رشيديه كوئٹه پاکستان)

اور دوسرے مقامات میں جو مطبق کی تفسیر بمقابلہ غیر مطبق لکھی ہوئی ہے اس کو محض قیاس سے اس جگہ جاری کرنا احتیاط کے خلاف ہے، مثلاً ہدایہ اخیرین باب عزل الوکیل میں جنون کی تفصیل مطبق وغیر مطبق کے لفظ سے کرنے کے بعد دونوں لفظوں کی تفسیر ہمارے ائمہ ثلاثہ سے نقل کی ہے، اور اس کی شرح کفایہ میں اسی کو آجل وعاجل کے الفاظ سے لکھا ہے، اور ہدایہ کتاب **الصوم" باب من مرض في رمضان "** میں اسی کو جنون مستوعب وغیر مستوعب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اور اسی باب کے آخر میں جنون کی ایک دوسری تقسیم کی ہے، اصلی وعارضی، اس لئے عبارت عالمگیری مذکورہ بالا میں جو جنون حادث اور اس کے مقابلہ میں مطبق مذکور ہے اس میں احتمالات پیدا ہوگئے کہ یہ حادث عارض کے معنی میں ہے کہ جیسا کہ مادہ حدوث کا مفہوم ہے، اور اس کے مقابلہ میں مطبق اصلی کے معنی میں ہے، یا حادث عاجل یا غیر مستوعب کے معنی میں ہے، اس کے مقابلہ میں مطبق آجل یا مستوعب کے معنی میں ہے جس کی تفسیر ہدایہ میں امام محمدؒ کے نزدیک ایک سال کے جنون سے کی گئی ہے، اور **کتاب الحجة** میں امام محمد نے جنون مطبق کو اس جنون کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے جس میں افاقہ ہو جاتا ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مطبق وہ جنون ہے جس میں افاقہ نہ ہوتا ہو، لیکن کتاب مذکور میں بھی لفظ حادث موجود نہیں جس سے مطبق وحادث کی تفسیر ایک دوسرے کے مقابلہ میں معلوم ہو جائے، غرض حادث اور مطبق کی تفسیر پورے طور سے واضح اور متعین نہیں ہو سکی۔

اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اس تفصیل سے قطع نظر کر کے ہر حال میں سال بھر کی مہلت دی جائے، اور اس کے بعد حکم کیا جائے، بالخصوص جب کہ فیصلہ بھی قاضی شرعی کی عدالت میں نہ ہو، بلکہ مذہب مالکی کی بنا پر جماعت مسلمین کا فیصلہ لیا جائے تو مہلت وغیرہ بھی ان کے مذہب کے موافق دینا چاہئے، اور ان کا مذہب یہ کہ جنون مطبق وجنون افاقہ کا ایک ہی حکم ہے، یعنی دونوں صورتوں میں ایک سال کی مہلت دی جاتی ہے جیسا کہ فتاوی مالکیہ عربیہ میں جو اس رسالہ کے اخیر میں ملحق ہیں علامہ صالح تونسی مدرس مسجد نبوی مدنیہ طیبہ کے فتوی کی انیسویں روایت میں بحوالہ تحفہ مذکور ہے۔

**وأيضاً في المنتقى للباجي من المالكية (صفحه ۱۲۱ ج۴ مطبع دار الكتب العربي بيروت لبنان)**

”وروى عبد الملک بن الحسن في المجنون سواء كان جنون إفاقة أو مطبق إن كان يؤذيها ويخاف عليها منه، حيل بينهما وأجل سنة ينفق عليها من ماله فإن برأ وإلا فهي بالخيار“.

## دعویٰ اور تفریق کی صورت

(۲)صورت تفریق یہ ہے کہ مجنون کی بیوی قاضی کی عدالت میں درخواست دے، اور خاوند کا خطرناک (۱) مجنون ہونا ثابت کرے، قاضی واقعہ کی تحقیق کر کے اگر صحیح ثابت ہو تو مجنون (۲) کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دیدے، اور سال ختم ہونے کے بعد اگر بیوی پھر درخواست کرے اور شوہر کا مرض جنون ہنوز موجود ہو تو عورت کو اختیار دیدیا جائے، اس پر اگر عورت اسی مجلس تخییر میں فرقت طلب کرے تو قاضی تفریق کردے (كما مر في الجواب الأول من العالمكيريه .)

اور یہ تفریقِ قاضی نکاح کو بالکل رد کر دینا ہے، یعنی نکاح کالعدم متصور ہوگا ( جیسا کہ کتاب الآثار اور مبسوط سرخسی میں موجود ہے، اور فتح القدیر وغیرہ میں فسخ کا لفظ موجود ہے ) اور جو شرائط عنین کی بیوی کے اختیار کے لئے ہیں، اور اس سے پہلے مفصل گذر چکی ہیں ان میں سے اکثر شرائط (۳) مجنون کی بیوی کے اختیار کے لئے بھی ہیں جن کا اجمال یہ ہے:

## جنون کی وجہ سے تفریق کی شرطیں

(الف) نکاح سے پہلے عورت کو خاوند کے مجنون ہونے کا علم نہ ہو۔

---

(۱) کیونکہ معمولی جنون میں خیار فسخ نہیں ہے۔ كما علم مما مر من المبسوط وكتاب الآثار ۱۲ منه

(۲) مگر خود مجنون کو حکم سنانا کافی نہیں، بلکہ اگر اس کا کوئی ولی ہو تو ولی جوابدہی کریگا اور ولی ہی کو حکم مہلت کا اور بعد انقضاء مدت تفریق کا حکم سنایا جاویگا اور اگر ولی نہ ہو تو قاضی کسی شخص کو مجنون کی طرف سے جوابدہی کے لئے مختار بنادے، كما قال في البحر (ص ۱۲۳ ج ۴ باب العنين وغیرہ، مطبع رشیدہ کوئٹہ پاکستان) ويفرق بينهما للحال في الجب، وبعد التأجيل في العنين، لأن المجنون لايعدم الشهوة بخصومة ولی إن كان والافمن ينصبه القاضی الخ ۱۲ منه

(۳) ولم نر اشتراط كونها غير رتقاء وقرناء في خيار الجنون والظاهر عدم الاشتراط وكذا اشتراط بلوغها لم نره ، وينبغي أن يشترط هو وينتظر إن كانت غير بالغة قياسا على زوجة العنين والمجبوب والله أعلم ۱۲ منه

(ب) نکاح کے بعد علم ہونے پر رضا کی تصریح نہ کی ہو۔

(ج) جب مہلت کا سال گذر جانے کے بعد دوبارہ درخواست پر قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اسی مجلس میں فرقت اختیار کرلے، اگر مجلس برخاست ہوگئی یا عورت خود یا کسی کے اٹھانے سے کھڑی ہوگئی تو اختیار نہ رہے گا۔

**وهذه الشروط الثلثة وإن لم تكن مصرحة في كتبنا إلا أن القواعد الكلية المصرحة في المذهب تقتضيها، فإن أمثال هذه الاختيارات تتقيد بالمجلس وتبطل بالعلم قبل العقد، وبتصريح الرضا بعد العقد، وظاهر عبارة العالمكيرية في قول محمدؒ يؤجله سنة كالعنة ثم يخير المرأة بعد الحول يؤيده والله أعلم . كذا في العالمكيرية، الباب الثالث عشر في العدة، ج: ١، ص: ٥٢٦، حيث قال: " قال محمدؒ: إن كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة، ثم يخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ، وإن كان مطبقا فهو كالجب وبه ناخذ".**

(د) مجنون کی بیوی کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ موجب فسخ جنون کا علم ہوجانے کے بعد اپنے اختیار سے عورت نے جماع یا دواعی کا موقع نہ دیا ہو۔

**بخلاف العنين فإن المقصود فيه الاختبار والامتحان، (وهذا الشرط أيضا غير مصرح في كتبنا، ولكنه مفاد القواعد عندنا، مصرح في كتب المالكية، كما سيأتي من شرح الدردير في الفائدة الآتية).**

(ہ) عنین کی بیوی کی طرح مجنون کی بیوی بھی اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے میں خود مختار نہیں، بلکہ قضاء قاضی شرط ہے، اور جس جگہ قاضی موجود نہ ہو وہاں شرعی پنچایت قائم مقام قاضی کے ہوگی، جیسا کہ مقدمہ میں گذر چکا ہے، ملاحظہ فرمایا جائے۔

## مجنون کی بیوی کے مہر وعدت کا حکم

(۳) مہر وعدت کا یہ حکم ہے کہ اگر فسخ نکاح خلوت صحیحہ سے قبل ہوا ہے تب تو مہر بالکل ساقط ہوجائے گا، اور عدت کی بھی ضرورت نہیں، اور اگر عیب جنون معلوم ہونے سے پہلے خلوت

صحیحہ ہوچکی تھی بعد ازاں علم جنون ہونے پر فسخ نکاح کی نوبت آئی ہے تو پورا مہر (۱) لازم رہے گا، اور عدت (۲) بھی واجب ہوگی۔

ولم نجده في باب الخيار بالعيوب ولكن حكم الفسخ في باب الخيار بالبلوغ وغيره مصرح في البدائع، وإطلاقه يعم كل فسخ ونصه هذا" وفسخ العقد رفعه من الأصل وجعله كان لم يكن ولو لم يكن حقيقة لم يكن لها مهر، فكذا إذا التحق بالعدم من الأصل( إلى أن قال) وإن كان قد دخل بها لا يسقط المهر، لأن المهر قد تأكد بالدخول ولا يحتمل السقوط بالفرقة.

وفيه أيضاً بعدثلاثة اسطر تصريح بأن المراد من المهر المهر المسمى" بدائع الصنائع، كتاب النكاح فصل بيان ما يرفع حكم النكاح، ج: ۲، ص: ۶۵۳ مطبوعه دار الكتاب ديوبند.

قلت ويجب العدة أيضاً كما هو مقتضى الخلوة الصحيحة، وسيأتى التصريح بهذا التفصيل عن المنتقى للباجي المالكي في التنبيه الآتى.

---

(۱) یہ مہر اور عدت کا لزوم اس بناء پر ہے کہ ہم نے قواعد کی رو سے مجنون کی خلوت کو خلوت صحیحہ سمجھا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے نائم کی خلوت کو صحیح قرار دیا ہے کما فی العالمكيرية ("ولو دخلت على زوجها وهو نائم وحده صحت الخلوة، علم بدخولها اولم يعلم"، (فتاوى هندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني، ج: ۱، ص: ۳۰۵، مطبع إحياء التراث العربي، بيروت لبنان) عن الظهيرية اور مجنون عدم شعور میں نائم سے کم درجہ ہے پس اس کی خلوت بدرجۂ اولیٰ صحیح ہوگی و نیز فقہاء نے جب موانع خلوت میں جنون سے تعرض نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ مانع نہیں ہے لان السكوت في موضع البيان بيان مگر چونکہ صریح جزئیہ نہیں ملا اس واسطے اگر کسی کو اس کے خلاف کتب معتبرہ میں تصریح مل جائے تو اس پر عمل کیا جائے ۱۲ منہ

(۲) وثمرة كونه فسخا في هذه الصورة أنها أن تزوجت به ثانيا ملك الثلاث . كما هو حكم الفسخ المصرح به في الدر والشامية ، وهذه الفرقة فسخ لا تنقص عدد الطلاق . (ص ۵۰۳ ج ۲ باب الولی)

# تنبیہ ضروری

## نکاح کے بعد پیدا ہونے والے جنون کا حکم

امام محمدؒ کا جو مذہب زوجۂ مجنون کے متعلق اوپر بیان کیا گیا ہے اس کو امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں اس عنوان سے لکھا ہے، ''باب الرجل یتزوج وبه العیب'' اور اس کے تحت یہ عبارت بھی مذکور ہے۔

'' وكذلك إذا وجدته مجنوناً موسوساً يخاف عليها قتله أو وجدته مجذوماً(۱) منقطعاً(لعله متقطعا بالفوقانية) لا تقدر على الدنو منه'' الخ

کتاب الآثار کے عنوان اور عبارت مذکورہ میں لفظ ''وجدت'' سے معلوم ہوا کہ یہ حکم زوجۂ مجنون کے نکاح کو فسخ کرنے کا امام محمد کے نزدیک اس صورت میں ہے جب کہ جنون نکاح سے پہلے موجود تھا، وهو المتبادر من المبسوط للسرخسي، وعليه يدل عبارة الفتح وغيره حيث عبروه بخيار الفسخ والفسخ يختص بعيب موجود قبل العقد بخلاف العنين فانهم استعملوا فيه لفظ التفريق والله اعلم.

اور جو جنون عقد نکاح کے بعد پیدا ہو گیا ہو اس کے متعلق امام محمدؒ سے کوئی تصریح نہیں ملی، (۲) لیکن مالکیہ کے مذہب میں اس کے متعلق یہ تصریح ہے کہ اگر نکاح کے بعد جنون ہو جائے تب بھی عورت کو علیحدگی کا اختیار ہے، جیسا کہ المدونۃ میں ہے (قال ابن القاسم: وقال مالك في المجنون إذا أصابه الجنون بعد تزويجه المرأة: إنها تعزل

---

(۱) خيار الفسخ ثابت عند المالكية والشافعية والحنابلة بالعيوب الخمسة وعند محمدؒ بالثلاثة منها، لو بالزوج الجنون والجذام والبرص كما مر عن الشامي في الجواب الأول ولكنا لم ناخذ منها إلا الجنون لكثرته وشدة الضرورة فيه وليس كذلك الجذام والبرص، والنساء يصبرن على الإقامة معهما بخلاف المجنون كما يعلم من كثرة سؤال النساء في المجنون دون غيره ۱۲ منه

(۲) اور اس جزء کی بناء پر مسئلہ جنون کو اس جزء دوم کے شروع میں فقہ مالکی کی طرف منسوب کیا گیا ہے

عنه، ويضرب له أجل في علاجه، فإن برأ وإلا فرّق بينهما. (المدونة الكبرىٰ، كتاب النكاح الرابع، ضرب الأجل لا مرأة المجنون والمجذوم، ج: ۲، جزء: ۴، ص: ۲۶۶، دار صادر بيروت لبنان) مگران کے نزدیک بھی شرط یہ ہے کہ موجب فسخ جنون کا علم ہوجانے کے بعد بیوی نے اپنے اختیار ورضامندی سے شوہر کو جماع یا دواعی جماع یعنی تقبیل ولمس وغیرہ کا موقع نہ دیا ہو، کیونکہ اگر اس نے ایسا کرلیا تو یہ عملی رضا ہوگئ جس کی وجہ سے اس کا اختیار ساقط ہوجاتا ہے، جیسا کہ زبان سے رضا کی تصریح کردینا خیار کو ساقط کرتا ہے (كما قال الخليل في مختصره).

" الخيار إن لم يسبق العلم أو لم يرض أولم يتلذذ وحلف على نفيه ببرص وعذيطة (۱) وجذام الخ"

وقال شارحه العلامة الدردير على قوله أو لم يتلذذ بالمعيب عالماً به وأو بمعنى الواواذ لا بد من انتفاء الأمور الثلاثة إذ لووجدت أو بعضها لانتفى الخيار إلا امرأة (۲) المعترض (أى الذي لا يقدر على الجماع) إذا علمت قبل العقد أو بعده باعتراضه ومكنته من التلذذ بها فلها الخيار" (كذا في شرح الدردير على مختصر خليل مع حاشية الدسوقي، باب في النكاح ......، فصل في خيار أحد الزوجين، ج: ۲، ص: ۲۷۷، مطبوعه دار إحياء الكتب العربية)

## تنبیہ

اس شرط مذکور میں اختیار کی قید لگانے سے یہ معلوم ہوگیا کہ اگر مجنون نے بہ جبر واکراہ ہم بستری کرلی تو اس سے عورت کا حق خیار ساقط نہ ہوگا، چنانچہ عبارت مذکورہ میں " مكنته" کا لفظ اس پر صراحۃً دال ہے، نیز جنون کے ساتھ "موجب للفسخ" کی قید سے یہ بات معلوم

(۱) العذيطة خروج براز عند الجماع.

(۲) والفرق بين حكم المعترض والمجنون أن تمكين امرأة المعترض لا يدل على الرضا بل إنما هو لاختيار حاله فإنه لا يمكن بدون التمكين ودواعى الوطى، ولا كذلك امرأة المجنون فإن الجنون ظاهر، فالتمكين ودواعى الوطى بعد العلم بالجنون يدل على الرضاء بالمقام معه وهو مسقط للخيار. والله أعلم. ۱۲ منه

ہوگئی کہ اگر ابتدائی جنون کے زمانہ میں (قبل اس کے وہ اس حد کو پہنچے جس سے حق فسخ حاصل ہوتا ہے کما مر تفصیله في أوائل الجواب الأول )جماع یا دواعی جماع کا تحقق ہوا اور بعد میں جنون بڑھ کر حد مذکور پر پہنچ گیا تو اس صورت میں بھی خیار فسخ ساقط نہیں ہوتا، جیسا کہ عبارت مذکورہ میں ''عالما به'' کی قید سے ظاہر ہے۔

وأصرح ما في الباب ( أی خيار الفسخ بسبب جنون حدث بعد العقد)ما في المنتقى شرح المؤطأ ونصه هذا

" فأما المجنون فقد روى محمد عن مالک للمرأة أن ترد الرجل بما يضرها به من الجنون والجذام والبرص، وذلک على وجهين أحدهما أن يكون الجنون به حين العقد، فغرها من نفسه فاختارت الطلاق، فإن كان دخل بها فلها الصداق وإن لم يبن بها فلا شيء لها، ووجه ذلک أنه إذا غرها من نفسه بالعنة كان لها الخيار،و هذا أبين ضراراً فبأن يجب لها الخيار به أولى فإن كان حدث به ذلک (الجنون) بعد العقد فعلى حسب ذلک إن كان(أی الجنون ) قبل البناء فلها أن تطلق نفسها، ولا شيء لها، وإن كان بعده فلها جميع الصداق" (المنتقى شرح المؤطأ للباجی، كتاب الطلاق، أجل الذي لا يمس امرأته، ج:۴، ص: ۱۲۱، دار الكتاب العربي بيروت لبنان)

اور منتقی کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مہر کا حکم عقد کے بعد پیدا ہونے والے جنون میں بھی وہی ہے جو جنون قدیم میں ہے یعنی اگر خلوت صحیحہ سے قبل تفریق ہوئی ہے تو مہر بالکل ساقط ہوگیا، اور اگر بعد خلوت ہوئی ہے تو پورا مہر واجب ہے، اور عدت کا یہ حکم ہے کہ خلوت سے قبل تفریق کی صورت میں واجب نہیں ہوتی، اور خلوت کے بعد تفریق کی صورت میں واجب ہوتی ہے۔

اب صرف ایک سوال باقی رہا کہ یہ تفریق جو عقد نکاح کے بعد پیدا ہونے والے جنون کی وجہ سے ہوتی ہے فسخ ہے یا طلاق، اس بارے میں علامہ خلیل اور شارح دردیر نے تو ''رد'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو بظاہر فسخ کا مرادف ہے، اور منتقی کی عبارت مذکورہ میں طلاق کا لفظ ہے، لہذا بوقت ضرورت علماء مالکیہ سے تحقیق کر لی جائے اور جب تک تحقیق نہ ہو اس تفریق کو طلاق قرار دینا چاہئے کہ اس میں احتیاط ہے، اور ثمرہ طلاق ہونے کا یہ ہے کہ اگر عورت سے دوبارہ نکاح ہو جائے تو خاوند کو صرف دو طلاق کا اختیار ملے گا، اگر دو طلاق اور دیدی تو طلاق مغلظہ ہو جائے گی۔

## مجنون میں شرائط تفریق نہ ہونے کی صورت میں ایک گنجائش

مجنون کی بیوی کے فسخ نکاح کے لئے جو شرائط اوپر مذکور ہوئے ہیں اگر وہ شرائط کسی جگہ موجود نہ ہوں تو جنون تفریق کی بنا نہیں ہوسکتی لیکن اگر یہ مجنون کوئی ذریعہ آمدنی نہ رکھتا ہو، اور بیوی کے لئے اپنے نفقہ کی کوئی دوسری سبیل نہیں تو ایسی صورت میں مفتی کے لئے عورت کے اضطرار کی پوری تحقیق ہوجانے اور چند علماء سے مشورہ کے بعد اس فتوی کی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کی بناء پر عدم نفقہ کی وجہ سے قاضی یا اس کا قائم مقام ان دونوں میں تفریق کردے اور یہ تفریق طلاق رجعی کے حکم میں ہوگی (**كما هو المصرح في الروايه الثانية من فتوى العلامة محمد طيب من قوله" بل لو كان حاضراً وعدمت النفقة الخ" والرواية الأولى. والتصريح بكونه طلاقا رجعياً في الروايه الرابعة عشر من فتوى العلامة الصالح حيث قال" إن كل طلاق أوقعه الحاكم فهو بائن إلا طلاق المولى والمعسر وسواء أوقعه الحاكم بالفعل أو جماعة المسلمين وأوامراها به ".**

لیکن اس میں کامل تدبر سے کام لے کر مذہب مالکیہ کی تمام شرائط کی پابندی ضروری ہے، جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عدم نفقہ کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم اس وقت دیا جاسکتا ہے جب کہ عقد نکاح سے پہلے اس کو خاوند کے فقیر اور نادار ہونے کا علم نہ ہو ورنہ اگر ناداری کا علم ہوتے ہوئے عقد نکاح کیا گیا ہے تو عدم نفقہ کی وجہ سے اس کو مطالبہ تفریق کا حق نہ ہوگا۔

**كما صرح به في مختصر الخليل وشرحه للدردير من أبواب النفقة ولفظه**

**" لا إن علمت عند العقد فقره فليس لها الفسخ ولو أيسر بعد ثم أعسر" (الشرح الكبير للدر دير على مختصر خليل، أواخر باب النفقة، ج: ٢ ،ص: ٥١٨، مطبوعه دار إحياء الكتب العلمية)**

اور اس مسئلہ کی باقی شرطیں بوقت ضرورت کتب مالکیہ کی مراجعت سے معلوم ہوسکتی ہیں جن کا نام دیباچہ میں گذر چکا ہے فقط، **والله أعلم وعلمه أتم وأحكم .**

# حکم زوجۂ مفقود

## ملقب بہ نہایۃ المقصود فی بیان المفقود

مفقود کو باتفاق جمہور ائمہ مجتہدین اپنے مال کے بارے میں اس وقت تک زندہ تسلیم کیا گیا ہے جب تک اس کے ہم عمر ہم قرن لوگ زندہ پائے جائیں، جس وقت اس کی بستی میں اس کے ہم عمر لوگ ختم ہو جائیں اس وقت اس کی موت کا حکم دیا جاتا ہے، یعنی قاضی اس کی موت کا حکم دیدیتا ہے، اور اس کی میراث تقسیم کرنے وغیرہ کی اجازت ہو جاتی ہے، اس پر ائمہ ثلثہ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ و مالک و شافعی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے۔ کما ھو مصرح فی کتبھم

اور امام اعظم و امام شافعی اور بہت سے دوسرے مجتہدین نے مفقود کی بیوی میں بھی یہی حکم رکھا ہے کہ جب تک مفقود کے ہم عمر لوگ ختم نہ ہوں اس وقت تک وہ زندہ ہے، اور حسب قاعدہ اس کی بیوی کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، البتہ بعض صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک مفقود کو اس کے ہم عمروں کے ختم ہونے سے پہلے بھی قاضی نکاح کی اجازت دے سکتا ہے یعنی جب کہ اس مفقود کے ظاہر حال سے اس کی ہلاکت و موت کا غالب گمان ہو جیسے وہ شخص جو معرکہ جنگ میں گم ہو گیا یا ایسے مرض کی حالت میں نکل گیا ہو جس میں موت کا گمان غالب ہے یا سمندر میں سفر کیا ہو اور ساحل پر پہنچنے کا پتہ نہ چلا ہو، اس قسم کی صورتوں میں اتنا انتظار کر کے موت کا حکم دے دیا جائے گا کہ جس میں حاکم کو مفقود کے فوت ہو جانے کا غلبہ ظن ہو جائے، اور اس حکم بالموت کے بعد اس کی عورت کو عدت وفات گذار کر نکاح کر لینا جائز ہو جائے گا۔

كما في الشامية تحت قول الدر (واختار الزيلعي تفويضه إلى الإمام) قال في الفتح فأى وقت رأى المصلحة حكم بموته (إلى أن قال) ومقتضاه أنه يجتهد ويحكم القرائن الظاهره الدالة على موته، وعلى هذا يبتنى ما في جامع الفتاوى حيث قال" وإذا فقد في المهلكة فموته غالب، فيحكم به كما إذا فقد في وقت الملاقاة مع العدو أو مع قطاع الطريق أو سافر على

المرض الغالب هلاكه أو كان سفره في البحر وما أشبه ذلك حكم بموته، لأنه الغالب في هذه الحالات وإن كان بين احتمالين واحتمال موته ناشئ عن دليل لا احتمال حياته، لأن هذا الاحتمال كاحتمال ما إذا بلغ المفقود مقدار ما لا يعيش على حسب ما اختلفوا في مقداره نقل من الغنية" انتهى ما في جامع الفتاوى، وافتى به بعض مشائخ مشائخنا، وقال إنه افتى به قاضي زاده صاحب بحر الفتاوى، لكن لا يخفى أنه لا بد من مضي مدة طويلة حتى يغلب على الظن موته لا بمجرد فقده عند ملاقاة العدو أو سفر البحر ونحوه (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب المفقود مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود، ج:۳، ص: ۳۳۰، مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

اور اس قسم کی صورتوں کے علاوہ فقہ حنفی میں مفقود کی بیوی کے واسطے اس کے سوا کوئی گنجائش نہیں کہ مفقود کے ہم قرن لوگوں کے ختم ہونے پر قاضی اس کی موت کا حکم کردے اور بعد ازاں عورت عدت وفات گذار کر نکاح کرلے۔

لیکن امام مالکؒ نے چند شرائط کے ساتھ جن کی تفصیل عنقریب آتی ہے ہر حال میں (یعنی ہلاک مظنون ہو یا نہ ہو) مفقود کی بیوی کو حکم حاکم کے بعد چار سال انتظار کر کے عدت گذرنے پر دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دیدی ہے، امام احمدؒ نے بھی مفقود کی بعض صورتوں میں چار سال کی مدت کو اختیار فرمایا ہے۔(فمذهب أحمد الظاهر عنه أن زوجته تتربص أربع سنين، أكثر مدة الحمل، ثم تعتد للوفاة أربعة أشهر وعشرا وتحل للأزواج، المغني لابن قدامه، كتاب العدد، فصل في أحكام المفقود، ج:۱۱، ص:۲۴۸، دار عالم الكتب رياض المملكة العربية السعودية)

## ضرورت شدیدہ میں امام مالک کے مذہب پر فتوی

اور ہر چند کہ حنفیہ کا مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے مگر فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ میں سے بھی بعض متأخرین (۱) نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر

(۱) تین صدی تک فقہائے کرام کو متقدمین کہا جاتا ہے اور چوتھی صدی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ کے مذہب پر فتوی دیدیا ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے در منتقیٰ سے قہستانی کا (جو چوتھی صدی کے مشائخ حنفیہ میں ہیں) قول نقل کیا ہے

**" لو أفتى به في موضع الضرورة لا باس به على ما أظن" (رد المحتار على الدر المختار، كتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالک في زوجة المفقود، ج:۳، ص:۳۳۰، مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت لبنان)**

اور ایک عرصہ سے ہندو بیرون ہند کے ارباب فتوی تقریباً سب نے اسی قول پر فتوی دینا اختیار کرلیا ہے، اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہوگیا، لیکن جب تک عورت صبر کرسکے اس وقت تک اصل مذہب حنفی پر عمل کرنا لازم ہے، ہاں ضرورت شدیدہ کے وقت کہ خرچ کا انتظام نہ ہوسکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہ سمجھا جائے اس وقت مذہب مالکیہ پر عمل کرنے میں مضائقہ نہیں، اور ایسے ہی مواقع کے لئے یہ فتوی مرتب کیا گیا ہے، مگر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جائے۔

**لما في الدر المختار من ان الحكم الملفق باطل بالاجماع، وقال الشامي تحته:**

**"مثاله متوضي سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلى فان صحة هذه الصلوة ملفقة من مذهب الشافعي والحنفي، والتلفيق باطل فصحته منتفية"**

**وأيضاً قال الشامي عن الشرنبلالي تحت قول الدر:**

**"وان الرجوع عن التقليدبعد العمل باطل اتفاقا "وانه يجوز له العمل بما يخالف ماعمله على مذهبه مقلداً فيه غير امامه مستجمعا شروطه". (الدر المختار مع رد المحتار مقدمه / مطلب لا يجوز العمل بالضعيف حتى لنفسه، ج:۱، ص:۵۱، دار الكتب العلمية)**

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) سے متاخرین کا اطلاق آتا ہے۔ **كما في شفاء العليل من رسائل ابن عابدين (ص ١٦١ ج ١، مطبوعه ثاقب بکڈپو دیوبند، حيث قال: "فائدة" قال الحافظ الذهبي: الحد الفاصل بين العلماء المتقدمين والمتأخرين رأس القرن الثالث وهو الثلاثة مائة انتهى، فالمتقدمون من العلماء من قبله والمتأخرون من بعده)** اور قہستانی کی پیدائش ۳۵۳ھ ہے ۱۲ منہ

## علماء مالکیہ سے استفتاء اور قیود وشروط کی تحقیق

لہذا اس مسئلہ مفقود میں مالکیہ کی تمام شرائط کا معلوم کرنا لازم ہوا، اور شامی وغیرہ علمائے احناف نے اس کے متعلق جو مذہب مالکیہ نقل کیا ہے وہ محض اجمال تھا، اور مسئلہ کی پوری تنقیح اور اس کے تمام قیود وشرائط علمائے مالکیہ ہی سے معلوم ہو سکتے تھے، اس لئے اس ضرورت کا احساس کر کے مالکی المذہب ارباب الفتوی کی خدمت میں مدینہ طیبہ (زادہا اللہ شرفاً ونوراً) مفصل استفتاء بھیجا گیا، وہاں کی متعدد علماء محققین نے نہایت تفصیل وتوضیح کے ساتھ جوابات تحریر فرمائے، لیکن پھر ان میں کچھ شبہات باقی رہے، اور بعض نئے سوالات پیدا ہوئے، اس لئے مکرر ان حضرات کو تکلیف دی گئی، مکرر جوابات کے بعد بھی کچھ اور سوالات کی ضرورت ہوئی تو سہ بارہ ان کی خدمت میں سوالات بھیج کر جوابات حاصل کئے، یہ تمام مراسلت کتبخانہ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں محفوظ ہے، اور ان فتاوی کا مجموعہ آخر رسالہ میں ملحق کر دیا گیا ہے، ان فتاوی کی جس جس عبارت سے ہمارے سوالات کا جواب نکلتا ہے ان سب پر الفاظ سے نمبر شمار ڈالدئے گئے ہیں، اور جوابات مندرجہ ذیل میں ان عبارات کے حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے، کیونکہ عوام کو تو عربی عبارت کی ضرورت نہیں، اور اہل علم اس نمبر کے حوالہ سے آخر رسالہ میں استدلال کی عبارت خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں، اب سوالات اور جوابات اردو میں یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

# سوالات

## کیا فرماتے ہیں علمائے مالکیہ مسائل ذیل میں

### اوّل

جو شخص مفقود الخبر (لاپتہ) ہو اور باوجود تحقیق و تفتیش کے اس کا حال معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا، کیا اس کی بیوی کے لئے حق ہے کہ وہ کسی طرح اپنے کو اس کی زوجیت سے نکال کر دوسرا نکاح کر سکے؟ اگر یہ حق ہے تو کیا اس کو کچھ مدت انتظار کرنے کی ضرورت ہے یا بلا مہلت اس کو اختیار دیدیا جائے گا؟

### دوم

اگر مہلت دی جائے گی تو اس کی ابتداء کب سے شمار ہوگی؟ مرافعہ اور مخاصمہ کے وقت سے یا گم ہونے کے وقت سے یا حکم حاکم کے بعد سے؟

### سوم

کیا مفقود کی بیوی فسخ نکاح (۱) میں خود مختار ہے یا قضائے قاضی شرط ہے، اور صورت فسخ کی کیا ہوگی؟

### چہارم

اگر قضائے قاضی شرط ہے تو کیا قاضی پر بھی یہ بات لازم ہے کہ پہلے مفقود کی خود تفتیش و تلاش کرے جب اس کو مایوسی ہو جائے اس وقت بیوی کو کوئی مہلت وغیرہ دے یا عورت اور اس کے اولیا کا تلاش کر لینا کافی ہے؟

### پنجم

جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے ہندوستان وغیرہ وہاں اس کی کیا صورت کی جائے؟

(۱) فسخ نکاح سے اس جگہ اصطلاحی مراد نہیں، بلکہ محاورات اردو کے موافق فسخ کا لفظ اختیار کیا گیا، اور بغرض تفہیم عوام اس رسالہ میں اکثر مواقع میں لفظ فسخ ہی کا اطلاق کیا گیا ہے ۱۲ منہ

## ششم

مفقود کا حکم دار الحرب اور دار الاسلام میں یکساں ہے یا مختلف؟ اگر مختلف ہے تو پھر ہندوستان جیسے ممالک جن میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں وہ دار الاسلام سمجھے جائیں گے یا دار الحرب؟(أعينونا أعانكم الله تعالى )۔

## جوابات

### جواب سوال اول-مفقود کی بیوی کے دعویٰ اور حکم بالموت کی صورت

مفقود کی بیوی کے لئے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دار الاسلام میں تو یہ صورت ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرے، اور بذریعہ شہادت شرعیہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا، اگر نکاح کے عینی گواہ موجود نہ ہوں تو اس معاملہ میں شہادت بالتسامع بھی کافی ہے، یعنی شہرت عام کی بناء پر بھی شہادت دی جاسکتی ہے۔

**كما في المنتقى للباجي المالكي (كتاب الأقضية، الباب الثاني في نقل الشهادة عن غير معينين، ج:۵، ص:۲۰۳، دار الكتاب العربي بيروت) كتاب الاقضية (فرع) وأما النكاح ففي العتبية عن سحنون قال جل أصحابنا يقولون في النكاح إذا انتشر خبره في الجيران إن فلاناً تزوج فلانة وسمع الزفاف فله أن يشهد أن فلانة زوجة فلان الخ"**

اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ولا پتہ ہونا ثابت کرے اس کے بعد قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرے، اور جب پتہ ملنے سے مایوسی ہوجائے تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جائے گا، اور نیز ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار مہینہ دس دن عدت وفات گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا، اور اب چار سال گذرنے کے بعد قاضی کی عدالت میں درخواست دینا اور عدت وفات کے لئے حکم حاصل کرنا مالکیہ کے نزدیک ضروری نہیں، بلکہ قضائے قاضی صرف اول بار بوقت تاجیل ضروری ہے۔

كـمـا صـرح بـذلـک فـي شـرح الدرديـر (فصل لذكر المفقود، ج ٢، ص: ٤٧٩، مطبوعه دار الفكر بيروت لبنان، ومختصر خليل، فصل في مسائل زوجة الـمـفـقـود، ج: ١، ص: ١٣١، مطبوعه دار الحديث قاهره مصر) حيث قـال الـخـلـيـل: " فيـؤجـل الـحر أربع سنين (إلى قوله) ثم اعتدت عدةالوفاة، وسـقـطـت بهـا الـنـفـقة، ولا يـحتـاج فيهـا لإذن وقال الدر دير تحته لإذن من الـحـاكـم لأن إذنـه حـصل بضرب الأجل أولاً". ويأتي في الرواية السابعة من فتوى العلامة محمد طيب بن اسحق مفتي المالكية بالمدينة المنورة .

مگر احتیاط اس میں ہے کہ جب چار سال جو قاضی نے مقرر کئے تھے ختم ہوچکیں تو دوبارہ درخواست دے کر قاضی سے حکم بالموت بھی حاصل کرلیا جائے، تا کہ مذہب حنفیہ کے حق الوسع (١) رعایت ہوجائے، لیکن جس جگہ قاضی وغیرہ کی طرف دوبارہ مرافعہ زیادہ دشوار ہو وہاں بغیر مرافعہ ثانی کے ہی عمل کر لینے مین مضا ئقہ نہیں

یہ حکم مذکور تو دارالاسلام میں تھا، اور دارالحرب میں مفقود کی بیوی کا جمہور مالکیہ کے نزدیک تو وہی حکم ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے، یعنی جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں اس وقت تک اس کی بیوی کے لئے اس کے نکاح سے جدا ہونے اور دوسرا نکاح کرنے کی صورت نہیں کما مر فی الروایة الثالثة من فتوی العلامة سعید بن صدیق

---

(١) کیونکہ ان کے نزدیک مفقود کے تمام ہم عمروں کے ختم ہوجانے پر بھی حکم بالموت حاصل کرنا شرط ہے۔ کـما فـي الـدر عـن الـقنية أنه إنما يحكم بموته بقضاء لأنه أمر محتمل فما لم ينضم إليه القضاء لا يكون حجة (الدر الختار مع رد المحتار، كتاب المفقود، مطلب في الافتاء بمذهب مالک فـي زوجـه الـمفقود، ج: ٣، ص: ٣٣١، دار الكتب العلمية) اور مقتضائے قواعد واحتیاط ہونے کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی بھی یہی ہے کہ عورت کی دوبارہ درخواست پر موت مفقود کا حکم کر کے عدت وفات گذارنے کا حکم دیا تھا اور مسئلہ مفقود مین مالکیہ کے مذہب کی اصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا فیصلہ ہے، پھر نہ معلوم اس جزو میں کیوں خلاف کرتے ہیں، و نیز عنین کو قاضی کی طرف سے سال بھر کی مہلت ملنے کے باوجود بھی زوجہ عنین کو اس سال گذر جانے پر دوبارہ درخواست دینی پڑتی ہے اس میں حنفیہ کے ساتھ مالکیہ بھی متفق ہیں، پس نہ معلوم انھوں نے عنین و مفقود میں کیا فرق سمجھا ہے واللہ اعلم ١٢ منہ

مفتي المالكية بالمدينة المنورة زادها الله شرفاً وأجلا لاً، اور بعض حضرات نے اس کی مدت عمر طبعی کا لحاظ کر کے متعین بھی کر دی ہے جس میں مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک نوے برس، بعض کے نزدیک پچھتر برس، بعض کے نزدیک ستر سال۔ وغیر ذلک ولکن الأولى أن يفوض إلى رأى أهل الخبرة وأهل العلم بحاله من صحته وسقمه وقوته وضعفه) مگر اشہبؒ نے (جو امام مالکؒ کے ممتاز شاگردوں مین ہیں اور فقہائے مالکیہ میں بلند پایہ رکھتے ہیں) دار الحرب میں بھی مفقود کی بیوی کا وہی حکم رکھا ہے جو دار الاسلام میں گذر چکا کما ذكره ابن رشد في مقدماته (مدونة صفحه ١٥٧ ج٢)

حيث قال وأما المفقود في بلاد الحرب فحكمه حكم الأسير لا تتزوج امرأته ولا يقسم ماله حتى يعلم موته أو يأتي عليه من الزمان ما لا يحيى إلى مثله في قول أصحابنا كلهم حاشا أشهب فإنه حكم له بحكم المفقود في المال والزوجة جميعا ".

## جواب سوال دوم- چار سال کی میعاد حاکم کی تفتیش اور نا امیدی کے بعد ہو گی

حاکم جو چار سال کی مدت انتظار کے لئے مقرر کرے گا اس کی ابتداء اس وقت سے کی جائے گی جس وقت حاکم خود بھی تفتیش کر کے پتہ چلنے سے مایوس ہو جائے، اور قاضی کی عدالت میں پہونچنے اور اس کی تفتیش سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گذر چکی ہو اس کا کچھ اعتبار نہ ہو گا۔

كما في أول الفتوى من العلامة سعيد بن صديق المالكي، ويؤيده بأوضح وجه ما في الروايه العشرين من العلامة الموصوف.

## جواب سوال سوم- حکم بالموت کے لئے قضائے قاضی شرط ہے

مفقود کی بیوی کسی صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے مین خود مختار نہیں، بلکہ ہر حال میں قضائے قاضی شرط ہے، كما هو مصرح في الرواية العشرين من الإمام مالك رحمه الله تعالى، اور مرافعہ اور فسخ کی صورت سوال اول کے جواب میں گذر چکی ہے۔

## جواب سوال چہارم-تفتیش مفقود کی صورت اوراس کے مصارف

ہاں قاضی پر بھی ضروری ہے کہ صرف عورت اور اس کے اولیاء کی تفتیش اوران کے بیان پر اکتفاء نہ کرے، بلکہ خود بھی تلاش کرائے، اور تلاش کرنے کی صورت یہ ہے کہ قاضی وحاکم کو جہاں جہاں مفقود کے جانے کا غالب گمان ہو وہاں وہاں آدمی بھیجا جائے۔

**كما في شرح الدردير: من حين العجز عن خبره بالبحث عنه في الأماكن التي يظن ذهابه إليها من البلدان بأن يرسل الحاكم رسولاً بكتاب لحاكم تلك الأماكن مشتمل على صفة الرجل وحرفته ونسبه ليفتش عنه فيها'' (شرح الدر دير مع حاشية الدسوقي، فصل لذكر المفقود، ج: ٢، ص: ٤٧٩ مطبوعه دار إحياء الكتب العربية مصر)**

اور جس جگہ جانے کا گمان غالب نہ ہو صرف احتمال ہو وہاں اگر خط کو کافی سمجھے تو وہاں خطوط بھیج کر تحقیق کرے، اور اگر اخبار میں شائع کر دینے سے خبر ملنے کی امید ہو تو یہ بھی کرلے، الغرض تفتیش میں پوری کوشش اور جہد بلیغ کرے، (**كما لا يخفى**) اور جب تلاش کے بعد پتہ ملنے سے مایوسی ہوجائے اس وقت مذکورۃ بالا طریقہ پر چار سال کے مزید انتظار کا حکم کرے **كما في الرواية العشرين من فتوى العلامة سعيد بن صديق مفتي المالكية بالمدينة المنورة** اور تفتیش کے مصارف کی بابت فقہائے مالکیہ میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ عورت کے ذمہ ہے، اور بعض نے کہا کہ بیت المال کے ذمہ ہے اور بعض کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر بیوی (۱) کے پاس مال ہو تو مصارف تفتیش اس کے ذمہ ہوں گے ورنہ بیت المال کے ذمہ جس جگہ بیت المال نہ ہو جیسے ہندوستان وغیرہ اگر ان مواقع میں حکومت مصارف برداشت کرے تو بہتر ہے ورنہ مسلمانوں سے چندہ کرلیا جائے **كما في الرواية الخامسة من فتوى العلامة الفاهاشم** (۲) واضح رہے کہ ولایت

---

(۱) وهذا القول الثالث أعدل الأقاويل عندنا والله أعلم ۱۲ منه

(۲) افسوس کہ علامہ موصوف اس فتوی کی اشاعت سے قبل ہی رحلت فرما گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون ۱۲ منه

کے لئے سلطان وقاضی کے علاقہ میں ہونا شرط ہے، اور مالکیہ نے تو اس کی بہت ہی صاف تصریح کی ہے، چنانچہ شرح دردیر میں ہے: (ولا یزوج) القاضی (امرأة)أی لا یتولی عقد نکاحها حیث لا ولی لها إلا الحاکم (لیست بولایته) بأن کانت خارجة عنها إذلا ولایة علیها وإن کان أصلها من أهلها (شرح الدردیر مع حاشیة الدسوقی، آخر باب القضاء، ج: ٤، ص: ١٦٤ دار إحیاء الکتب العربیة مصر) والله أعلم ١٢ منه

## جواب سوال پنجم- قاضی شرعی نہ ہوتو اس کا قائم مقام کون ہوسکتا ہے؟

جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے اسلامی ریاستوں کے علاوہ ہندوستان کے تمام شہروں کا حال ہے تو وہاں وہ حکام جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات کے تصفیہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور فیصلہ شریعت کے موافق کریں تو ان کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، جیسا کہ اس جزء دوم کے مقدمہ میں مفصل گذر چکا ہے۔

اور مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت سے فیصلہ شریعت کے مطابق نہ ہوتا ہو تو پھر مذہب مالکیہ کے موافق دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت کر کے حسب بیان مذکور تحقیق کرے، اور تحقیق کامل کے بعد فیصلہ صادر کردے تو یہ فیصلہ بھی قضائے قاضی کے حکم میں ہوجائے گا لیکن پنچایت کا ان شرائط کے موافق ہونا ضروری ہے جو مقدمہ میں گذر چکی ہیں، وہاں دیکھ لیا جائے۔

## اس جواب کا تکملہ

اگر مفقود کی بیوی ایسی جگہ چلی جائے جہاں قاضی شرعی یا مسلمان حاکم موجود ہو، اور اس کے پاس مقدمہ دائر کرے تو اس کا فیصلہ بھی مفقود کی بیوی کے لئے کافی ہے۔

فانها إذا دخلت فی بلد القاضی دخلت تحت ولایته وأما المفقود

**قالو فالولاية عليه ليس بشرط(۱) كما لا يخفى .**

لیکن زوجہ مجنون یا زوجۂ عنین تنہا کسی قاضی کے علاقہ میں چلی جائے تو قاضی کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا بلکہ ضروری ہے کہ مجنون وعنین بھی اس قاضی کے علاقہ میں ہوں۔

---

(۱) اگر کوئی شبہ کرے کہ مفقود الخبر جس جگہ کا باشندہ ہے وہاں کے قاضی کی ولایت گو اس وقت تو اس پر ثابت نہیں ہے، مگر پہلے اس پر ولایت تھی اس واسطے ولایت اصلیہ کی بناء پر وہاں کے قاضی کی قضا نافذ ہوسکتی ہے اور جس کی ولایت میں شروع ہی سے نہ تھا اس کی قضا نافذ نہ ہونا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ نفاذ قضاء کے لئے ولایت حال شرط ہے ولایت سابقہ معتبر نہیں، پس سب جگہ کے قاضی مفقود کے بارے میں یکساں شمار ہوں گے۔ **وهذا لما في ردالمحتار (فتاوى شامي، كتاب النكاح، باب الولى، مطلب لا يصح تولية الصغير ج: ۲، ص: ۲۱٤، مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت لبنان) تحت قول الدر (صغيره زوجت نفسها ولا ولى ولا حاكم ثمة توقف ونفذ باجازتها بعد بلوغها لأن له مجيز أو هو السلطان قوله (ولا حاكم ثمه) أى في موضع العقد قوله (توقف الخ) هذا مبنى على كفاية كون ذلك المكان تحت ولاية السلطان وإن لم يكن تجت ولاية قاض وعليه فبطلان العقد يتصور فيما إذا كان في دار الحرب أوا لبحر أو المفازة ونحو ذلك بخلاف القرى والأمصار ويدل عليه ما في الفتح في فصل الوكالة بالنكاح حيث قال : وما لا مجيز له أى ماليس له من يقدر على الاجازة يبطل كما إذا كانت تحته حرة فزوجه الفضو لى أمة أو أخت امرأته أو خامسة أو زوجه معتدة أو مجنونة أو صغيرة يتيمة في دار الحرب أو إذا لم يكن سلطان ولاقاض لعدم من يقدر على الإمضاء حالة العقد فوقع باطلاً .**

چونکہ اس روایت میں **مجنونةأو صغيرة في دارالحرب** عام ہے اس کو کہ وہ مجنونہ یا صغیرہ شروع سے دار الحرب میں ہو یا پہلے دارالاسلام میں تھی اور اب دار الحرب میں چلی گئی اس عموم کی وجہ سے ثابت ہوا کہ ولایت سابقہ کا اعتبار نہیں، ونیز قول شامی "**أى في موضع العقد**" اور" **ذلك المكان تحت ولاية السلطان**" کے لفظ سے واضح ہے کہ ولایت کے لئے سلطان وقاضی کے علاقہ میں ہونا شرط ہے، اور مالکیہ نے تو اس کی بہت ہی صاف تصریح کی ہے، چنانچہ شرح دردیر میں ہے، **(ولا يزوج) القاضى (امرأة) أى لا يتولى عقد نكاحها حيث لا ولى لها إلا الحاكم (ليست بولايته) بأن كانت خارجة عنها إذ لا ولاية عليها وإن كان أصلها من أهلها (اشرح الكبير للدر دير مع حاشية الدسوقى، آخر باب القضاء، ج: ٤، ص: ١٦٤، دار إحياء الكتب العربية مصر) والله أعلم ١٢ منه.**

## جواب سوال ششم- ہندوستان وغیرہ ممالک مفقود کے مسئلہ میں دارالاسلام کے حکم میں ہیں

مفقود کا حکم دارالحرب اور دارالاسلام میں مختلف ہے، جیسا کہ سوال اول کے جواب میں مفصل گذر چکا۔

مگر علماء مالکیہ کے فتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان ومصروشام وغیرہ ممالک جن میں باوجود حکوت کافرہ مسلط ہوجانے کے شعائر اسلام ہنوز قائم ہیں، ان سب میں مفقود کا حکم وہی ہے جو دار الاسلام میں ہے، بلکہ جس دارالحرب میں شعائر اسلام بھی موجود نہ ہوں مگر وہاں مسلمانوں کو صلح وغیرہ کی وجہ سے آنا جانا اور تفتیش کرنا ممکن ہوتو اس دارالحرب میں بھی مفقود کا وہی حکم ہے جو دارالاسلام میں ہے، پس اصل بنا امکان تفتیش ہے، اس لئے ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں جو علماء کا اختلاف ہے اس کا اس مسئلہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اور مفقود کی بیوی کو ان ممالک میں چار سال کی مہلت کے بعد عدت وفات گذار کر نکاح ثانی کا اختیار دے دیا جائے گا۔

**کما فی الروایة الخامسة للعلامة الفا هاشم والخامسة والعشرین للعلامة الطیب .**

## مفقود کی واپسی کے احکام

### سوالات

(۱) اگر مفقود حکم بالموت کے بعد یا نکاح ثانی کے بعد صحبت سے پہلے واپس آجائے یا دوسرے خاوند سے صحبت وغیرہ ہوچکنے کے بعد واپس آجائے تو مفقود کو عورت ملے گی یا نہیں، اور سب صورتوں کا ایک ہی حکم ہے یا مختلف؟

(۲) دوسرے خاوند سے صرف نکاح یا نکاح اور صحبت دونوں ہوجانے کے بعد مفقود کے واپس آنے پر اگر بیوی اس کو مل جاتی ہوتو اس کے متعلق چند مفصل سوالات درج ذیل ہیں:

(الف) کیا پہلے خاوند کو تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی یا ویسے ہی پہلا نکاح قائم سمجھا جائے گا؟

(ب) تجدید نکاح کی صورت میں تجدید مہر کی بھی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

(ج) اس صورت میں دوسرے خاوند کی عدت بھی واجب ہوگی یا نہیں؟ اور اگر واجب ہوگی تو کتنے ایام تک، اور یہ عدت شوہر ثانی کے مکان پر گذارے گی یا شوہر اول کے؟

(د) دوسرے شوہر کے ذمہ جو مہر تھا اس کا ادا کرنا واجب رہے گا یا نہیں؟

(ہ) اگر دوسرے شوہر سے اولاد ہو چکی ہو یا تفریق کے بعد زمانہ عدت میں ہو جائے تو اس اولاد کا نسب کس سے ثابت ہوگا، پہلے خاوند سے یا دوسرے سے؟

## جوابات

(۱) وہ مفقود جس پر مرافعہ وتفتیش کے بعد چار سال تک انتظار کر کے قاضی نے موت کا حکم دیا ہے، اگر حکم بالموت کے بعد واپس آجائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ شوہر ثانی کے ساتھ خلوت صحیحہ ہونے سے پہلے پہلے آجائے خواہ عدت وفات کے اندر یا بعد میں، اور خواہ نکاح ثانی سے پہلے یا بعد میں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایسے وقت واپس آئے جب کہ عدت گذارنے کے بعد عورت دوسرے مرد سے نکاح کر چکی اور خلوت صحیحہ بھی ہو چکی ہو، ان میں سے پہلی صورت کا حکم بالاتفاق یہ ہے کہ بیوی شوہر اول ہی کے نکاح میں بدستور سابق رہے گی، دوسرے خاوند کے پاس نہیں رہ سکتی۔

**كما في مجموع الرواية الرابعة عشر والخامسة عشر والرابعة والثلاثين من فتوى العلامة الصالح.**

اور دوسری صورت میں مالکیہ کا تو مشہور (۱) مذہب یہی ہے کہ بیوی دوسرے خاوند

(۱) ایک ضروری بات قابل تنبیہ یہ ہے کہ مالکیہ کے مذہب مشہور میں بھی زوج ثانی سے ہمبستری کے بعد شوہر اول کا حق فوت ہو جانے کی ایک شرط ہے جس کا علمائے مدنیہ کے فتاوی میں تذکرہ نہیں ہے، نہ معلوم اس کا ذکر کس وجہ سے رہ گیا ورنہ ان کی معتبر و مستند کتاب میں موجود ہے: وہ شرط یہ ہے کہ دوسرے خاوند کو اس بات کی خبر نہ ہو کہ اس عورت کا خاوند لاپتہ ہے، اور اگر خبر ہو کہ اس کا خاوند لاپتہ ہے تو پھر شوہر ثانی کے دخول وہمبستری کے بعد واپس آنے پر بھی شوہر اول کا نکاح باقی رکھا جائے گا اور اسی کو مل جائے گی، **كما صرح به في مختصر الخليل وشرحه للعلامة الدردير فتكون للمفقود فيما إذاجاء أو تبين حياته أو موته في العدة أو بعدها ، وقبل عقد الثاني أو بعده عالما بما ذكر وتفوت عليه و تكون للثاني أن تلذذ بها غير عالم شرح در دير مع حاشية الدسوقي، فصل لزوجة المفقود، ج: ٢، ص: ٤٨٠، دار إحياء الكتب العربية مصر** ۔ پس مذہب مشہور کی بناء پر بھی صرف اس جگہ مالکیہ کو اختلاف ہوگا جہاں شوہر ثانی کو خبر نہ ہو کہ یہ زوجۂ مفقود ہے وھو نادرا جدا ۱۲ منہ۔

کے پاس رہے گی، شوہر اول کا اب اس سے کوئی تعلق نہیں رہا، كما في الرواية الخامسة عشر من فتوى العلامة الصالح مع الرواية السابعة والعشرين من العلامة طيب بن إسحق المدني گوعلامہ شعرانی نے میزان میں لکھا ہے۔

وله رواية أخرى إنها للأول بكل حال، ومع قول الشافعي في أرجح القولين أن النكاح الثاني باطل (أي إذا قدم المفقود ) كتاب الميزان للشعراني، كتاب العدد والاستبراء، ج: ۲، ص:۱۱۸، مطبعة ميمنة مصر ١٤٣٦هـ)

لیکن امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا مذہب اس بارہ میں یہ ہے کہ اگر مفقود حکم بالموت کے بعد بھی واپس آجائے تو اس کی عورت ہر حال میں اسی کو ملے گی خواہ عدت وفات کے اندر آجاوے یا عدت گذرنے کے بعد اور خواہ نکاح ثانی اور خلوت وصحبت کے بعد آئے یا پہلے۔

كما صرح به شمس الأئمة في المبسوط حيث قال:

" وقد صح رجوعه (۱) (يعني عمر رضي الله عنه ) إلى قول علي رضي الله عنه فإنه (أي عليا رضي الله عنه) كان يقول ترد إلى زوجها الأول، ويفرق بينها وبين الآخر ولها المهر بما استحل من فرجها ولايقربها الأول حتى تنقضي عدتها من الآخر، وبهذا كان يأخذ إبراهيم فيقول: قول علي رضي الله عنه أحب إلي من قول عمر رضي الله عنه وبه نأخذ أيضاً (مبسوط سرخسي، كتاب المفقود، ج: ۱۱، ص: ٤٠، مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱) فإن قال قائل إذا رجع عمر رضي الله عنه عن مذهبه فكيف يسوغ للمالكية القول بمذهبه السابق المرجوع عنه قلنا الرجوع مختلف فيه أي صح الرجوع عند الأحناف ولم يصح عند المالكية كما قال ابن قدامة في كتابه المسمى بالمغني (قال الأثرم: قيل لأبي عبدالله . إلى قوله. قلت: فروى من وجه ضعيف أن عمر قال بخلاف هذا؟ قال: لا، إلا أن يكون إنسان يكذب (المغني لابن قدامة، كتاب العدد، فصل في أحكام المفقود، ج: ۱۱، ص:۲٤٨، مطبوعه دار عالم الكتب، رياض، المملكة العربية السعودية)

**وفي ميزان الشعراني :**

**ومن ذلک قول أبي حنيفة أن المفقود إذا قدم بعد أن تزوجت زوجته بعدالتربص يبطل العقد وهي للاول وإن كان الثاني وطئها فعليه مهر المثل وتعتد من الثاني ثم ترد إلى الأول". (كتاب الميزان للشعراني، كتاب العدد والاستبراء، ج:۲، ص:۱۱۸، مطبعه ميمنيه مصر ۱۴۳۶ھ)**

اورحنفی کے لئے غیر حنفیہ کے مذہب پرفتوی دینا سخت ضرورت کے وقت جائز ہے،جیسے تاجیل زوجہ مفقود وغیرہ کی صورتیں،لیکن واپسی مفقود کی صورت میں دوسرے مذہب پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں۔

لہذا اس دوسری صورت میں بھی (یعنی جب کہ مفقود کی واپسی سے قبل شوہر ثانی خلوت صحیحہ بھی کرچکا ہوتب بھی) بیوی اپنے پہلے شوہر ہی کے نکاح میں رہے گی ،شوہر ثانی کے پاس رہنا جائز نہیں۔کیونکہ شوہر (۱) اول کی واپسی سے نکاح ثانی باطل قرار دیا گیا۔واللہ اعلم۔

(۲) سوال اول کے جواب میں مبسوط کی جو عبارت درج کی گئی ہے اس سے سوال ہذا کی پانچوں اجزاء کا جواب نکل آیا۔یعنی

(الف) پہلا نکاح قائم رہے گا،تجدید نکاح کی ضرورت نہیں،اگر چہ دوسرے خاوند سے صحبت بھی ہوچکی ہو، **وهو المستفاد من قوله" ترد إلى زوجها الأول" ومن قوله "ولا يقربها الأول" الخ)**

(ب) ظاہر ہے کہ جب تجدید نکاح نہیں تو پھر تجدید مہر کہاں۔

(ج) دوسرے شوہر کی عدتِ گذارنا واجب ہے جب تک عدت ختم نہ ہو اس وقت تک شوہر اول کو اس کے پاس جانا ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ پوری احتیاط لازم ہے

**(وهو المصرح في قوله" ولا يقربها الأول حتى تنقضي عدتها من الآخر"** اورعدت میں جو تفصیل دوسرے مواقع میں ہے وہ یہاں بھی ہوگی ،یعنی اگر حاملہ ہے تو

---

**(۱) ومافي العالمكيرية (فتاوى هنديه، كتاب المفقود، ج: ۱، ص: ۳۰۰، مطبوعه إحياء التراث العربي بيروت لبنان) عن التاتار خانية فإن عاد زوجها بعد مضي المدة فهو أحق بها وأن تزوجت فلا سبيل له عليها فلا يعول عليه في مقابلة تصريح المبسوط .والله أعلم ۱۲ منه**

وضع حمل ورنہ تین حیض، باقی رہا یہ سوال کہ زمانہ عدت کہاں گذارے، سواس کا جواب یہ ہے کہ شوہراول کے یہاں گذارے گی۔

لأنها بمنزلة الموطوءة بالشبهة كما قال شمس الأئمة فعرفنا أن الصحيح أنها زوجة الأول ولكن لا يقربها لكونها معتدة الغير كالمنكوحة إذا وطئت بشبهة (مبسوط سرخسی، کتاب المفقود، ج: ١١، ص:٦٥، مطبوعه دار الفكر بيروت لبنان)

وفي الدر المختار :

وللموطوءة بشبهة أن تقيم مع زوجها الأول وتخرج بإذنه في ا لعدة لقيام النكاح بينهما ، إنما حرم الوطى الخ.[١] (فتاوى شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل، ج: ٢، ص:٦٠٨ مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت لبنان) .

ونقل الشامي عن كافي الحاكم أن امرأة رجل لوتزوجت (بآخر) ودخل بها الزوج (الثاني) ثم فرق بينهما وردت إلى زوجهاالأول كان لها أن تتشوف[٢] إلى زوجها الأول وتتزين له، وعليها عدة الآخر ثلث حيض" والله سبحانه أعلم (فتاوى شامي، كتاب الطلاق، باب العدة، آخر فصل الحداد، ج:٢، ص:٦٢٣، مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت لبنان ).

اگر خلوت صحیحہ ہوچکی ہوتو پورا مہر جو بوقت نکاح مقرر کیا گیا تھا ادا کرنا واجب ہوگا۔

وهو المستفاد من قوله "ولها المهربما استحل من فرجها، ولم يصرح أن المراد من المهر المهر المسمى أو مهر المثل، لكن المتبادر عند الإطلاق هو المهر المسمى وأيضا مامر في حكم المجنون من أنه إذا فسخ النكاح بعد الدخول يجب المهر المسمى يؤيد ما قلنا، وما في الميزان للشعرانى من أن: عليه مهر المثل (كتاب الميزان للشعراني كتاب العدد والاستبراء، ج:٢،

---

(١) ودواعيه ملحقة به كما هو الظاهر ١٢ منه

(٢) أن تنظر كذا في القاموس، ١٢ منه

ص:۱۱۸، مطبعه ميمنيه مصر ۱۳۰٦هجـ) فلا يتأيد برواية ولا يعتضد بالقواعد، والدراية فيما نعلم، بل ظاهر المبسوط والبدائع يخالفه كما مر آنفاً والله أعلم.

اور اگر خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں مہر کا حکم صراحۃً نظر سے نہیں گذرا، مگر قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں مہر بالکل نہ ملے گا۔

لأن رفع نكاح الزوج الثاني كالفسخ و في الفسخ قبل الخلوة لا يجب شيء من المهر كما مر عن البدائع في حكم زوجة المجنون وأيضاً لفظ المبسوط "بما استحل من فرجها" يشير إلى أن مجرد النكاح لا يوجب المهر. والله أعلم.

(ھ) اس اولاد کا نسب دوسرے خاوند سے ثابت ہوگا۔

كما صرح به العلامة الشامي في رد المحتار حيث قال: ونقل أن زوجته له، والأولاد للثاني انتهى". (كتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود، ج:۳، ص:۳۳۲، مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت لبنان) وإليه ذهب المالكية أيضاً كما صرح به في الرواية الثالثة والثلاثين من فتوى العلامة الصالح المالكي الملحقة بآخر الكتاب.

## فائدہ-اندیشۂ ابتلاء کے وقت مفقود کی بیوی کے لئے ایک مزید وسعت

مفقود کی بیوی کے لئے چار سال کے مزید انتظار کا حکم اس صورت میں تو بالاتفاق ضروری ہے جب کہ عورت اتنی مدت تک صبر وتحمل اور عفت کے ساتھ گذار سکے، لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یعنی عورت اندیشہ ابتلاء ظاہر کرے، اور اس نے ایک عرصۂ دراز[1] تک مفقود کا انتظار کرنے کے بعد مجبور ہوکر اس حالت میں درخواست دی ہو جب کہ صبر سے عاجز ہوگئی ہو تو اس صورت میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق چار سال کی میعاد

(۱) اور عرصۂ دراز کی تعیین مفوض الی رای الحاکم ہے یعنی قاضی یا جماعت مسلمین مدعیہ کے خاص حالات میں غور کر کے طے کریں کہ مقدمہ پیش ہونے سے پہلے اس نے کافی انتظار کرلیا ہے یا نہیں، اگر معمولی انتظار کے بعد مقدمہ دائر کردیا تو احکام گذشتہ کے موافق چار سال کے مزید انتظار کا حکم دیا جائے گا اور اگر کافی انتظار کر کے مقدمہ پیش کیا ہے تو اس گنجائش کے موافق فیصلہ کی اجازت ہے ۱۲ منہ

میں تخفیف کردی جائے، کیونکہ جب عورت کے ابتلاء کا شدید اندیشہ ہوتو ان کے نزدیک کم از کم ایک سال (۱) صبر کے بعد تفریق جائز ہے۔ **کما فی الروایۃ الثانیۃ من فتوی العلامۃ الفاھاشم**)۔

مگر علمائے سہارنپور دونوں صورتوں میں چار ہی سال کی مدت کے مزید انتظار کو شرط فرماتے ہیں، اور ایسا کرنا ظاہر ہے کہ زیادہ احتیاط کی بات ہے لیکن جہاں قرائن قویہ سے اندیشہ زنا میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو ایک سال کے قول پر بھی حاکم کو حکم کر دینے کی گنجائش ہے، مگر معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، بہانہ تلاش نہ کیا جائے۔

## فائدہ کا تتمہ

اگر تفریق اس قاعدہ کے موافق کی جائے تو اس بات کا خیال ضروری ہے کہ یہ تفریق طلاق رجعی ہوگی، اور اس صورت میں مفقود کی بیوی کو بجائے عدت وفات کے عدت طلاق تین حیض گذارنے ہوں گے، اور اگر مفقود اس صورت میں واپس آ گیا تو اس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر عدت کے اندر اندر آ کر رجعت کر لے تو رجعت صحیح ہو جائے گی، اور بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہے گی، اور اگر عدت کے بعد آیا یا پہلے ہی آ گیا مگر عدت کے اندر رجعت قولی یا فعلی نہ کی تو اب مفقود کی بیوی کو طلاق بائنہ ہو کر وہ خود مختار ہوگئی، خواہ دوبارہ اسی سے نکاح کر لے یا کسی دوسرے سے (**لما في الروایۃ الرابعۃ عشر من فتوی العلامۃ الصالح التونسی**)۔

---

(۱) لیکن یہ بات کہ یہ سال غائب ہونے کے وقت سے شروع سمجھا جائیگا یا مرافعہ الی القاضی کے وقت سے، اس کی تصریح فتاویٰ مالکیہ میں نہیں ہے اور جس قدر کتب مالکیہ یہاں موجود تھیں ان میں بھی دستیاب نہیں ہوئی، اور ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ مرافعہ کے بعد سے سال انتظار شمار کیا جائے ۱۲ منہ۔

# متعنت فی النفقۃ کی بیوی کا حکم

متعنت اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو باوجود قدرت کے بیوی کے حقوق نان نفقہ وغیرہ ادا نہ کرے، اس کا حکم بھی بوقت ضرورت شدیدہ ستم رسیدہ مستورات کی رہائی کے لئے مالکیہ کے مذہب سے لیا گیا ہے جو ذیل کے سوال و جواب میں مذکور ہے۔

## سوالات

(۱) جو شخص باوجود قدرت کے اپنی بیوی کے حقوق نان ونفقہ ادا نہ کرتا ہو کیا اس کی بیوی کو حق ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو اس کی زوجیت سے نکال سکے، اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟

(۲) اگر قاضی ان میں تفریق کر سکتا ہو تو جب قاضی اس متعنت کی بیوی پر طلاق واقع کر چکے جو نان نفقہ نہ دیتا ہو اس وقت یا اس کے بعد پھر کسی وقت متعنت اپنی حرکت سے باز آجائے اور نفقہ وغیرہ حقوق ادا کرنے کا وعدہ کرے تو کیا وہ عورت پھر اس کو مل جائے گی اور اگر اس کو مل سکتی ہے تو قبل عدت اور بعد عدت میں یا قبل نکاح ثانی اور بعد نکاح ثانی میں کچھ فرق ہوگا یا نہیں؟۔

## جوابات

(۱) متعنت کی بیوی کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کر لے، لیکن اگر باوجود پوری کوشش کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ ان کے نزدیک متعنت کو تفریق [1] کا حق مل سکتا ہے، اور سخت مجبوری کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہو سکے، یعنی نہ کوئی شخص عورت کے خرچ کا

(۱) وهكذا الحكم عند المالكية لا يختص بخشية الزنا وإفلاس الزوجة لكن لم ناخذ مذهبهم على الإطلاق بل أخذناه حيث وجدت الضرورة المسوغة للخروج عن المذهب ۱۲ منه

بندوبست کرتا ہو، اور نہ خود عورت آبرو کی حفاظت کے ساتھ کسب معاش پر قدرت رکھتی ہو، اور دوسری صورت مجبوری کی یہ ہے کہ اگرچہ سہولت یا دقت سے خرچ کا انتظام ہوسکتا ہے لیکن شوہر سے علیحدہ رہنے میں معصیت میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔

اور تفریق کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین (۱) کے سامنے پیش کرے، اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے، اور اگر عورت کا دعوی صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جائے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے اس میں کسی مدت کے انتظار ومہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں، **للرواية الثالثة والعشرين من الفتوى للعلامة سعيد بن صديق ۔**

(۲) **متعنت** اگر اپنی حرکت سے اسوقت باز آئے جبکہ حاکم اس کی بیوی پر طلاق واقع کرچکے اور عدت بھی گذر چکے تو اب اس کا کوئی اختیار (۲) زوجہ پر نہیں رہتا (کیونکہ عدت گذرنے کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا گو طلاق رجعی ہی ہو، البتہ میاں بیوی دونوں کی رضامندی سے نکاح ہوسکتا ہے) اور اگر عدت گذرنے سے پہلے پہلے اپنی حرکت سے باز آجائے اور نفقہ دینے پر آمادہ ہوجائے تو اس بارے میں مالکیہ کے مذہب میں صریح روایت نہیں

---

(۱) جماعت مسلمین ونیز حاکم کا مفصل بیان جزو دوم کے مقدمہ میں گذر چکا ہے اس کا ملاحظہ ضروری ہے ۱۲ منہ

**(۲) فان قيل ان المتعنت اذا رجع عن التعنت بعد العدة فالمرأة لا ترجع اليه بحال كما هو مذكور في هذا المقام، والغائب المطلق عليه اذا قدم بعد العدة و أثبت خلاف ما ادعته فالمرأة له، و ان عاند بعد ما أرسل اليه الحاكم كما سيأتى فما الفرق بين تعنت الحاضر وعناد الغائب حيث لا حق بعد العدة للمتعنت بحال بخلاف الغائب المعاند، يجاب بأن تعنت الحاضر يثبت في مجلس القاضي فتكون له قوة كما يفهم من المختصر مع شرحه حيث قال: (و ان لم يُجب) المدعى عليه باقرار ولا انكار (حبس و أدب بالضرب (ثم) ان استمر على عدم الجواب (حكم) عليه بالحق لانه في قوة الا قرار بالحق (الشرح الكبير للدردير، باب القضاء، ج:۳، ص: ۱۵۱، مطبوعه دار احياء الكتب العربية مصر) بخلاف عناد الغائب فافهم ۱۲ منه**

ہے، اس لئے ارباب فتوی کے نزدیک دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ اس تفریق کو طلاق رجعی قرار دیا جائے، اور عدت کے اندر اندر رجعت کو صحیح کہا جائے، دوسرا یہ کہ طلاق بائنہ قرار دی جائے اور رجعت کا حق خاوند کو نہ دیا جائے، لیکن علامہ صالح نے احتمال اول کو اقرب لکھا ہے، **کما فی الروایة الرابعة عشر مع التنبیه والتلخیص عن الفتوی الثانیه للعلامة الصالح ۔**
اور ہم کو بھی علامہ صالح کی رائے ان کے فتوی میں غور کرنے کے بعد درست معلوم ہوتی ہے اس واسطے ہمارے نزدیک فتوی یہی ہے کہ عدت کے اندر اندر تعنت سے باز آجانے کی صورت میں عورت کو اس کے پاس رہنا پڑے گا، خواہ عورت راضی ہو، یا نہ ہو، کیونکہ رجعت (۱) میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں مگر احتیاطاً تجدید نکاح ہو جائے تو بہتر ہے۔

**واللہ أعلم بالصواب وإلیه المرجع والمآب.**

(۱) جب رجعت صحیح ہوگئی تو عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا حرام ہے اور اسی مرد کے پاس رہنا ضروری ہے اس لئے عورت کو بھی لازم ہے کہ تجدید نکاح کرے لیکن اگر عورت اپنی بیوقوفی سے تجدید نکاح نہ کرے تو مرد کو جائز ہے کہ بدون تجدید ہی رکھ لے ۱۲ منہ

# غائب غیر مفقود کی بیوی کا حکم

یہ حکم بھی فقہ مالکی سے لیا گیا ہے تا کہ بوقت ضرورت شدیدہ مظلومہ کو نجات حاصل ہو سکے۔

**سوالات:**

(۱) جو شخص غائب ہو جائے اور پتہ اس کا معلوم ہے، لیکن نہ وہ خود آتا ہے نہ بیوی کو اپنے پاس بلاتا ہے، نہ اس کے خرچ وغیرہ کا انتظام کرتا ہے، اور نہ طلاق دیتا ہے، اس وجہ سے عورت تنگ اور پریشان ہے، تو کیا اس کی عورت کیلئے کوئی سبیل ہے کہ اس غائب کی زوجیت سے اپنے آپ کو الگ کرے، اور جائز طور پر دوسری جگہ نکاح کر سکے؟

(۲) تفریق جائز ہونے کی صورت میں اگر تفریق کے بعد نکاح ثانی سے پہلے یا نکاح ثانی کے بعد وہ شخص واپس آجائے اور نان نفقہ کا انتظام کرنے پر آمادہ ہو تو کیا بیوی اس کو مل جائے گی، اور اگر واپس مل جاتی ہے تو کن شرائط اور کس تفصیل کے ساتھ ملتی ہے؟

**جوابات**

۱- اس عورت کی رہائی کے واسطے جو صورت باتفاق ائمہ صحیح ہے وہ تو یہ ہے کہ اس کے خاوند کو خلع پر راضی کیا جائے اور اگر وہ سنگ دل خلع پر بھی راضی نہ ہو تو پھر اگر یہ عورت صبر کر کے اپنا زمانہ عفت کے ساتھ گذار سکے تو بہتر، ورنہ جب گذارہ اور نان نفقہ کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو سخت مجبوری میں یہ بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق صورت ذیل اختیار کر کے رہائی حاصل کر لے۔

## تفریق کی صورت اور اس کی شرطیں

وہ صورت یہ ہے کہ اولاً قاضی (۱) کے پاس مقدمہ پیش کر کے گواہوں سے اس غائب کے ساتھ اپنا نکاح ہونا ثابت کرے، پھر یہ ثابت کرے کہ وہ مجھ کو نفقہ دے کر نہیں گیا، اور نہ وہاں سے اس نے میرے لئے نفقہ بھیجا، نہ یہاں کوئی انتظام کیا، اور نہ میں نے نفقہ معاف کیا

---

(۱) اور جہاں قاضی نہ ہو وہاں کا حکم مقدمہ میں مفصل گذر چکا ہے اس کو ضرور دیکھ لیا جائے ۱۲ منہ

غرض نفقہ کا وجوب بھی اس کے ذمہ ثابت کرے، اور یہ بھی کہ وہ اس واجب میں کوتاہی کر رہا ہے، اور ان سب باتوں پر حلف بھی کرے، اس کے بعد اگر کوئی عزیز قریب یا اجنبی اس کے نفقہ کی کفالت (۱) کرلے تو خیر ورنہ قاضی اس شخص کے پاس (۲) حکم بھیجے کہ یا تو خود حاضر ہوکر اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو یا اس کو بلالو یا وہیں سے کوئی انتظام کرو، ورنہ اس کو طلاق دیدو، اور اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہ کی تو پھر ہم خود تم دونوں میں تفریق کردیں گے، اس پر بھی اگر خاوند کوئی صورت قبول نہ کرے تو قاضی ایک مہینہ (۳) کے مزید انتظار کا حکم دے، اس مدت میں بھی اگر اس کی شکایت رفع نہ ہوئی تو اس عورت کو اس غائب کی زوجیت سے الگ کردے **كما فى الرواية الثانية والعاشرة والثانية والعشرين والسادسة والثلاثين،** اور یہ ظاہر ہی ہے کہ تفریق کے لئے عورت کی طرف سے مطالبہ شرط ہے، پس اگر اس کا جواب آنے کے بعد عورت مطالبہ ترک کردے تو پھر تفریق نہ کی جائے گی۔

## ضروری تنبیہ

## غائب کے پاس حکم بھیجنے کی ضرورت اور اس کی صورت

قاضی جب اس غائب کے پاس حکم بھیجے تو بذریعہ ڈاک وغیرہ بھیجنا کافی نہیں، بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ حکم نامہ دو ثقہ آدمیوں کو سنا کر ان کے حوالہ کردے کہ اس کو غائب کے پاس لے جاؤ، یہ دونوں شخص غائب کو حکم نامہ پہونچا کر اس سے جواب طلب کریں، اور جو کچھ جواب تحریری یا زبانی نفی یا اثبات میں دے اس کو خوب محفوظ رکھیں (بلکہ زبانی جواب کو بھی احتیاطاً لکھ لیں) تاکہ واپس ہوکر اس پر شہادت دے سکیں، اور اگر کچھ جواب نہ دے تو اسی کی شہادت دے دیں۔

(۱) اگر کسی نے اس وقت نفقہ کی کفالت کرلی لیکن پھر چھوڑ دیا تو عورت کو مکرر مرافعہ کا حق ہوگا ۱۲ منہ

(۲) یعنی دو ثقہ آدمیوں کے ذریعہ جس کا تذکرہ تنبیہ میں آتا ہے۔

(۳) فتاویٰ مالکیہ کی روایت ۳۶ میں جس کا حوالہ متن میں عنقریب آتا ہے یہ بات مصرح ہے کہ ایک مہینہ کی یہ مدت قاضی کے سامنے دعویٰ ثابت کرنے کے بعد ہوگی، لیکن اس روایت میں غائب شخص کے پاس حکم بھیجنے سے کوئی تعرض نہیں، اس لئے یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ یہ مدت غائب شخص کے پاس حکم بھیجنے کے بعد شروع ہوگی یا اس سے پہلے، ہم نے حکم بھیجنے کے بعد کو احوط سمجھ کر اختیار کیا ہے ۱۲ منہ

الغرض قاضی جو حکم کرے ان دونوں کی شہادت پر کرے محض خط کو کافی نہ سمجھے **وهو منصوص المذهبين الحنفي والمالكي كما صرحوا به في كتاب القاضي إلى القاضي وقال العلامة الدردير تحت قول المختصر:**

**(ولم يفد كتاب وحده) من غير شهادة على الحاكم إلى قوله فلا بد من شاهدين يشهد ان على ان هذا كتاب القاضي الفلاني وأنه أشهدهما على ما فيه" (مختصر خليل، باب في شروط القضاء وأحكامه، ج:١، ص:٢٢١ دار الحديث قاهره، والشرح الكبير للدر دير، باب في القضاء وأحكامه، ج: ٤، ص: ١٦٠، مطبوعه دار الفكر بيروت لبنان) والله أعلم.**

**فائدہ**

## غائب اگر دور دراز ممالک میں ہو تو حکم بھیجنا شرط نہیں

اگر غائب شخص کسی دور دراز ملک مین ایسی جگہ پر ہو جہاں پوری جد و جہد اور امکانی کوشش کے باوجود بھی آدمی بھیجنے کا کوئی انتظام ممکن نہ ہو تو مذکور بالا مجبوری کے وقت اس کی بھی گنجائش ہے کہ بغیر آدمی بھیجے ہوئے حاکم یا قائم مقام حاکم واقعہ کی تحقیق حسب قاعدہ مذکورہ کرنے کے بعد تفریق کا حکم کردے، **كما في الرواية العاشرة للعلامة الفاهاشم.**

## غائب اگر واپس آجائے تو کیا حکم ہے؟

(۲) اگر یہ غائب طلاق کا فیصلہ ہونے کے بعد آجائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ عدت کے اندر اندر واپس آجائے اور باقاعدہ خرچ وغیرہ دینے پر آمادہ ہو اس صورت میں تو اس کو رجعت کا حق ہے، اگر رجعت کرلے تو صحیح ہو جائے گی اور رجعت نہ کرے تو عدت کے بعد اس کے نکاح سے بالکل الگ ہو جائے گی۔

دوسری صورت یہ کہ عدت ختم ہو چکنے کے بعد واپس آیا ہو، سو اس میں تفصیل ہے کہ اگر اس نے عورت کے دعوی کے خلاف کوئی بات ثابت کردی مثلاً یہ کہ میں نے اس کو پیشگی خرچ

دے دیا تھا یا یہ کہ وہاں سے بھیجتا رہتا تھا، یا یہ کہ عورت نے نفقہ معاف (۱) کر دیا تھا، تب تو اس کو ہر حال میں عورت مل جائے گی، یعنی خواہ وہ عورت عدت کے بعد نکاح ثانی بھی کر چکی ہو حتی کہ اگر شوہر ثانی سے اولاد بھی ہو چکی ہو تب بھی شوہر اول ہی کا نکاح باقی سمجھا جائے گا، اور شوہر ثانی کا نکاح اب باطل قرار دیا جائے گا، اور اگر خاوند نے عورت کے دعوی کے خلاف کوئی بات ثابت نہ کی تو عورت اس کو نہ ملے گی، کیونکہ عدت ختم ہونے کے بعد رجعت کا حق نہیں رہتا۔ **وهذا كله مصرح في الرواية الرابعة عشر والسادسة عشر .**

اور دوسری صورت کی پہلی شق میں جب شوہر اول کو عورت ملے گی تو اس کو نہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے نہ تجدید مہر کی، البتہ اگر شوہر ثانی سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو عدت واجب ہے، یعنی عدت گذرنے سے پہلے شوہر اول کو جماع اور اس کے دواعی کا ارتکاب جائز نہیں، **كما في الرواية التاسعة والعشرين إلى الرابعة والثلاثين .**

اور شوہر ثانی کے ذمہ مہر واجب ہونے میں وہی تفصیل ہے جو مفقود کے بیان میں گذر چکی، اگر اس سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہے تو پورا واجب ہے، ورنہ بالکل ساقط ہو جاوے گا۔ **كما هو حكم سائر الفسوخ،** نیز احکام مفقود میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ عدت شوہر اول کے مکان میں گزارے گی وہاں دیکھ لیا جائے **والله أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب، وههنا تمت الرسالة. والحمد لله الهادى في كل مقالة .**

**كتبها الأحقر أشرف على عفى عنه ذنبه الخفى والجلى . بمشاركة الفاضلين الجامعين للعلم القويم والعمل المستقيم المولوى محمد شفيع والمولوى عبد الكريم شرفهما الله تعالى بالأجر العظيم في أوائل شهر ذي القعدة سنة ١٣٥١ من هجرة النبي الشفيع الكريم عليه ألف ألف صلوٰة وتسليم .**

---

(۱) المرأة إذا اسقطت النفقة من زوجها يلزمها الإسقاط عند المالكية وليس لها أن ترجع كما في الروايات الأولى ۱۲ منه

# تصـــديقــات

حضرات علمائے امداد العلوم تھانہ بھون ودار العلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور اَدام اللہ فیوضہم
جو رسالہ ہذا کی ترتیب وتہذیب وتنقیح میں شریک رہے

## تصدیقات علمائے تھانہ بھون

## مہر مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

## از امداد العلوم تھانہ بھون

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى .

وبعد: فقد طالعت هذه الرسالة الفريدة، وملأت عيني بأنوار تلك اللآلى النضيدة، فوجدتها فريدة في الباب، ودرة يتيمة أخرجت من لجة العباب.

منها الحياة لكل حق ميت   منها الممات لكل قول زور
منها البياض لكل قلب اسود   منها السواد لكل عين ضرير

ولله در شيخنا فقد بالغ في التحقيق والتنقير وبذل جهده في التسهيل على الأمة المظلومة والتيسير، جعل الله هذا السعي مشكوراً وهذا العمل مقبولاً مبروراً وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين .

كتبه أذل الخدام وأحقر الغلمان ظفر أحمد التهانوي تغمده الله بالغفران
مورخه ٢٦ /ذى الحجة / ١٣٥١ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

بعد حمد وصلوۃ گذارش ہے کہ اس رسالہ فیض مقالہ کا نہایت ضروری ہونا بھی ظاہر نیز اس کا جامع مانع اور بے حد مفید ہونا بھی محتاج بیان نہیں، اس کو سرسری نظر سے دیکھنے والا بھی بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا ایں جاست

درحقیقت امت مرحومہ کی اس اہم مشکل کا حل حضرت اقدس ہی جیسے مجمع کمالات کا محتاج تھا آپ نے جس انتہائی غور وخوض کو ایک عرصہ دراز تک اس تحقیق وتصنیف میں مبذول فرمایا ہے اس کا کچھ اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو زمانہ تالیف میں حاضری کی دولت نصیب ہوئی ہو، حضرت والا نے بارہا ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اتنی مشقت عمر بھر کسی کام میں نہیں ہوئی، حق تعالی حضرت والا دامت برکاتہم کے سایہ رحمت کو ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے آمین ثم آمین

اب اہل ضرورت سے صرف اس قدر گذارش ہے کہ رسالہ ہذا میں جو قیود وشرائط درج ہیں وہ نہایت درجہ ضروری ہیں، عمل کے وقت ان کو خوب پیش نظر رکھیں، اور پوری طرح ان کی پابندی کریں، محض ضرورت کا بہانہ لے کر اتباع ہوئی میں مبتلا نہ ہوں،

نیز ارباب فتوی کی خدمت فیض درجت میں التماس ہے کہ فتوی کے وقت تمام شرائط کو بخوبی ملحوظ رکھنا ضروری تصور فرمائیں۔

**وهو الموفق للخير و العاصم عن كل ضير .**

الملتمس ان۔ کمترین خدام کہترین غلام احقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون مؤرخہ

۲۶/ رمضان ۱۳۵۲ھ

سراج احمد غفرلہ مدرس خانقہ امدادیہ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

## تصدیقات علماء دیوبند

## مہر دارالافتاء جامعہ اسلامیہ دیوبند

## از دارالعلوم دیوبند

ہم سبھوں نے رسالہ (الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ) کو بغور وتدبر سنا، یقیناً ہمارے دیار ہندیہ میں موجودہ حالات کے ماتحت بہ جز اس کے کوئی چارہ نہیں معلوم ہوتا کہ علماء مذہب حنفی رسالہ ہذا کے مسائل مندرجہ کو معمول بہا قرار دیں، اور اسی پر فتوی دیں، قرون سابقہ میں بھی علمائے حنفیہ نے مسئلہ مفقود وغیرہ میں ضروریات وقتیہ کی بناء پر یہی طرز اختیار کیا ہے۔

حضرت مؤلف دامت برکاتہم اور ان کے معانین کی مذکورہ بالا مسائل میں مساعی بلیغہ اور انتہائی جد وجہد بے شک وبلا شبہ قابل ہزار ہا ہزار تشکر وتحسین ہیں، اللہ تعالی ان کو ہر

دوجہاں میں جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

| | |
|---|---|
| العبد ننگ اسلاف حسین غفرلہ<br>(صدر مدرس) | العبد عبد السمیع غفرلہ<br>(مدرس) |
| العبد محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ<br>(مدرس) | العبد بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ<br>(مدرس) |
| العبد احقر العباد محمد طیب<br>(مہتمم) | العبد بندہ سید محمد مبارک علی غفرلہ<br>(نائب مہتمم) |
| العبد ریاض الدین عفی عنہ<br>(مدرس) | العبد بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ<br>(مدرس حدیث) |
| العبد مسعود احمد عفا اللہ عنہ<br>نائب مفتی دارالعلوم دیوبند | العبد بندہ محمد شفیع غفرلہ خادم دارالافتاء<br>دارالعلوم دیوبند |

العبد محمد اعزاز علی امروہی

(شیخ الفقہ والادب)

۸/ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ

## تصدیقات علماء سہارنپور
## از مظاہر علوم سہارنپور
## مہر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

امابعد۔ ہم نے بامعان نظر وخوض تام اس فتوی الحیلۃ الناجزۃ کو تقریباً سوا ماہ تک مسلسل مرۃ بعد مرۃ دیکھا اور سنا، ہم یقین کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ مولانا

تھانوی دامت برکاتہم جیسے فقیہ کو جو علاوہ ظاہری و باطنی علوم کی مہارت تامہ کے احوال زمانہ ومشکلات حاضرہ سے بخوبی واقف ہیں، یقناً یہ حق حاصل ہے کہ فتوی کے لئے کسی دوسرے امام کے مذہب کو اختیار فرمالیں، کیونکہ بوقت ضرورت شدیدہ دوسرے اماموں کے مذہب کو اختیار کرنا بھی فقہ حنفی کا ایک حکم ہے، بناء علیہ گذارش ہے کہ گو حضرت اقدس کا فتوی ہم جیسوں کی تائید وتصحیح کا اصلاً محتاج نہیں، لیکن تحصیلاً للخیر والثواب ان مسائل کی تائید وتصحیح سے افتخار حاصل کرتے ہیں، حضرت اقدس دام ظلہ العالی نے اس فتوی میں جس تحقیق وتدقیق واحتیاط سے کام لیا ہے وہ منت کش بیان نہیں، ہم صمیم قلب سے جناب باری عزاسمہ میں دست بدعا ہیں کہ وہ حضرت اقدس کو بایں فیوض وبرکات تادیر مسترشدین کے رؤوس پر سلامت رکھے۔ آمین۔

ہم یقین کرتے ہیں کہ حضرت اقدس کی یہ مساعی جمیلہ تاقیامت امت مرحومہ میں مشکور رہیں گی۔

**فجزاهم الله أحسن الجزاء عنا وعن سائر المسلمين.**

| | |
|---|---|
| عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم | بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ (مدرس اول) |
| ۸/محرم ۱۳۵۲ھ | مدرسہ مظاہر علوم ۸/محرم ۱۳۵۲ھ |
| محمد زکریا (کاندھلوی) عفی عنہ | محمد اسعد اللہ عفا عنہ |
| مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور | مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور |

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً ، إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً.
(سورۃ الشرح:۵،۶)
(تو بیشک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے، بیشک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے)

ان آیات میں مذکور عُسر (تنگی) کے عموم میں شوہروں کے ظلم سے
منکوحہ عورتوں کو پہنچنے والی محسوس تکلیفیں بھی شامل ہیں
اور یُسر (آسانی) کے عموم میں اس تکلیف و پریشانی سے
نجات دینے والے شرعی احکام بھی داخل ہیں۔

یہ رسالہ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ کا تتمہ ہے۔
جس کا نام ہے

(دوسرا رسالہ)

# المختــــارات
# في
# مهمات التفريق والخيارات

یہ رسالہ حرمت مصاہرت، خیار بلوغ، خیار کفاءت
کے احکام پر مشتمل ہے۔

بقلم

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تتمہ کی تمہید

حمد وصلوۃ کے بعد عرض ہے کہ جن مسائل میں فسخ نکاح یا تفریق قاضی کی ضرورت پیش آتی ہے اور قاضی نہ ہونے کی وجہ سے دقت کا سامنا ہوتا ہے ان کے حل کے لئے رسالہ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ نہایت تحقیق وتدقیق کے ساتھ بہت سے علماء محققین کے مشورہ کے بعد لکھا گیا ہے، اور اس میں بالاتفاق یہ قرار پاچکا کہ ہندوستان میں جس جگہ قاضی شرعی موجود نہ ہو، اور کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے بھی فیصلۂ شرعی حاصل کرنا اختیار میں نہ ہو وہاں امام مالکؒ کے مذہب کے موافق جماعت مسلمین کو قائم مقام قاضی کے سمجھا جائے گا۔

اس رسالہ کی تکمیل کے بعد ضرورت محسوس کی گئی کہ اس رسالہ میں درج پانچ مسائل کے علاوہ تین صورتیں اور بھی ہیں جن میں فسخ نکاح کی ضرورت پڑتی ہے، اور قاضی نہ ہونے کی وجہ سے مشکلات پیش آتی ہیں، ان کو بھی رسالہ میں شامل کردیا جائے، تاکہ ضرورت کے سبب تمام مسائل یکجا ہوجائیں ،لیکن ان تینوں مسائل کو سب علماء مذکورین کے سامنے پیش کرنے کی نوبت نہیں آئی جس کی وجہ یہ ہے کہ سب حضرات کے سامنے پیش کرنے میں علاوہ اس کے کہ بہت تاخیر ہوجاتی ان مسائل میں زیادہ ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی کیونکہ ان میں زیادہ تر مشورہ طلب جزء جماعت مسلمین کا فیصلہ تھا جو مذہب مالکیہ سے لیا گیا ہے، اور وہ اصل رسالہ میں بمشورہ علمائے کرام طے ہوچکا ہے، اس لئے بغرض امتیاز ان تینوں مسائل کو مستقل نام سے موسوم کرکے بطور تتمہ ملحق کیا جاتا ہے، اور جماعت مسلمین کے علاوہ اس تتمہ کے باقی اجزاء اپنے مذہب کی کتب فقہ سے لئے گئے ہیں جن میں اکثر بلکہ تقریباً کل مسائل مصرح ہیں، جیسا کہ درج ہونے والی عبارتوں سے معلوم ہوگا ،صرف دو چار جگہ تصریح نہ ملنے کی باعث قواعد سے استنباط کی نوبت آئی ہے، ان میں علمائے دیوبند وسہارنپور سے مراجعت کی گئی، جہاں بالاتفاق کچھ طے ہوگیا وہاں جزم کے ساتھ مسئلہ لکھ کر

قاعدہ فقہیہ کی طرف اشارہ کردیا، ورنہ تردد یا اختلاف لکھدیا اور وہ تین مسائل یہ ہیں:

حرمت مصاہرت

خیار بلوغ

خیار کفاءت

اب ان کی بقدر ضرورت تفصیل لکھی جاتی ہے، پورے احکام بوقت ضرورت علماء کرام کتب فقہ میں ملاحظہ فرمالیں اور عوام علمائے کرام سے دریافت کرلیں۔

## حرمت مصاہرت

### تحقق حرمت کے اسباب وشرائط

اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے یا شہوت (۱) کے ساتھ اس کو صرف ہاتھ لگائے یا شہوت سے بوسہ لے یا شرم گاہ کے اندرونی حصہ کو شہوت سے دیکھ لے تو ان سب صورتوں میں حرمت مصاہرت قائم ہوجاتی ہے، یعنی اس مرد پر اس عورت کی بیٹی اور ماں وغیرہ سب اصول وفروع نسبی ورضاعی حرام ہوجاتے ہیں، اور اس عورت پر اس مرد کا بیٹا اور باپ سب اصول وفروع نسبی ورضاعی حرام ہوجاتے ہیں، اسی طرح عورت کسی مرد کو شہوت سے ہاتھ لگادے یا شہوت سے اس کا بوسہ لے لے یا عضو مخصوص پر شہوت کی نظر ڈالے تب بھی مصاہرت کا تعلق قائم ہوکر مرد پر عورت کے تمام اصول وفروع نسبی ورضاعی اور عورت پر مرد کے تمام اصول وفروع نسبی ورضاعی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتے ہیں۔

اور حرمت مصاہرت کے لئے ان افعال کا قصداً کرنا شرط نہیں، بلکہ اگر کسی سے بے خبری میں بھی کوئی فعل سرزد ہوجائے مثلاً بیوی سمجھ کر خوش دامن کو شہوت کی حالت میں ہاتھ لگادیا

---

(۱) لمس وتقبیل یعنی چھونے اور بوسہ لینے کے وقت اگر مرد کو شہوت نہ تھی مگر عورت کو ہوگئی تب بھی یہی حکم ہے، اسی طرح اگر عورت نے ہاتھ لگایا ہے یا تقبیل کی ہے تب بھی، دونوں میں سے ایک کو شہوت ہونا کافی ہے، البتہ نظر کے موجب حرمت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو دیکھے اس کو شہوت ہو، صرف دوسری طرف سے شہوت ہونا موجب حرمت نہیں ونیز لمس اور تقبیل میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ایسا کپڑا حائل نہ ہو جو بدن کی گرمی محسوس ہونے کو روک دے، پس اگر کسی نے باوجود ایسا کپڑا حائل ہونے کے کپڑے کے اوپر سے مس کیا یا بوسہ لیا تو وہ حرمت مصاہرت کا موجب نہیں نیز ایک شرط یہ بھی ہے ان افعال کی وجہ سے انزال نہ ہوگیا ہو پس اگر لمس وتقبیل ونظر وغیرہ سے انزال ہوجائے تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی ۱۲ منہ

تب بھی بیوی حرام ہوجاتی ہے،اس لئے خاوندکو بیوی کے اصول وفروع مؤنثہ سے اورعورت کو مرد کے اصول وفروع مذکرہ سے سخت احتیاط (۱)، لازم ہےان کوشہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے وغیرہ میں علاوہ معصیت شدیدہ کے یہ بڑی خرابی ہے کہ میاں بیوی میں حرمت مصاہرت کا رشتہ ہوجاتا ہے یعنی اگر خاوند سے اپنی بیوی کے مؤنث اصول یا فروع میں سے کسی کے ساتھ کوئی ایسا فعل سرزد ہوجائے یا بیوی کے مؤنث اصول وفروع میں سے کسی نے مرد کے ساتھ ایسے افعال میں سے کسی فعل کا ارتکاب کیا ہو جو حرمت مصاہرت کا موجب ہے، مثلاً شہوت کے ساتھ خوشدامن کو ہاتھ لگا دیا یا بیوی اپنے شوہر کے اصول وفروع مذکر مثلاً خسر کے ساتھ کوئی فعل موجب حرمت مصاہرت کر بیٹھے یا خسر وغیرہ نے اس قسم کے فعل کا ارتکاب کیا ہوتو ان سب صورتوں میں بیوی اس خاوند پر ہمیشہ کیلئے حرام ہوجاتی ہے،خواہ یہ افعال کسی نے دانستہ کئے ہوں،خواہ بھول چوک میں ہوگئے ہوں، ہر حال میں ایک ہی حکم ہے،جیسا کہ ابھی گذر چکا۔

اگر کوئی واقعہ ایسا ہوجائے تو عورت کو بھی لازم ہے کہ اپنے خاوند کے پاس ہرگز نہ رہے،اور مرد کے ذمہ بھی واجب ہے کہ فوراًاس عورت کو الگ کردے اور زبان سے بھی علیحدگی کو ظاہر کردے مثلاً یوں کہہ دے: میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، یا یوں کہدے: میں نے تجھ کو طلاق دیدی اوراس کہنے کے بعد عدت گذرنے پر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے۔

لیکن اگر خاوند بد دینی اختیار کرے،اورعورت کو الگ نہ کرے تو جس طرح ممکن ہو عورت کواس کے پاس سے چلا جانا نہایت ضروری ہے، کیونکہ اس کے ساتھ میاں بیوی کا تعلق رکھنا حرام ہو چکا،مگر جب تک خاوند زبان (۲) سے نہ کہدے کہ میں نے الگ کردیا، یا قاضی تفریق نہ کردے،

(۱) یعنی نہ ایسی حرکات شنیعہ کا قصداً ارتکاب کرے نہ ایسا کوئی کام کرے جس میں کوئی احتمال ہو،مثلاً جس کمرہ مین بیوی لیٹی ہے اگر وہاں دوسری مستورات بھی ہیں تو جب تک اس کو جگا کر اور بات چیت کرکے پورا یقین نہ ہوجائے کہ یہ بیوی ہے اس وقت تک ہاتھ ہرگز نہ لگائے، پلنگ معین ہونے وغیرہ کو ہرگز کافی نہ سمجھے کہ اس میں بعض مرتبہ غلطی ہوجاتی ہے ۱۲ منہ

(۲) وأما ما ذكر في عدة رد المحتار ومثله في البحر من أن المتاركة كما تكون من الزوج كذلك تكون من الزوجة فهو مختص بما إذا كانت الحرمة أصلية لا طارية كما إذا نكحت المرأة بمن ثبتت حرمة المصاهرة أوالرضاع قبل النكاح فيجب على كل من الزوجين فسخه وكل واحد منهما مستقل في هذه المتاركة ولا كذلك في الحرمة الطارية بعد النكاح فإن المتاركة فيه لا يتحقق إلا من الزوج أو بتفريق القاضي وهو صورة الجمع بين القولين وبه يرتفع الخلاف بين كلام البحر والنهر المذكور في الشامية والله أعلم ۱۲ منه

اس وقت تک دوسری جگہ بھی اس عورت کا نکاح درست نہیں ہو سکتا، جیسا کہ درمختار میں ہے۔

(و)حرم أيضا بالصهرية (أصل مزنيته ) إراد بالزنا الوطئ الحرام (و) أصل (ممسوسته بشهوة) ولو لشعر على الرأس بحائل لا يمنع الحرارة (و) أصل ماسته وناظرة إلى ذكره،( ١) و(المنظور إلى فرجها) ( المدور الداخل ولو) نظره ( من زجاج أوماء هي فيه).

وقال الشامى: تحت قوله" وحرم أيضا الخ" قال: في البحر أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع، حرمة المرأة على أصول الزانى وفروعه نسباً ورضاعا وحرمة أصولها وفروعها على الزانى نسبا ورضاعا كما في الوطئ الحلال" الخ (ص ٤٥٧ ج٢)

وقال تحت قوله (مطلقاً)يرجع إلى الأصول والفروع أى وإن علون وإن سفلن (ص ٢٥٩).

وفي الدر أيضا بعد ورقتين

" وتكفى الشهوة من أحدهما" وقال الشامى:" هذا يظهر في المس أما في النظر فتعتبر الشهوة من الناظر" وفيه أيضاً وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة"

وفي رد المحتار تحت قوله (إلا بعد المتاركة) "أى وأن مضى عليها سنون" كما في البزازية وعبارة الحاوى: إلا بعد تفريق القاضى أو المتاركة" وقد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد وقد صرحوا في النكاح الفاسد أن المتاركة لا يتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولا بها كتركتك أوخليت سبيلك وأما غير المدخول بها فقيل تكون بالقول وبالترك على قصد عدم العود إليها، (٢) وقيل لا تكون إلا بالقول فيهما" الخ (رد المحتار شرح در مختار، فصل في المحرمات،

---

(١) والنظر إلى الانثيين لا يوجب حرمة المصاهرة كما لا يخفى ، ولكن لم نر من تعرض لهذا ١٢ منه

(٢) وظاهر أن القصد لا يعلم الا بقول الزوج فلا ثمرة لهذا الاختلاف فى حق المرأة فيما اعلم وان ظهر للاختلاف ثمرة فى صورة ما فالاحوط أن يؤخذ قول من اشترط المتاركة بالقول خصوصا فى الفساد الطارى ١٢منه

**کتاب النکاح، ج:۳، ص:۳۷) مطبع دار الفکر بیروت.**

پس اگر عورت دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو قاضی کے پاس نالش (مقدمہ دائر) کرکے تفریق کا حکم حاصل کرے، اور جس علاقہ میں قاضی نہ ہو وہاں اگر کوئی مسلمان حاکم حکومت وقت کی جانب سے ایسے معاملات میں تفریق کا اختیار رکھتا ہو تو اس کے پاس مقدمہ پیش کرے ورنہ مسلک مالکیہ کے مطابق جماعت مسلمین سے رجوع کیا جائے، اور جماعت مسلمین (۱) کا مفصل بیان اصل رسالہ کے جزء دوم کے مقدمہ میں گذر چکا ہے، اس سب کو غور کے ساتھ دیکھ لینا نہایت ضروری ہے۔

## فیصلہ کا طریقہ

جب عورت دعویٰ کرے کہ میرے اور خاوند کے اصول وفروع میں سے فلاں مرد کے

---

(۱) اصل رسالہ کے دیباچہ میں حاشیہ پر یہ مضمون واضح ہو چکا ہے کہ جب دو عمل جداگانہ ہوں تو تلفیق جائز ہے مگر حضرت والا نے مزید احتیاط کے لئے اصل رسالہ میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں لیا جس میں تلفیق خارق اجماع لازم آجائے اور تتمہ کے تین مسئلوں میں سے بھی دو مسئلوں میں اس کی رعایت موجود ہے مگر صرف اس ایک مسئلہ یعنی حرمت مصاہرت میں جماعت مسلمین کا فیصلہ ایسا ہے جس میں بظاہر تلفیق خارق اجماع لازم آتی ہے یعنی مذہب حنفیہ میں تو جماعت مسلمین کا فیصلہ معتبر نہیں اور مالکیہ کے مشہور ومختار مذہب کی بناء پر بعض خاص صورتوں میں مس بالشہوۃ وغیرہ سے حرمت مصاہرت متعلق نہیں ہوتی گو بعض صورتوں میں قول معتمد ومشہور کے موافق اور بعض میں قول غیر مشہور کے موافق ان کے نزدیک بھی حرمت مصاہرت متعلق ہو جاتی ہے۔ **کما في مختصر الخليل وشرحه للدردير: وفي نشر حرمة الزنا خلاف، المعتمد منه عدم نشره الحرمة (إلى قوله) وإن حاول زوج تلذذا بزوجته فالتلذذ بابنتها منه أو من غيرها ظانا أنها زوجته بوطئه أو مقدمة فتردد في تحريم زوجته عليه وهو المرتضى وعدمه ۲۹۶ ج ۱)** غرض بعض صورتوں میں جماعت مسلمین کے ذریعہ بوجہ حرمت مصاہرت تفریق کرانے میں تلفیق کا شبہ ہوگا، لیکن ہم ان کو عمل واحد خیال نہیں کرتے بلکہ جماعت مسلمین کو قاضی کے حکم میں سمجھنا ایک مستقل مسئلہ ہے اور حرمت مصاہرت کو تفریق کا سبب کہنا دوسرا مستقل مسئلہ ہے جیسے وضو جداگانہ عمل ہے اور نماز جدا، اور توضیح اس کی اصل رسالہ کے دیباچہ میں حاشیہ پر کردی گئی ہے پس تلفیق کی یہ صورت ہمارے نزدیک جائز ہے جس کی تائید علامہ محمد بن علی بیضاوی مفتی مالکیہ کے فتوی کی روایت (۳۷) سے بھی ہوتی ہے تاہم عمل کے وقت احتیاط یہ ہے کہ عمل کرنے والا جواز تلفیق کے بارے میں کسی اپنے معتقد فیہ عالم محقق سے رجوع کرکے ان کے فتوی پر عمل کرے واللہ اعلم ۱۲ منہ

درمیان یا خاوند اور میرے اصول وفروع میں سے فلاں عورت کے درمیان ایسا ایسا (۱) واقعہ پیش آیا ہے جو حرمت مصاہرت کا موجب ہے، لہٰذا مجھ کو میرے خاوند سے الگ کر دیا جائے، تو قاضی یا اس کے قائم مقام اولا شوہر سے بیان لے، اگر اس نے عورت کے بیان کی تصدیق کر دی تب تو تفریق کا حکم کر دیا جائے، اگر خاوند نے اس دعوی کی تصدیق نہ کی تو عورت سے گواہ طلب کئے جائیں، اگر گواہ پیش نہ ہوں یا ان میں شرائط شہادت موجود نہ ہوں تو خاوند سے حلف لیا جائے، اگر وہ حلف کر لے تو مقدمہ (۲) خارج کر دیا جائے یعنی نہ تفریق کی جائے اور نہ حکم کیا جائے کہ عورت بدستور شوہر کے ساتھ رہے، اور اگر قاضی نے عورت کو اس کی زوجیت میں رہنے کا حکم دے دیا تو اس کا حکم مسئلہ دوم میں عنقریب آتا ہے، اور اگر وہ حلف سے انکار کر دے تو تفریق کر دی جائے۔

## حلف وتصدیق اور شہادت کے متعلق ضروری توضیح

اگر دعوی خاوند کے فعل پر ہو مثلاً یہ کہ اس نے زوجہ کے اصول وفروع میں سے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ پکڑا ہے (۳) تب تو خاوند سے حلف اس بات پر لیا جائے کہ اس نے یہ فعل ہرگز نہیں کیا یا شہوت کے ساتھ نہیں کیا، اور اگر دوسرے کے فعل پر دعوی تھا مثلاً عورت یوں کہے کہ مجھے خسر نے شہوت کے ساتھ پکڑا ہے تو خاوند سے اس طرح حلف لیا جائے گا کہ خدا کی قسم میرا

---

(۱) ایک بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ اگر واقعہ زنا کا پیش آیا ہو تو دعوی میں زنا کو صراحۃ ظاہر نہ کیا جائے کیونکہ زنا کے دعوی پر چار گواہ پیش نہ ہو سکے تو حد قذف کا اندیشہ ہے، بلکہ صرف مباشرت فاحشہ وغیرہ کو بیان کرے، یعنی یہ کہے کہ شرمگاہ کو شرمگاہ سے بغیر حائل ملایا گیا ہے ۱۲ منہ

(۲) اور اس صورت میں اس شوہر کے ساتھ رہنا اور اپنے نفس پر قدرت دینا جائز ہے یا نہیں اس کا حکم عنقریب مسئلہ دوم میں آتا ہے۔

(۳) ثبوت حرمت کے لئے پکڑنا اور ہاتھ لگانا وہی معتبر ہوگا جس کی تفصیل ص ۸۰ کے حاشیہ میں گذر چکی ہے مطلقاً پکڑنا یا ہاتھ لگانا معتبر نہیں ۱۲ منہ

زیادہ تر (۱) خیال یہ ہے کہ عورت اس دعوی میں سچی نہیں، اور اس واقعہ کا ہونا یا شہوت کے ساتھ ہونا میرے دل کو نہیں لگتا۔

اور گواہی میں یہ تفصیل ہے کہ دہن اور رخسار پر بوسہ دینے اور شرم گاہ یا عضو مخصوص چھونے اور پستان چھونے کے دعوے میں تو صرف ان افعال کی شہادت دینے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، شہوت کا انکار نہ سنا جائے گا، اور تفریق کا حکم کر دینا لازم ہوگا، اور پیشانی یا سر وغیرہ پر بوسہ دینے اور باقی بدن چھونے میں اگر یہ شہادت ہو کہ یہ افعال شہوت کے ساتھ ہوئے تھے، (اور اس کا علم قرائن سے دونوں گواہوں کو ہوسکتا ہے) تو اس گواہی سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی ورنہ صرف افعال پر شہادت دینا کالعدم ہے، اس کی بناء پر تفریق کا حکم نہ کیا جائے گا، بلکہ خاوند سے حلف لیا جائے کہ یہ افعال شہوت سے نہیں تھے، اگر حلف کر لے تو خیر (۲) ورنہ تفریق کا حکم کر دیں گے۔

وذلک كله لما في الدر (وإن أدعت الشهوة )في تقبيله أو تقبيلها ابنه (وأنكرها الرجل فهو مصدق ) لا هي (إلا أن يقوم إليها منتشراً آلته (فيعا نقها) لقرينة كذبه أو ياخذ ثديها أو يركب معها أويمسها على الفرج أويقبلها على الفم قاله الحدادى.

وفي الفتح يترأى الحاق الخدين بالفم إلى أن قال" وتقبل الشهادة على الإقرار باللمس والتقبيل عن شهوة وكذا ) تقبل(على نفس اللمس والتقبيل) والنظر إلى ذكره أو فرجها( عن شهوة في المختار) تجنيس لأن الشهوة مما يوقف عليها في الجملة بانتشار وآثار . (الدر المحتار مع رد المحتار، ج:۳، ص:۳۷، كتاب النكاح فصل في المحرمات مطبع دارالفكر بيروت ۱۳۹۹ هجـ ۱۹۷۹م.

وفي رد المحتار (قوله وإن ادعت ) أى ادعت الزوجة أنه قبّل أحد

(۱) شامی وغیرہ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ غلبہ ظن اور اکبر رای کی نفی پر حلف کر لینا کافی ہے ہمارے محاورہ میں یہ الفاظ اس کا ترجمہ ہے اگر کسی جگہ کا عرف اس کے خلاف ہو تو اہل عرف سے تحقیق کر کے وہاں کے مناسب الفاظ تجویز کر لئے جائیں ۱۲ منہ

(۲) یعنی اس صورت میں قاضی تفریق نہ کرے گا یہ دوسرے بات ہے کہ عورت کے لئے اپنے اوپر قابو دینا جائز نہ ہو جب کہ دعویٰ فی نفسہ صحیح ہو جیسا کہ مسئلہ دوم میں آتا ہے

**أصـولهـا أوفروعها بشهوة أوأن أحد أصولها أوفروعها قبّله بشهوة فهو مصدر مـضـاف إلـى فاعله أو مفعوله وكذا قوله "تقبيله ابنه" قوله (فهو مصدق) لأنه يـنـكـر ثبـوت الـحرمة، والقول للمنكر (رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ج:۳، ص:۳۷، مطبع دارالفكر بيروت ۱۳۹۹ هجـ ۱۹۷۹م.**

**وأما توجيه اليمين على الزوج فظاهر للقاعدة المقررة من أن قول الـمـنـكـر إنما يعتبر مع اليمين ونص عليه الفقهاء في باب الرضاع، وحرمة الـمـصـاهرة نـظيـر حـرمة الـرضـاع، وأمـا الـفاظ اليمين فما خوذة مما في الشامية عن الفتح.**

**قال في الفتح: وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها، ويقع في أكبـر رأيـه صـدقهـا، وعـلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لا تحرم على ابيه وابنه إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقه ثم رأيت عن أبي يوسفؒ مايفيد ذلک" (شامي حوالۂ سابق، ص:۳۳.**

## ایک ضروری فائدہ

یہ تو ظاہر ہے کہ حرمت مصاہرت جن واقعات سے ثابت ہوتی ہے ان میں میاں بیوی میں سے کسی ایک کے ساتھ ایک اور کی شرکت بھی ہے، اور واقعہ کی صحت وعدم صحت و نیز شہوت کے وجود وعدم وجود کا اس کو بھی علم ہوتا ہے، لیکن باوجود سعی بسیار کہیں یہ جزئیہ نہیں ملا کہ مقدمہ میں اس سے بیان لیا جائے گا، یا نہیں اور اگر اس کا بیان ہو تو وہ کیا حیثیت رکھتا ہے، لیکن قواعد میں غور وخوض کے بعد رجحان اس طرف ہوا ہے کہ وہ مدعا علیہ نہیں، اس واسطے اس کو مدعا علیہ بنا کر بیان پر مجبور نہ کیا جائے، بلکہ اس کو ایک شاہد سمجھا جائے **(لأن الأخبـار بـحق الغير عـلـى الـغير ليس باقرار بل هو شهادة، والاقرار اخبار بحق عليه للغير كما هو مصرح في كتب الفقه).**

اور اس کی شہادت معتبر ہونے نہ ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ شخص اپنے دوسرے افعال واقوال کے اعتبار سے عادل ہو اور اس واقعہ میں بھی کسی ایسے فعل کا اقرار نہیں ہے جو عدالت ساقط کرنے والا ہو (مثلاً وطی بالشبہ وغیرہ کا بیان دے) تب تو اس کی شہادت مقبول

ہونے میں کچھ شبہ نہیں، اور اگر کوئی ایسا فعل بیان کرے جس سے اس کا فسق ثابت ہوتا ہو تو اس کی یہ شہادت معتبر ہوگی یا نہیں، اس میں کئی وجوہ سے تردد ہے، بوقت ضرورت کتب مذہب اور علماء سے تحقیق کر لی جائے۔

البتہ اگر یہ مرد ہو تو اس نے جو شہادت دی ہے وہ خود اس کے حق میں اقرار ہے، اگر آئندہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جو اس عورت کے اصول وفروع میں سے ہو یا پہلے سے کوئی ایسی عورت اس کے نکاح میں ہو تو اپنے اقرار کی وجہ سے ماخوذ ہوگا۔ **کما لا یخفی، واللہ اعلم بالصواب۔**

## مسئلہ اوّل

اگر خاوند کو غالب گمان ہو کہ ایسا واقعہ ضرور ہوا ہے جس سے حرمت مصاہرت متحقق ہوگئی، تو اس کو انکار کرنا حرام ہے، اگر اس نے جھوٹا حلف کر لیا اور اس پر قاضی نے فیصلہ کر دیا، تو اس کی تفصیل عنقریب مسئلہ دوم میں آتی ہے۔

## مسئلہ دوم

اگر عورت کا دعوی صحیح تھا مگر معتبر شہادت پیش نہ ہو سکی اور خاوند نے حلف کر لیا اس واسطے قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا، یعنی نہ تفریق کی اور نہ زوجیت میں رہنے کا حکم دیا تو اس عورت کے لئے جائز نہیں کہ اپنے اختیار سے شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دے، بلکہ خلع وغیرہ کے ذریعہ اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرے، اور اگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہو تو جب تک اپنا بس چلے اس شوہر کو پاس نہ آنے دے، **کما صرح بہ فی الدر المختار وغیرہ فیمن سمعت من زوجھا الطلاق الثلث ولا بینۃ لھا۔**

اور اگر قاضی نے عورت کا دعوی رد کرنے کے ساتھ یہ حکم بھی کر دیا کہ بدستور اس شوہر کی زوجیت میں رہے تو اس صورت میں عورت کو تمکین جائز ہے یا نہیں اس کے متعلق نہ تو کوئی جزئیہ ملا اور نہ قواعد سے کچھ احقر کی فہم ناقص میں آیا، اور خود غور خوض وتلاش کے بعد جب مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند سے مکالمت پر بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم سے مراجعت کی، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قواعد سے صاف واضح ہے کہ اس

صورت میں بھی عورت کو تمکین جائز نہیں، کیونکہ یہ حکم نہ عقد کے متعلق ہے نہ فسخ کے، جن میں امام صاحب کے نزدیک قضاء قاضی باطناً بھی نافذ ہوجاتی ہے، بلکہ یہ حکم ایسا ہے جیسا کہ املاک مرسلہ کا حکم شہادت زور کی بناء پر، اور اس حکم سے کسی کے نزدیک بھی باطناً ملک ثابت نہیں ہوتی نیز یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ کو اس میں شرح صدر ہے، کچھ تردد نہیں اور مفتی صاحب موصوف نے بھی اس میں موافقت فرمائی، مگر احقر کو ہنوز شرح صدر نہیں ہوا، **ولعل اللہ یحدث بعد ذلک أمرا** ہاں یہ ظاہر ہے کہ جب تک کسی جزئیہ سے یا قواعد سے شرح صدر کے ساتھ جواز تمکین ثابت نہ ہو اس وقت تک حضرت والا کے ارشاد پر عمل واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

# خیار بلوغ

## باپ دادا کے کیے ہوئے نکاح کا لازم ہونا اور اس کے شرائط

نابالغ لڑکے اور لڑکی کا سب سے مقدم ولی باپ (۱) ہے، اگر باپ نابالغ کا نکاح کردے تو وہ نکاح لازم ہو جاتا ہے، یعنی بلوغ کے بعد بھی لڑکے لڑکی کو اسے فسخ کرانے کا اختیار نہیں رہتا، خواہ کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو (۲) میں، اور مہر مثل مقرر رہا ہو یا مہر میں غبن فاحش کیا ہو (غبن فاحش لڑکی کے بارہ میں تو یہ ہے کہ اس کے مہر مثل سے اتنی کمی کردی ہو جتنی کمی عموماً گوارا نہیں ہوسکتی، اور لڑکے کے بارہ میں یہ ہے کہ اس کا نکاح جس لڑکی سے ہوا ہے اس لڑکی کے مہر مثل سے اتنا زیادہ مقرر کیا ہو کہ اس زیادتی کو عموماً ناگوار سمجھا جاتا ہو) مگر غیر کفو کے ساتھ اور غبن فاحش پر نکاح کی صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ (۳)

**پہلی شرط:** یہ کہ وہ شخص نکاح کرنے کے وقت ہوش وحواس سالم رکھتا ہو، پس اگر نشہ کی حالت میں ایسا کیا تو نکاح بالکل ہی باطل ہے۔

**دوسری شرط:** یہ ہے کہ معروف بسوء الاختیار نہ ہو، یعنی اس کے قبل کوئی ایسا واقعہ نہ ہوا ہو جس کی بناء پر عموماً خیال ہو جائے کہ یہ شخص معاملات میں لالچ وغیرہ کی وجہ سے مصلحت اور انجام بینی کو مد نظر نہیں رکھتا، پس اگر کوئی شخص لالچ یا ناعاقبت اندیشی کے سبب بدتدبیری میں

---

(۱) اگر کوئی بااولاد عورت یا مرد مجنون ہو جائے تو اس کا سب سے مقدم ولی بیٹا ہے اور بیٹے کا کیا ہوا نکاح سب احکام میں اسی نکاح کے برابر ہے جو باپ نے کیا ہو ۱۲ منہ

(۲) یہ حکم جب ہے کہ جب کہ نکاح کرنے کے وقت باپ کو غیر کفو ہونے کا علم ہو اور اگر اس نے زوج یا ولی وغیرہ کے بیان کی بناء پر کفو سمجھ کر کیا تھا اور بعد میں ثابت ہوا کہ کفو نہیں تو اس کا حکم کفاءت میں معلوم ہوگا ۱۲ منہ

(۳) اگر باپ دادا خود نکاح پڑھا دیں تب بھی یہی حکم ہے، اور اگر مقدار مہر معین کر کے کسی معین شخص سے نکاح پڑھانے کے لئے کسی کو وکیل بنادیا ہے تو بھی یہی حکم ہے، لیکن اگر کسی شخص کو مہر کی مقدار اور شوہر کی تعین کئے بغیر ہی وکیل بنادیا کہ میری لڑکی کا کسی جگہ نکاح کردو تو اس وکیل کو غیر کفو سے اور غبن فاحش پر نکاح کرنے کا اختیار نہیں، اگر کردیا تو باطل ہے۔

مشہور ومعروف ہو وہ اگر نابالغ بیٹے یا بیٹی کا نکاح غیر کفو سے کردے یا مہر میں غبن فاحش کرے تو وہ نکاح بھی بالکل باطل ہے۔

اور جو شخص فاسق متہتک (یعنی بے باک اور بے غیرت) ہو وہ بھی سیئ الاختیار کے حکم میں ہے، **كما في أوائل باب الولي من الدر المختار مع الشامي ( ما نصه: وحاصله أن الفسق وإن كان لا يسلب الأهلية عندنا، لكن إذا كان الأب متهتكا لا ينفذ تزويجه إلا بشرط المصلحة، ومثله ما سيأتي من قول المصنف: ولزم ولو بغبن فاحش أو بغير كفوء إن كان الولي أبا أو جدا لم يعرف منهما سوء الاختيار ومن عرف لا، (شامي، ج: ۳، ص: ۵۴، باب الولي، كتاب النكاح، مطبع دارالفكر بيروت ۱۳۹۹ هجـ ۱۹۷۹م،** اس کو خوب یادرکھیں اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں، اوران دونوں شرطوں کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے نکاح کیا ہے اس وقت اس کی ظاہری حالت سے کم ازکم خیر خواہی کی توقع ہوسکتی ہو۔

## باپ دادا کے سوا دوسرے اولیاء کا حکم

اور جب باپ نہ ہو تو دادا ولی ہوتا ہے، اور دادا جو نکاح کردے اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو باپ کے متعلق گذر چکی یعنی مذکورہ دو شرطیں اگر پائی جائیں تب تو نکاح لازم ہوجاتا ہے ورنہ بالکل باطل ہے

اور دادا کے بعد بھائی چچا وغیرہ کو بالترتیب (۱) حق ولایت پہنچتا ہے، مگر وہ باپ دادا کے برابر نہیں، بلکہ ان کا جدا حکم ہے یعنی اگر باپ دادا کے سوا کوئی دوسرا ولی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا غیر کفو میں نکاح کردے یا مہر غبن فاحش کے ساتھ مقرر کردے تب تو نکاح بالکل ہی نہیں ہوتا، خواہ اس نے نہایت ہی خیر خواہی سے ایسا کیا ہو۔

## خیار بلوغ حاصل ہونے کی صورت

اور اگر کفو کے ساتھ مہر مثل پر کیا ہو تو اس وقت نکاح صحیح تو ہوجاتا ہے لیکن لازم نہیں

(۱) شریعت نے خاص ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے ولایت کا حق بہت لوگوں کو دیا ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں سے معلوم ہوسکتی ہے۔

ہوتا، یعنی لڑکے لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار ہوتا ہے کہ اس نکاح کو باقی رکھیں یا فسخ کرالیں، جس کی شرط ابھی آتی ہے، اور اس اختیار کو خیار بلوغ کہا جاتا ہے۔

اور خیار بلوغ میں نکاح فسخ ہونے کے لئے قضائے قاضی ہر حال (۱) میں شرط ہے قاضی کے فیصلہ کے بغیر کسی حال میں نکاح فسخ نہیں ہوسکتا۔

اور جہاں قاضی نہ ہو وہاں مسلمان حاکم یا پنچایت علی الترتیب فسخ کرسکتی ہے، **كما مر مراراً مع الشرائط في أصل الرسالة .**

## ضروری تنبیہ

بالغ ہونے پر فسخ نکاح کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس میں اس امر کا خیال رکھنا بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ کب تک باقی رہتا ہے، اور کس کس وجہ سے نکاح لازم ہو کر فسخ کا اختیار باطل ہوجاتا ہے، لہذا اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے تاکہ عمل کے وقت اس کا خاص طور پر دھیان رکھا جائے۔

## خیار بلوغ باقی رہنے کی شرط اور اس کی تفصیل

تفصیل یہ ہے کہ جو لڑکی بالغ ہونے پر نکاح تڑوانا چاہتی ہے اگر وہ باکرہ (۲) ہو تو اس کو اختیار فسخ حاصل ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس وقت (۳) آثار بلوغ ظاہر ہوں اسی وقت فوراً بلا کسی تاخیر کے زبان سے یہ کہدے کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں، چاہے اس وقت کوئی اس

---

(۱) یعنی چاہے لڑکا بالغ ہو کر فسخ کا خواہاں ہو یا لڑکی ۱۲ منہ

(۲) باکرہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ نہ اس خاوند سے ہمبستری کی نوبت آئی ہو نہ اس سے قبل کسی اور خاوند سے ۱۲ منہ

(۳) یہ جب ہے کہ پندرہ سال سے قبل آثار بلوغ ظاہر ہوجائیں ورنہ جس وقت پورے پندرہ سال کی عمر ہوجائے اس وقت کا اعتبار ہوگا مثلاً کوئی لڑکی رمضان ۴۰ھ کی ۷ تاریخ کو عین طلوع آفتاب کے وقت پیدا ہوئی اور رمضان ۵۵ھ تک کوئی علامت بلوغ کی نہ پائی گئی تو ۷ رمضان ۵۵ھ کو ٹھیک طلوع آفتاب کے وقت اس کو شرعاً بالغ سمجھا جائے گا، پس اگر اس باکرہ نے اسی وقت فوراً زبان سے نکاح فسخ کردیا تو اس کا اعتبار ہوگا ورنہ اگر ذرا بھی تاخیر کی تو خیار بلوغ باطل ہوگیا اور اسی طرح ثیبہ نے یا لڑکے نے وقت مذکور کے بعد قولاً یا فعلاً رضامندی ظاہر کردی تو نکاح لازم ہوجائے گا اور یہ بھی یاد رکھیں کہ عمر کا حساب قمری سال سے کیا جائے، انگریزی وغیرہ کا اعتبار نہیں **واعتبار البلوغ بالسن في هذا الباب لم نره صريحا ولكن لفظ البلوغ في عبارة الفقهاء مطلق فيندرج فيه جميع صور البلوغ والله أعلم ۱۲ منه**

کے پاس موجود ہو یا نہ ہو ہر حال میں فوراً زبان سے کہنا شرط ہے، البتہ اگر کھانسی یا چھینک وغیرہ کی وجہ سے فوراً بولنے کی قدرت نہ ہوئی یا کسی نے جبراً منہ بند کر دیا ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے جو تاخیر ہو جائے اس کے باعث خیار فسخ باطل نہیں ہوتا، بشرطیکہ مجبوری رفع ہوتے ہی فوراً کہہ دیا ہو، اور بغیر کسی مجبوری کے اگر زبان سے کہنے میں ذرا بھی دیر کی تو یہ اختیار باطل ہو گیا، اور فسخ کرانا جائز نہ رہا، اگر غلط بیانی کر کے فسخ کرا لے گی تو سخت گنہگار ہوگی۔ **ولكن إن احتالت للفسخ ينفذ القضاء ظاهراً و باطناً، عند الإمام رحمه الله تعالى والله أعلم.**

نیز باکرہ کو اس کی بھی ضرورت ہے کہ زبان سے کہنے پر کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لے، تاکہ قاضی وغیرہ کے پاس معاملہ پیش ہونے پر کام آئیں، اور گواہ بنانے کا تفصیلی حکم روایات فقہیہ کے بعد بعنوان فائدہ موعودہ آئے گا، اس کو ضرور دیکھ لیا جائے۔

اور اگر وہ لڑکی ثیبہ (۱) ہے تو پھر اس کو فوراً کہنا ضروری نہیں، بلکہ جب تک رضامند نہ ہو گی اس وقت تک منظور رکھنے نہ رکھنے کا اختیار باقی رہتا ہے، چاہے کتنا ہی زمانہ گذر جائے صرف خاموش رہنے کی وجہ سے ثیبہ کا خیار بلوغ باطل نہیں ہوتا، البتہ اگر بعد بلوغ زبان سے کہدے گی کہ یہ نکاح منظور ہے یا کوئی کام (۲) ایسا کرے گی جس سے رضامندی پائی جائے تو اختیار باطل ہو جائے گا، اور پھر ثیبہ کو نامنظوری پر گواہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ اس کو صرف یہ دعوی کرنا کافی ہے کہ میں ثیبہ ہوں، اور بالغ ہو چکی ہوں، اب اس نکاح کو فسخ کرانا چاہتی ہوں اور لڑکے کا حکم بھی یہی ہے جو ثیبہ کا ہے یعنی بالغ ہوتے ہی فوراً زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ جب تک قولاً یا فعلاً منظور (۳) نہ کرے اس وقت تک اختیار باقی رہتا ہے، پس اگر کسی لڑکے یا ثیبہ لڑکی نے بعد بلوغ ایک مرتبہ بھی زبان سے کہہ دیا کہ یہ نکاح منظور ہے تو اب فسخ کا مطالبہ حرام ہے، خواہ اس منظوری کو بالکل تنہائی میں یا آہستہ کہنے کی وجہ سے کسی اور نے سنا بھی نہ ہو، اسی طرح اگر بلوغ کے بعد تقبیل وغیرہ کی نوبت آئی ہو، تب بھی خیار فسخ نہیں رہتا، نیز دعوی کی

---

(۱) ثیبہ وہ ہے جس سے ہمبستری ہو چکی ہو خواہ اس خاوند سے یا اس سے پہلے کسی اور خاوند سے، **والموطوءة بالشبهة أو النكاح الفاسد والتي حدت بالزنا أو تكرر زناها وشاع بين الناس ثيبة أيضا كما في الدر المختار باب الولي تفسير البكر ۱۲ منه**

(۲) مثلاً خاوند نے اس کی رضامندی سے بوسہ وغیرہ لے لیا یا ہم بستری کر لی ۱۲ منہ

(۳) فعلاً منظور کرنے سے مراد وطی یا اس کے دواعی وغیرہ ہیں ۱۲ منہ

صورت بھی لڑکے کے واسطے وہی ہے جو ثیبہ کے لئے ابھی گذر چکی۔

اور یہ سب تفصیل جب ہے جب کہ بلوغ سے پہلے ان کو نکاح کی اطلاع ہو چکی ہو، اور اگر کسی کو بلوغ سے پہلے نکاح کی خبر ہی نہ ہوئی ہو تو جب خبر ملے تب خیار بلوغ حاصل ہوگا، اور لڑکی لڑکے کے واسطے اختیار باقی رہنے نہ رہنے کی جو تفصیل ابھی گذری ہے اس سب کا لحاظ خبر ملنے کے وقت سے کیا جائے گا۔

وهـذه المسـائـل كـلهـا في الدر المختار مع حاشيته للعلامة الشامي رحمه الله تعالى حيث قال صاحب الدر

(ولـزم الـنـكـاح ولـو بـغبـن فاحش )بنقص مهر ها وزيادة مهره (أو) زوجها (بغير كفؤ إن كان الولي ) المزوج بنفسه بغبن (أباً او جداً) وكذا المولى وابن المجنونة (لم يعرف منهما سوء الاختيار) مجانة وفسقاً (وإن عرف لا ) يصح اتفاقاً وكذا لو سكران الخ"(در مختار)

وفي رد المحتار تحت قوله ( بغبن فاحش) هو ما لا يتغابن الناس فيه أي لا يتحملون الغبن فيه احترازاً عن الغبن اليسير، وهو ما يتغابنون فيه أي يتحملونه قال في الجوهرة: والذي ( [۱] ) يتغابن فيه الناس ما دون نصف المهر، قاله شيخنا موفق الدين، وقيل مادون العشر ".

قوله (بغير كفوء) بأن زوج([۲]) ابنه أمة أو بنته عبدا الخ"

وقوله (بنفسه) احترزبه عما إذا وكل وكيلا بتزويجهما وسيأتي بيانه قريبا قوله ( بغبن ) كان عليه أن يقول أو بغير كفوء ولو قال المزوج بنفسه على الوجه المذكور كما قال في المنح لسلم من هذا .

قوله(وابن المجنونة ) ومثلها المجنون قال في البحر المجنون والمجنونة إذا زوجهما الابن ثم افاقا لاخيارلهما .

---

( ۱ )وفي حاشية البحر للعلامة الشامي أن الأقرب القول الثاني ص ۱۳۶ ج ۳ قلت لعل الاختلاف لاختلاف الزمان أو المكان فالأولى أن لا يقدر بل ينظر إلى العرف والله أعلم ۱۲ منه

( ۲ )هـذا يدل على أن الكفاءة معتبرة في نكاح كل من الصغير والصغيرة كما حققه العلامة الشامي ۱۲ منه

وقوله (لم يعرف منهما الخ)اى من الاب والجد وينبغى أن يكون الابن كذلك.
وقوله (مجاناً وفسقاً) وفي شرح المجمع حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده(١) إجماعا" (رد المحتار، ج:٣، ص:٦٧، مطبع دارالفكر بيروت ١٣٩٩ هجـ ١٩٧٩م

ثم قال (وإن كان المزوج غيرهما )أى غير الأب وأبيه ولوالأم أو القاضى أو وكيل الأب لكن في النهر بحثا لوعين لوكيله القدر صح (لا يصح) النكاح (من غير كفؤ أو بغبن فاحش أصلاً) وما في صدر الشريعة صح ولهما فسخه وهم (وإن كان من كفؤ وبمهر المثل صح ) ولكن (لهما) أى لصغير وصغيرة وملحق بهما) (خيار الفسخ) ولوبعد الدخول (بالبلوغ أو لعلمه بالنكاح بعده لقصور الشفقة (إلى) قوله بشرط القضاء للفسخ"

وقال الشامى تحت (قوله) (غير الأب وأبيه) الأ ولى أن يزيد والابن والمولى لما مر وتحت قوله( لو عين لوكيله القدر) الذي هو غبن فاحش، نهر. وكذا لو عين له رجلاً غير كفؤ كما بحثه العلامة المقدسى وتحت قوله( أصلاً) (أى) لا لا زماً ولا موقوفاً على الرضا بعد البلوغ وتحت قوله(وملحق بهما) كالمجنون(٢) والمجنونة إذا كان المزوج لهما غير الأب والجد والابن بأن كان أخاً أو عما مثلاً وتحت (قوله) بالبلوغ ( أى) إذا علما قبله أو عنده قهستانى، وتحت قوله( أوالعلم الخ) أى بعد البلوغ بأن بلغا ولم يعلما به ثم علما بعده وتحت قوله للفسخ أى هذا الشرط إنما هو للفسخ لا لثبوت الاختيار، وحاصله أن المزوج إذا كان للصغير والصغيرة غير الأب والجد فلهما الخيار بالبلوغ أو العلم به، فإن اختارا الفسخ لا يثبت الفسخ إلا بشرط القضاء"(رد المحتار مع الدر المختار للشامى، ج:٣، ص:٦٨، ٦٩، مطلب مهم هل للعصبة تزويج

(١) أى إن كان العقد بغير الكفوء أو بغبن فاحش ١٢ منه

(٢)ينبغى ان التفصيل الآتى في البكر والثيب بعد البلوغ يجرى في المجنونة بعد الافاقة والله أعلم ١٢ منه

الصغير امرأة غير كفؤ له، باب الولي، كتاب النكاح، مطبع دارالفكر بيروت ۱۳۹۹ هجـ ۱۹۷۹م).

ثم قال (وبطل خيار البكر بالسكوت) لو مختارة و(عالمة بأصل النكاح) ولا يمتد إلي آخر المجلس ...... وإن جهلت به ...... (بخلاف خيار المعتقة) فإنه يمتد لشغلها بالمولى و(خيار الصغيرو الثيب إذا بلغا لا يبطل) بالسكوت (بلا صريح) رضاء (أو دلالة) عليه كقبلة ولمس ودفع مهر( ولا) يبطل( بقيا مهما عن المجلس) لأن وقته العمر فيبقى حتى يوجد الرضاء انتهى مختصراً وقال الشامى قوله لو مختارة) أما لو بلغها الخبر فأخذ ها العطاس والسعال فلما ذهب عنها قالت لا ارضى جاز الرد إذا قالته متصلاً الخ (وقوله آخر المجلس ) أى مجلس بلوغها أو علمها بالنكاح كما في الفتح (قوله وإن جهلت به) أى بأن لها خيار البلوغ أو بانه لا يمتد (قوله) (والثيب) شمل ما لوكانت ثيباً في الأصل أو كانت بكراً ثم دخل بها ثم بلغت كما في البحر وغيره (قوله) دفع مهر) حمله في الفتح على ما إذا كان قبل الدخول أما لو دخل بها قبل بلوغه فينبغي أن لا يكون دفع المهر بعد بلوغه رضاء) لأ نه لا بد منه أقام أو فسخ" ومثله يقال في قبولهاالمهر بعد الدخول بها أو الخلوة أفاده" (رد المحتار مع الدر، ج:۳، ص:۷۳، ۷۵، كتاب النكاح، باب الولى، مطبع دارالفكر بيروت ).

### فائدہ موعودہ

## باکرہ کے لئے خیار بلوغ میں گواہ بنانے کی ضرورت اوراس کی تفصیل

باکرہ لڑکی بالغ ہونے پر جب نکاح نامنظور کرے تو اس کی نامنظوری پر گواہوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، لیکن وہ مختصر تھا، اس واسطے حسب وعدہ تفصیل لکھی جاتی ہے، تفصیل یہ ہے کہ اشہاد (یعنی گواہ بنانے ) کی دوصورتیں ہیں: اول یہ کہ جس وقت بالغ ہوئی ہے اس وقت اگر اس کے پاس گواہ موجود ہیں تب تو اسی وقت اسی کو کہدینا چاہئے کہ میں اب

بالغ ہوئی ہوں، اور اس نکاح کو فسخ کرانا چاہتی ہوں، دوسری صورت یہ ہے کہ اس وقت گواہ پاس نہ ہو اس صورت میں زبان سے فوراً نامنظوری کر کے گواہوں کو بلالیا جائے، یا خود ان کے پاس چلی جاویں اور گواہ جلدی مل جائے یا دیر میں بہرصورت ان کے سامنے یہی کہنا چاہئے کہ میں اب بالغ ہوئی ہوں اور نکاح فسخ کرانا چاہتی ہوں یہ ہرگز ظاہر نہ کرے کہ تھوڑی دیر ہوئی بالغ ہوچکی ہوں حتی کہ اگر گواہ صراحۃً بھی دریافت کریں کہ تو کب بالغ ہوئی ہے تب بھی مفصل واقعہ ذکر نہ کرے، بلکہ یہی جواب (۱) دے کہ میں اب بالغ ہوئی ہوں یا صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے بالغ ہوتے ہی نکاح کو توڑ دیا ہے، کیونکہ اگر مفصل واقعہ گواہوں سے ظاہر کردیگی تو ان کے لئے گول مول گواہی دینا جائز نہ ہوگا، اور تفصیلی شہادت دی تو یہ شہادت اس کے حق میں مفید نہ ہوگی، اور مجمل واقعہ سن کر گواہی دینا جائز ہے، ان کو نہ اس کی ضرورت ہے کہ تفصیل دریافت کریں، نہ اس کا حق ہے۔

## قاضی کے یہاں درخواست دینے کی صورتیں

پھر قاضی کے یہاں درخواست دینے کی تین (۲) صورتیں ہیں

---

(۱) ویجوز الکذب لا حیاء الحق، کما ھو مصرح فی ھذا الباب من کتب الفقه وفی ابواب أخر، ولکن یختلج في القلب إنهم لما جوزوا التفریق بمحض قولها عند القاضي إني فسخت کما بلغت، وهو صدق ینجیه من الابتلاء بالکذب فکیف جوزوا لها الکذب فیه عند الشهود والقاضي فلیتأمل ۱۲ منه

(۲) ایک امر قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ ان تین صورتوں میں سے پہلی صورت میں یعنی جب گواہ ہو چکے ہوں تو اس کو ایک ماہ تک درخواست کی مہلت ہے، اگر ایک ماہ گذر گیا تو خیار فسخ جاتا رہا لأن هذا الخیار نظیر خیار الشفعة وفي الشفعة یبطل الخیار بالسکوت شهرا علی ما حققه العلامة الشامي في ردالمحتار، اور دوسری صورت میں حتی الوسع جلدی کرنا لازم ہے لیکن اس تعجیل کی کوئی خاص تحدید کتب فقہ میں باوجود تلاش کے نہیں ملی، البتہ خلاصۃ الفتاوی کی ایک روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ چند روز تک مقدمہ پیش نہ ہوا تو خیار ساقط ہو جائے گا، وہ روایت یہ ہے: قال هشام سالت محمدا عن صغیرة زوجها امها فحاضت فبعثت خادمها لیدعو الشهود فلم یقدر وهي في موضع ینقطع عن الناس فمکثت أیاما قال لزمها النکاح (خلاصه في مجلس خیار البلوغ ص ۲۵ ج ۲) اور تیسری صورت کا حکم بھی قواعد سے وہی معلوم ہوتا ہے جو دوسرے صورت کا، لأن الامهال في الصورة الأولی کان لتقریر الحق بالاشهاد والتقریر بالاشهاد مفقود في الثالثة کما في الثانیة والله أعلم بالصواب

تنبیہ چونکہ اس حاشیہ کا یہ سب مضمون قواعد سے لکھا گیا ہے اس لئے عمل کے وقت احتیاطاً اپنے کسی معتقد فیہ محقق سے بھی دریافت کرلینا ضروری ہے ۱۲ منہ

### اوّل

اگر قاعدہ کے موافق گواہ ہو چکے ہیں تب تو قاضی یا اس کے قائم مقام کی عدالت میں یوں درخواست پیش کرے کہ میں فلاں روز بالغ ہونے پر نکاح کو نامنظور کر چکی ہوں ،اور نامنظوری کے فلاں فلاں گواہ ہیں، اس واسطے میرا نکاح فسخ کر دیا جائے ،اس درخواست پر شہادت کے بعد تفریق ہو جائے گی۔

### دوم

اگر کسی کو معتبر گواہ میسر نہ ہوں یا گواہوں سے اس قسم کی تفصیل ظاہر کر دی جس سے ان کو مفید گواہی دینا جائز نہ رہا تو پھر یہ صورت ہے کہ حتی الوسع جلد درخواست پیش کرے ،اور درخواست میں یہ ظاہر نہ کیا جائے کہ کب بالغ ہوئی ہے، بلکہ صرف اتنا کہے کہ میں نے بالغ ہوتے ہی نکاح فسخ کر دیا ہے،لہذا فسخ کا حکم دیدیا جائے ،اگر قاضی دریافت بھی کرے کہ کب بالغ ہوئی ہے تب بھی نہ بتلائے ،اگر بتلا دیا تو پھر تفریق نہ ہو سکے گی،اور ایسی درخواست پر حلف لے کر نکاح فسخ کرا دیا جائے گا۔

### سوم

ایک صورت درخواست کی یہ ہے کہ صاف یوں کہدے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں اور نکاح فسخ کرانا چاہتی ہوں یہ نکاح مجھے منظور نہیں، اس صورت میں نہ کسی گواہ کی حاجت ہے نہ حلف کی، بلکہ بغیر شہادت اور حلف ہی کے قاضی اس درخواست کو قبول کر کے نکاح فسخ کر دے۔

**قال العلامة الشامي بعد نقل عبارة البزازية وغيرها: قلت وتحصل من مجموع ذلک أنها لو قالت بلغت الآن وفسخت، تصدق بلا بينة ولا يمين، ولو قالت، فسخت حين بلغت تصدق بالبينة، واليمين ولو قالت، بلغت أمس وفسخت فلا بد من البينة الخ (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، مطلب في فرق النكاح، ج:۳، ص:۷۵، مطبع دار الفكر بيروت ۱۳۹۹ هجـ ۱۹۷۹م.**

## شرط فوت ہوتے پر مکرر تنبیہ

اگر حقیقۃ بالغ ہوتے ہی فوراً زبان سے کہدیا ہے کہ میں اس نکاح کو فسخ کرتی ہوں تب تو اس کو جائز ہے کہ گواہوں سے یا قاضی سے اصل واقعہ چھپا کر یہ کہدے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں۔

اور اگر بلوغ کے بعد اس کے کہنے میں ذرا بھی دیر کردی تھی تو خیار فسخ باطل ہوگیا، اب اسکو ہرگز جائز نہیں کہ شہادت اور درخواست کے قبول ہونے کا حیلہ کرے، اگر حیلہ کرے گی تو سخت گنہگار ہوگی۔

**ولكن إن احتالت مع سقوط الخيار، وحكم القاضي بالفسخ، انفسخ النكاح عند الإمام لأن القضاء عنده ينفذ ظاهراً وباطناً في العقود والفسوخ.**

## خیار کفاءت

غیر کفو میں نکاح ہونے کی کئی صورتیں ہیں، بعض میں نکاح بالکل باطل ہے، اور بعض میں صحیح اور لازم ہوجاتا ہے، یعنی فسخ کا اختیار بھی نہیں رہتا، اور بعض میں صحیح تو ہوتا ہے مگر لازم نہیں ہوتا، بلکہ فسخ کا اختیار رہتا ہے، یہاں اصل مقصود تو انہیں صورتوں کا بیان کرنا ہے جن میں خیار فسخ ہو، کیونکہ قضاء قاضی کی ضرورت صرف انہیں میں پڑتی ہے، مگر ہم فائدہ مکمل کرنے کے لئے سب صورتیں درج کرتے ہیں، اور ہر ایک کا جداگانہ حکم لکھتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

## پہلی صورت

یہ کہ بالغ عورت ولی عصبہ کی اجازت (۱) کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے، اس صورت میں فتوی اس پر ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوتا، بلکہ بالکل باطل ہے، حتی کہ اگر نکاح کے بعد ولی عصبہ جائز بھی رکھے تب بھی صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ نکاح سے قبل اجازت کا ہونا شرط ہے، لہذا عورت کو لازم ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرے اگر کرے گی تو نکاح کالعدم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ معصیت میں مبتلا رہے گی۔

**كما في تنوير الأبصار مع الدر المحتار: (فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا**

---

(۱) اور اگر عصبہ نہ ہونے کی حالت میں کسی اور کو ولایت نکاح پہنچتی ہو تو بالغہ عورت کو غیر کفو میں نکاح میں اس ولی کی اجازت کی حاجت نہیں کما هو مصرح في عبارة الدر المذكورة في المقام ۱۲ منه .

ولـي، ولـه إذا كـان عـصبة) ولـو غيـر مـحرم كابن عم في الأصح خانية، وخرج ذووالأرحـام والأم والـقـاضـي، (الاعتـراض فـي غيـر كـفؤ ما لم تلد ويفتي بعدم جـوازه أصلاً ، رد الـمـحتـار مـع الـدر ج ۳ ص ۵۶، مـطبع دارالفكـر بيـروت ۱۳۹۹ھج ۱۹۷۹م)

وفـي رد الـمـحتـار : هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة وأيده صاحب الـدر بقوله "وهوالمختار للفتوى" والعلامة الشامي وغيره بقوله: وقال شمس الأئـمة الســرخســي:، وهـذا أقـرب إلـى الاحتيـاط . ( رد المحتـار مع الدر الـمختار، كتاب النكاح، باب الولي، ج:۳، ص:۵۷، مـطبع دارالفكر بيروت ۱۳۹۹ھج ۱۹۷۹م.

## فائدہ

اسی سے اس صورت کا حکم بھی معلوم ہوگیا جس میں عورت کو شوہر کے غیر کفو ہونے کا علم نہ ہو، اور کفو ہونے کی شرط کر کے یا بلا شرط نکاح کیا ہو، اور بعد میں معلوم ہو جائے کہ وہ شخص کفو نہیں ہے تو عورت پر واجب ہے کہ معلوم ہوتے ہی اس سے الگ ہو جائے، کیونکہ قول مفتی بہ کے موافق غیر کفو سے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا، تو جس وقت اس کا غیر کفو ہونا ظاہر ہو گیا اس وقت ثابت ہو گیا کہ نکاح شروع ہی سے باطل تھا

وأما قـول الـدر الـمـختار: فلو نكحت رجلاً ولم تعلم حاله فإذا هو عبـد لا خيـار لهـا، بـل لـلأوليـاء،( رد الـمحتـار مع الدر المختـار، ج:۳، ص:۸۵، كتاب النكاح، باب الكفاء ة.فهو مبني على ظاهر الرواية، والا فلا معـنى لخيار الأولياء ، و قد علمت إن ظاهر الرواية متروك برواية الحسن المختارة للفتوى.

## دوسری صورت

یہ کہ باپ دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نابالغ کا نکاح غیر کفو میں کر دیا ہو، یا باپ

دادانے کیا مگر وہ معروف بسوءالاختیار یا فاسق متہتک ہو(وقد مر تفسیر هما فی خیار البلوغ)یا نشہ کی حالت میں نکاح کیا ہو اس صورت میں بھی نکاح بالکل باطل ہے" کما مر فی خیار البلوغ مفصلا".

## تیسری صورت

یہ کہ باپ دادانے ہوش وحواس کی سلامتی کے ساتھ نابالغ کا نکاح غیر کفو میں کیا ہے، اور وہ باپ دادا نہ فاسق متہتک ہو، نہ معروف (۱) بسوء الاختیار، اس صورت میں نکاح لازم ہوجاتا ہے،اس نکاح کو فسخ کرانے کا بھی اختیار نہیں ہے۔ کما مر فی خیار البلوغ ایضاً۔

اور یہ حکم عام ہے،خواہ باپ دادا کو بوقت نکاح عدم کفاءت کا علم تھا یا نہ تھا بہر دوصورت نکاح صحیح اور لازم ہوجاتا ہے،البتہ اگر دوسری صورت یعنی عدم علم کی صورت میں کفاءت کی شرط پر نکاح کیا ہو تو اس کا حکم جدا ہے جو صورت ششم میں آتا ہے۔

## چوتھی صورت

یہ ہے کہ بالغہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت سے عدم کفاءت کا علم ہوتے ہوئے غیر کفو میں ہوا،حکم اس کا یہ ہے کہ نکاح صحیح اور لازم ہوجاتا ہے،اور کسی کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا، کما لا یخفی لرضائهم بسقوط حقهم وسيأتي التصريح بعدم الخيار لا حد في الصورة الخامسة، فهذه الصورة أولى به.

اور یہ حکم سب اولیا کے لئے عام ہے،خواہ باپ یا دادا یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا ولی ہو، لیکن فرق اتنا ہے کہ اگر لڑکی باکرہ ہے،اور باپ دادا کی ولایت سے نکاح ہوا ہے،تو اجازت کے لئے محض سکوت کافی ہوگا،اور اگر لڑکی ثیبہ ہے یا باپ اور دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی کی ولایت میں نکاح ہوا ہے تو اجازت صریحہ کی ضرورت ہے،محض سکوت کافی نہیں ہے۔

لمافي خزانة المفتين (قلمی ورق ۱۲۲ )

"زوج ابنته البكر البالغة من غير كفؤ فعلمت بذلک، فسكتت

---

(۱)اس کی تفسیر خیار بلوغ میں گذر چکی ہے۔۱۲منہ

فسكوتها لا يكون (١) رضا، والجد كالأب عند عدمه وغير الأب والجد ليس بولي في النكاح بغير كفؤ فلم يكن سكوتها رضا" .

وفي فصل شرائط النكاح من الخانية "رجل زوج ابنته البكر البالغة من غير كفوء فعلمت بذلک فسكتت قال بعضهم سكوتها لا يكون رضا وقال بعضهم فی قول ابی حنیفة يكون رضا، لان علی قول ابی حنیفةؒ الاب ولی فی النكاح من غير كفوء (فتاوی خانية علی حاشية الهندية، كتاب النكاح/ في شرائط النكاح، ۱/۳۳۸، مكتبة زكريا ديوبند)

وظاهر إن هذا الاختلاف مبنی علی أن الأب والجد وليان في النكاح بغير كفوء عند الإمام خلافاً لصاحبيه كما في رد المحتار عن شرح المجمع "أن تزويج الأب الصغير والصغيرة من غير كفوء أو بغبن فاحش جائز عنده لا عندهما(رد المحتار كتاب النكاح/ باب الولي، مطلب مهم هل للعصبة تزويج الصغير إمرأة غير كفؤ له، ۳/۶۸.

والفتوی علی قول الإمام وعليه المتون قاطبة، فصار سكوتها في مسئلتنا هذه رضا لتحقق الإستيذان من الولی علی قول الإمام المختار للفتوی والله أعلم .

## پانچویں صورت

یہ ہے کہ بالغہ عورت کا نکاح باجازت ولی کسی ایسے شخص سے ہوا جس کے کفاءت کا حال معلوم نہ تھا، لیکن نکاح کے وقت کفاءت کی شرط کرلی تھی یا صراحۃ تو شرط نہ کی تھی مگر خاوند کی طرف سے کفو ہونا ظاہر کیا گیا تھا، اور اس پر اعتماد کر کے نکاح کر دیا ہو، پھر خلاف ہوا، اور ثابت ہوا کہ کفو نہیں ہے، حکم اس صورت کا یہ ہے کہ عورت کو بھی خیار فسخ حاصل ہوگا، اور اس کے ولی کو بھی۔لما في كفاءة الدر المختار ما نصه:

ولو زوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة ثم علموا لا خيار لاحد الا اذا شرطوا الكفاءة أو اخبرهم بها وقت العقد فزوجوها علی

(۱) مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے کتب خانہ میں موجود قلمی نسخہ میں اسی طرح لکھا ہوا ہے، لیکن درست "لا" کے بغیر ہے، تاکہ معنی درست ہو سکے، کیونکہ اس کے مقابلہ میں آگے "لم یکن" ہے۔ تحریر مولانا عبداللطیف مدظلہ العالی

**ذلک ثم ظهر انه غیر کفو کان لهم الخیار .ولو الجیة. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح/ باب الکفاءة، ۳/۸۵، دارالفکر بیروت.**

لیکن اگر یہ عورت ابھی باکرہ ہوتو اس کا خیار سکوت سے باطل ہوجائے گا، یعنی اگر اطلاع حال کے بعد فوراً کہدیا کہ مجھے اس سے نکاح رکھنا منظور نہیں، تب تو اختیار باقی رہے گا اور بذریعہ حاکم مسلم فسخ کراسکے گی، ورنہ اگر نامنظوری ظاہر کرنے میں ذرا بھی تاخیر کی تو خیار فسخ باقی نہ رہے گا۔

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ لڑکی ہنوز باکرہ ہو، اور اگر ثیبہ ہوچکی ہے، تو اس وقت سکوت سے خیار باطل نہیں ہوتا، بلکہ جب تک صراحۃ یا دلالۃ [1] رضا نہ پائی جائے اس وقت تک اختیار باقی رہے گا۔ **کما مر نصه من الدر المختار والشامیة مفصلاً في خیار البلوغ قبیل العنوان الفائدة الموعودة.**

اور یہی حکم ہے ولی کا کہ اس کا خیار فسخ بھی محض سکوت سے باطل نہیں ہوتا، بلکہ صراحۃ یا دلالۃ رضا کی ضرورت ہے، اور دلالۃ رضا کی صورت یہ ہے کہ مثلا ولی مہر وغیرہ پر قبضہ کرلے۔ **کما في باب الولي من الدر المختار ما نصه: و(قبضه) أی ولی له حق الاعتراض (المهر ونحوه) مما یدل علی الرضی(رضاً) دلالة إلی أن قال( ولا یکون سکوته رضاً) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح/ باب الولي ۳/۵۸،دارالفکر بیروت.**

## چھٹی صورت

یہ ہے کہ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح اس کے والد یا دادا نے [2] ایسے شخص سے کیا جس کو اس کے بیان کی بناء [3] پر کفو سمجھا گیا تھا، یا کفو ہونے کی شرط کرلی گئی تھی، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ غیر کفو ہے، تو اس صورت میں تفصیل یہ ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے تو صرف باپ دادا کو اختیار ہے اگر اس نے فسخ کرادیا تو فسخ ہوجائے گا، اور اگر حقیقت ظاہر ہونے کے بعد نکاح منظور رکھا تو لازم ہوجائے گا۔

---

(۱) مثلاً شوہر لمس وتقبیل وغیرہ کرلے یا مہر یا نفقہ ادا کردے، اور زوجہ اس کو لمس وغیرہ پر قدرت دے، یا مہر وغیرہ قبول کرلے، تو یہ دلالۃ رضا ہے اور مہر کا قبول کرنا دلیل رضا اس وقت ہے جبکہ بلوغ سے پہلے خلوت صحیحہ نہ ہوچکی ہو **کما هو مصرح فی الدر والرد وقد مر منانصه ۱۲ منه**

(۲) اسی طرح مجنون اور مجنونہ کا بیٹا ان احکام میں باپ کے برابر ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ۱۲ منہ

(۳) اور اگر کفاءت کی نہ تو شرط کی تھی نہ شوہر نے اپنا کفو ہونا بیان کیا تھا، بلکہ باپ دادا نے محض اپنے گمان سے ←

اوراگر باپ دادا نے سکوت کیا تو صرف اس کے سکوت سے اختیار باطل نہ ہوگا بلکہ باپ دادا کو بھی اختیار رہے گا، اور بالغ ہونے پرلڑ کے لڑکی کو بھی اختیار حاصل ہو جائے گا، اس لئے کہ بالغ ہونے کے بعد نکاح لازم ہونے کے واسطے دونوں کی رضامندی شرط ہے، باپ دادا کی بھی اورلڑ کے یالڑکی کی بھی، پس بلوغ کے بعدلڑ کے یالڑکی اور باپ یادادا میں سے ایک بھی چاہےتو نکاح فسخ ہوسکتا ہے، اگر چہ دوسرا بقائے نکاح پر رضامند ہو جائے۔

لما قال في فتاوى قاضيخان: رجل زوج ابنته الصغيرة من رجل ذكر انه لا يشرب المسكر فوجده شريباً مدمناً فبلغت الصغيرة وقالت لا ارضى، قال الفقيه أبو جعفرؒ إن لم يكن اب البنت يشرب المسكر وكان غالب اهل بيته الصلاح فالنكاح باطل، لان والد الصغيرة لم يرض بعدم الكفاءة، وإنما زوّجها منه على ظن أنه كفؤ. (فتاوى خانيه على حاشية الهندية، كتاب

← کفو سمجھ کر نکاح کر دیا تھا، پھر ظاہر ہوا کہ کفونہیں ہے تو اس صورت میں خیار کفاءت ہونے یا نہ ہونے میں باوجود تتبع اورعلماء سے مراجعت کے کوئی امر منقح نہ ہوسکا، بعض جزئیات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفاءت سمجھ کر نکاح کر دینے اور پھر خلاف ظاہر ہونے کی صورت میں مطلقاً خیار فسخ حاصل ہوتا ہے، خواہ شوہر کے کفو ہونے کا گمان شوہر کے بیان وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہو یا خود بخودلڑکی والوں نے یہ گمان کرلیا ہو، اور بعض دوسرے جزئیات میں یہ خیار اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ کفاءت کا گمان شوہر کے بیان کی بناء پر کیا گیا ہو، اس لئے اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ دونوں مسئلے جدا جدا ہیں اور ہر دونوں صورتوں میں خیار فسخ حاصل ہے، یا مطلق مقید پرمحمول ہے اور شوہر کے خبر دیئے بغیر ظن کفاءت خیار کے لئے کافی نہیں ہے اور ہمیں قواعد سے رجحان اس کو معلوم ہوتا ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے اور شوہر کے خبر دیے بغیر کفاءت کا گمان ہونے کی صورت میں خیار فسخ نہ دیا جائے، یہ جزئیات فقہیہ: کتب فقہ حنفی کے درج ذیل مقامات پر موجود ہیں (۱) رد المحتار باب الولی میں من قوله وان عرف لا يصح النكاح ) استشكل ذلك الخ (رد المحتار كتاب النكاح/ باب الولي، ۳/۶۷، دار الفكر بيروت، (۲) باب الكفاءة میں من قوله (فلونكحت الخ) تفريع إلى آخره (رد المحتار كتاب النكاح /باب الكفاءة، ۳/۸۵، دار الفكر بيروت ) (۳) آخر باب العنين میں من قوله (لو تزوجته على انه حر إلى قوله (لها الخيار ) اى لعدم الكفاءة الى آخره (الدر المختار، مع رد المحتار كتاب الطلاق/ باب العنين، ۳/۵۰۱ دار الفكر بيروت )(۴) بحر الرائق میں باب الكفاءة میں قول كنز ولو زوج طفله غير كفو (البحر الرائق كتاب النكاح فصل في الاكفاء، ۳/۱۴۴ ،مکتبۂ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان) کی شرح مع حاشيه منحة الخالق (۵) خانیه آخر باب الكفاءة میں رجل زوج بنته الصغيرة الخ (فتاوى خانيه على حاشية الهندية كتاب النكاح/ فصل في الاكفاء ۱/۳۵۳) اہل علم بوقت ضرورت مراجعت کر کے کسی جانب کو خودترجیح دے کر عمل کریں ہماری ترجیح پر نہ رہیں ۱۲ منہ

النکاح/فصل في الکفاء ة، ۱/۳۵۳).

اس جزئیہ میں اس کی تو تصریح ہے کہ صورت مذکورہ میں بعد بلوغ کے لڑکی کو اختیار ہے (اور لڑکا کفاءت کے باب میں لڑکی کا حکم رکھتا ہے، کما مر في خیار البلوغ،) اور اس صورت میں باپ دادا کے منظور کرنے سے لازم ہو جانا اس وجہ سے ہے کہ ان کو غیر کفو میں نکاح کرنے کا حق ہے، جیسا کہ خیار بلوغ کے بیان میں مفصل گذر چکا، اور اس جزئیہ مذکورہ میں لان والد الصغیرة الخ سے بھی مفہوماً معلوم ہوتا ہے، نیز خزانۃ المفتین میں باپ کو اختیار ہونے کی تصریح ہے فإنه قال: الأب إذا زوج ابنته الصغیرة من رجل وظن أنه یقدر علی إیفاء المعجل والنفقة ثم ظهر عجزه عن ذلک کان للأب أن یفسخ، لأنه یخل بالکفاء ة، ولم یسقط حقه لأنه زوّجه علی أنه قادر" انتهی (خزانة المفتین قلمي ورق ۱۲۱ ص۲).

اور جب اس کو ظہور حال کے بعد خیار ملے گا تو خیار کو ساقط کرنے والی کسی چیز کے بغیر ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں، لہذا بعد بلوغ بھی باپ کو خیار رہے گا، واللہ اعلم۔

## فائدہ

فرقت کی تمام صورتیں نیز یہ معلوم ہونے کے لئے کہ کس کس صورت میں قضائے قاضی کی ضرورت ہے، اور کس کس میں نہیں درمختار سے ایک نظم نقل کی جاتی ہے، وہ یہ ہے

فرق(۱) النکاح أتتک جمعانا فعا — فسخُ طلاقٍ وهذا الدر یحکیها
تباین الدار مع نقصان مهر کذا — فساد عقد وفقد الکفؤ(۲) ینعیها
تقبیل(۳) سبی واسلام المحارب او — إرضاع ضرتها قد عد ذا فیها
خیار عتق، بلوغ، ردة وکذا — ملک لبعض وتلک الفسخ یحصیها
أما الطلاق(۴) فجب عنة کذا — ایلائه ولعان ذاک یتلوها

---

(۱) غیره العلامة الشامي هکذا: إن النکاح له في قولهم فرق. وهو أجود ۱۲ منه

(۲) هذا علی ظاهر الروایة لا علی روایة الحسن المختار للفتوی المذکورة في الصورة الأولیٰ في عنوان خیار الکفاء ة. ۱۲ منه

(۳) قد غیره العلامة الشامي إلی هذا: ارضاع، إسلام حربي، تمجس نصرانیة قد عد ذا فیها، فحذف منه السبي ۱۲ منه

(۴) قد غیره الشامي هکذا: أما الطلاق فجب عنة، واباء الزوج ایلاء ه واللعن یتلوها، فزاد فیها اباء الزوج ۱۲ منه

قضاء قاض أتى شرط الجميع خلا ملك وعتق واسلام اتى فيها
تقبيل سبى (۱) مع الايلاء يا املى تباين مع فساد العقد يدنيها

(رد المحتار كتاب النكاح /باب الولي/ مطلب في فرق النكاح، ۷۲/۳، طبع دار الفكر بيروت).

وههنا تمت التتمة. المشتملة على المسائل المهمة. المتعلقة بالحوادث الملمة. بتوفيق من بيده عقد الأمور والازمة. في أوائل شهر يبارك فيه من الملك الديان، ويفتح لمن صام فيه باب الريان، المعروف بشهر رمضان، الذي أوله رحمة وأوسطه مغفرة وآخره عتق من النيران، سنة إثنين وخمسين بعد ثلٰث مأة وألف من الهجرة النبوية على صاحبها ألف ألف صلوة وتحية، على يد أحقر الأنام والأنيم، عبده الأثيم، الراجى فضله العميم، المدعو "بعبد الكريم" ستر الله ذنبه الجم والجميم الصغير منه والعظيم، وتجاوز عن حديثه والقديم، أنه هو الغفور الرحيم وليس هذا العبد الضعيف في تحريرهذه الرسالة وتسويد هذه العجالة إلا كمتحرك الظل على أثر عين والقلم بين إصبعين، وهي بدقها وجلها وقضها وقضيضها من إفاضات مجمع البحرين ومنبع النهرين خضر الطريقة حبر الشريعة بقية السلف حجة الخلف، حكيم الأمة عند كل غمة شيخنا التقى الولى العلامة الشهير "با شرف على" لا زال منغمساً في بحار لطفه الخفى والجلى فجاء بحمد الله بما يكشف الغين ويجلو العينين متعنا الله تعالى بطول بقائه بالخير دوام الملوين ودوار العصرين والحمدلله الذي بعزته وجلاله تتم الصالحات، والصلوة والسلام على سيد الموجودات .

(۱) قد غيره الشامى هكذ: ايلاء ه ، ردة ايضا مصاهرة ، الخ فحذف السبى منه ايضا فافهم ۱۲ منه

# التصديقات

نظرنا في التتمه فوجدنا ها صحيحة
أشرف على عفى عنه للحادى عشر من رمضان ١٣٥٢
العبد الضعيف محمد شفيع غفر له خادم دار الإفتاء بديوبند
العبد النحيف سراج أحمد غفر له مدرس خانقاه إمدادية

# التصديق

لقد تشرفت بمطالعة هذه االتتمة فوجدتها درة يتيمة ، وحسناء وسيمة، فلله در من أخرجها واستخرجها وزيّنها ووشحهاوبهجها ،جزاه الله تعالى عنى وعن سائر المسلمين خير الجزاء وأحسن ، ورزقنى وإياه عيشة مرضية وعاقبة حسنة وأنا العبد المذنب .

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۹/ رمضان۱۳۵۲ ـ

قولہ تعالیٰ
لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن
ولاتنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا

ان آیات سے ظاہر ہے کہ نکاح کے احکام میں
میاں بیوی کے دین کے اختلاف کا گہرا اثر ہوتا ہے

الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ
کا
## دوسرا ضمیمہ

(تیسرا رسالہ)

# حکم الازدواج
مع
## اختلاف دین الأزواج

بقلم
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی
دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

# تمہید

حضرت امام العارفین سراج السالکین، خضر الطریق، مظہر التوفیق فقیہ العصر، حکیم الامت، مجدد الملت سیدی وسندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے اپنے رسالہ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ کی تمہید میں حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے کہ:

چند مسائل متعلق ازدواج بصورت اختلاف مذہب کا اضافہ بطور ضمیمہ کیا جائیگا جس میں خصوصیت سے یہ بات بھی واضح کی جائے گی کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے یا نہیں، اور بعد تجدید اسلام کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

حضرت اقدس نے قلت فرصت کی وجہ سے اس ناکارہ غلام کو ارشاد فرمایا، اس لئے تعمیل ارشاد کے لئے یہ رسالہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا، اور نام اس کا ''**حکم الازدواج مع اختلاف دین الأزواج**'' تجویز ہوا، حق تعالی اس کو بھی اصل رسالہ کی طرح مفید اور مقبول فرمائے، اور حضرت کے فیوض سے متمتع فرمائے۔ آمین۔

بندہ محمد شفیع دیوبندی غفرلہ
خادم دارالافتاء دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى و لا سيما على سيدنا المجتبى و من بهديه اهتدى :**

وبعد الحمد والصلوۃ عرض ہے کہ میاں بیوی کے مذہب کے اختلاف کی دوصورتیں ہیں۔

(۱) ایک یہ ہے کہ اختلاف نکاح سے پہلے ہی موجود ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ بعد نکاح پیدا ہو جائے۔

پہلی صورت میں مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے کسی حال میں جائز نہیں، خواہ کفر کی کوئی قسم ہو، اسی طرح مسلمان مرد کا نکاح بھی کسی کافر عورت سے جائز نہیں، البتہ اگر عورت کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ وغیرہ ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہوسکتا ہے۔

اول یہ کہ وہ عام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی یا یہودی اور در حقیقت لا مذہب دہریہ نہ ہو، بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی تو ہو، اگر چہ عمل میں اختلاف بھی کرتی ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ اصل سے ہی یہودیہ نصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہوکر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو، جب یہ دونوں شرطین کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں، تو اس سے نکاح صحیح و منعقد ہو جاتا ہے، لیکن بلا ضرورت شدیدہ اس سے بھی نکاح کرنا مکروہ اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح سے منع فرمادیا تھا(**أخرجه الحافظ ابن كثير في تفسير قوله تعالى: و لا تنكحوا المشركات حتى يؤمن" والإمام محمد في كتاب الآثار، وصرح بالكراهة واختار أنها تحريمية في الحربية العلامة الشامي في محرمات رد المحتار، ج:۳، ص:٤٥، فصل في المحرمات، كتاب النكاح،** طبع دار الفکر بیروت)

اور جب عہد فاروقی میں کہ زمانۂ خیر تھا، ایسے مفاسد موجود تھے تو آج کل جس قدر مفاسد ہوں کم ہیں، بالخصوص موجودہ اقوام یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات ازدواج تو بالکل ہی ان کے دین دنیا کو تباہ کر دینے والے ہیں جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے۔

## دوسری صورت کے احتمال اول ودوم کا حکم

دوسری صورت یعنی نکاح کے بعد میاں بیوی کا یا ان میں سے کسی ایک کا مذہب بدل جائے، اس کے چار احتمال ہیں

پہلا احتمال یہ ہے کہ دونوں کافر تھے، پھر ایک ساتھ دونوں مسلمان ہوگئے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں مسلمان تھے، پھر معاذ اللہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہوگئے۔

ان (۱) دونوں احتمالوں میں نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ بعینہ قائم رہتا ہے۔ (**كما صرح به في نكاح الكافر من التنوير وسائر المتون**).

## تیسرے احتمال کے جزء اول کا حکم

تیسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہوجائے، اور دوسرا بدستور کفر پر باقی رہے، اس کے دو جز ہیں۔

پہلا جزو یہ ہے کہ مرد مسلمان ہوجائے اور عورت کفر پر رہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت کتابیہ (۲) ہے تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بحالہ قائم رہے گا، گووہ اہل کتاب کا ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا اختیار کرلے، مثلاً یہودیہ سے نصرانیہ ہوجائے یا اس کے برعکس، اسی طرح اگر ایسا ہو کہ جس وقت مرد مسلمان ہوا ہے، اسی وقت مجوسیہ بیوی نے اہل کتاب کا مذہب قبول کرلیا، اس صورت میں بھی نکاح پر اثر نہ پڑے گا، البتہ اگر اس کا عکس ہوا یعنی شوہر کے اسلام لانے کے بعد کتابیہ بیوی نے مجوسیت وغیرہ اختیار کرلی تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔

**كما صرح به في باب نكاح الكافر من الدر المختار والشامي، حيث قال في الدر المختار: ولو أسلم زوج الكتابية، ولو مآلاً كما مر، فهي له، وقال الشامي: لأنه يجوز له التزوج بها ابتداءً، فالبقاء أولىٰ (رد المحتار مع الدر المختار، باب نكاح الكافر، ج:۳، ص:۱۹۲، دار الفكر بيروت.**

---

(۱) گو ان دو احتمالوں میں اختلاف مذہب صادق نہیں آتا مگر استیعاب احکام کے لئے ان کو بھی بیان کردیا گیا ۱۲ منہ

(۲) بشرطیکہ وہ اصل سے کتابیہ ہو، پس اگر اسلام سے پھر کر کتابیہ ہوئی تھی تو بغیر اسلام لائے اس عورت سے دوبارہ بھی نکاح نہیں ہوسکتا ۱۲ منہ

اور اگر عورت غیر کتابیہ مثلاً ہندو یا مجوسیہ وغیرہ ہے، تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ یہ واقعہ دارالاسلام (۱) میں ہوا ہے، تو قاضی اس کی عورت پر اسلام پیش کرے، وہ بھی اسلام قبول کر لے تو نکاح بحالہ قائم رہے گا، اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کرے یا سکوت کرے تو نکاح فوراً فسخ کر دیا جائے۔

اور اگر یہ واقعہ دارالحرب میں ہوا ہے تو وہاں عورت پر تین حیض گذر جانا ہی اسلام سے انکار کر دینے کے قائم مقام ہو جاتا ہے، یعنی اگر عورت مسلمان نہ ہو، اور تین حیض اسی حالت پر گذر جائیں تو نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

## دوسرے جزء کا حکم

دوسرا جزء یہ ہے کہ عورت مسلمان ہو جائے اور خاوند کفر پر باقی ہے، تو خواہ یہ کافر کتابی ہو یا غیر کتابی، ہر حال میں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر واقعہ دارالاسلام کا ہے تو قاضی اس کے خاوند پر اسلام پیش کرے، اگر وہ مسلمان ہو جائے تو نکاح بحالہ قائم رہے گا، اور اگر اسلام قبول نہ کرے یا سکوت کرے تو قاضی ان دونوں میں تفریق کر دے۔

اور اگر یہ واقعہ دارالحرب کا ہے تو عورت کا تین حیض گذر جانا ہی انکار اسلام کے قائم مقام ہو جائے گا، اور تین حیض گذر جانے کے بعد عورت بائنہ ہو جائے گی۔

## عدت کا حکم

(میاں بیوی میں سے کسی ایک کے اسلام لانے کی صورت میں)

اگر بیوی اور شوہر دونوں دارالاسلام میں ہوں، اور اسلام پیش کرنے کے بعد تفریق کی گئی ہے۔ تب تو بالاتفاق عدت واجب ہے، اور اگر ان میں سے ایک یا دونوں دارالحرب میں ہیں، اس لئے اسلام پیش نہیں کیا جا سکا، بلکہ تین حیض گذر جانے کی وجہ سے بائنہ ہوئی ہے، تو اس

(۱) یعنی میاں بیوی دونوں دارالاسلام میں ہوں، اور اگر ایک دارالاسلام میں ہو اور دوسرا دارالحرب میں، تو قاضی کے ذریعہ تفریق نہیں ہو سکتی، بلکہ تین حیض گذرنے پر بینونیت ہو جائے گی، یعنی خود بخود نکاح جاتا رہے گا، کما صرح به الشامی تحت قول الدر ولو أسلم أحدهما ۱۲ منه (رد المحتار مع الدر المختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، مطلب الصبي والمجنون ليسا بأهل لإيقاع طلاق، بل للوقوع، ج: ۳، ص: ۱۹۱، طبع دارالفکر بیروت)

میں یہ تفصیل ہے کہ اگر شوہر مسلمان ہوا ہے تو بالاتفاق عدت (۱) واجب نہیں۔

اور اگر عورت مسلمان ہوئی ہے تو صاحبین کے نزدیک اس پر ان تین حیض کے علاوہ دوسرے تین حیض تک عدت گذارنا واجب ہے، اور امام صاحب کے نزدیک عدت (۲) واجب نہیں، اور احتیاط اسی میں ہے کہ صاحبین کے قول پر عمل کیا جائے، امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ **وجزم الطحاوی بوجوبها، قال في البحر: وينبغي حمله على اختيار قولهما. (رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب الصبي والمجنون ليسا بأهل**...... ج:۳،ص:۱۹۲،طبع دارالفکر بیروت)

## چوتھا احتمال

چوتھا احتمال یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی ایک معاذ اللہ مرتد ہو جائے، اس کے دو جزء ہیں، ایک خاوند کا مرتد ہو جانا، دوسرے بیوی کا مرتد ہونا، دونوں کے احکام جدا جدا درج ذیل ہیں، اور اس چوتھے احتمال کے احکام پر اکابر علماء کے تصدیقی دستخط بھی ثبت ہیں۔

### فائدہ

زوجین کے اختلاف مذہب کی پہلی صورت کے احکام میں اور دوسری صورت کے چار احتمالوں میں سے اول کے تین احتمالوں کے احکام میں تو کوئی پوشیدگی اور اختلاف نہ تھا، اس لئے ان کا مسودہ سب حضرات کے سامنے پیش نہیں کیا گیا، بلکہ صرف حضرت حکیم الامت دام مجدہم اور چند حضرات کے ملاحظہ پر اکتفا کیا گیا، اور چوتھے احتمال کی بعض صورتوں کے حکم میں کچھ پوشیدگی واختلاف تھا، اس لئے صرف اس احتمال کے احکام کو پیش کر کے سب حضرات کے دستخط حاصل کئے گئے ہیں۔

---

(۱) یعنی اس کو اسلام کے بعد اس بیوی کی بہن وغیرہ سے فوراً نکاح کر لینا جائز ہے، اگر عدت واجب ہوتی تو عدت گذرنے سے پہلے اس کی بہن وغیرہ کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوتا، اور عدت واجب نہ ہونے کا ایک ثمرہ یہ بھی ہے کہ اگر یہ عورت مسلمان ہو جائے تو اس کو فوراً دوسرے شخص سے نکاح جائز ہے بشرطیکہ حاملہ نہ ہو، ورنہ وضع حمل کے بعد نکاح جائز ہوگا ۱۲ منہ

(۲) البتہ اگر یہ عورت حاملہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی وضع حمل سے قبل اس سے نکاح جائز نہیں ۱۲ منہ

## شوہر کے مرتد ہوجانے کا حکم

اگر کسی عورت کا خاوند معاذ اللہ اسلام سے پھر جائے اور مرتد ہو جائے، تو باجماع ائمہ اربعہ و باتفاق جمہور فقہاء اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے، قضائے قاضی اور حکم حاکم کی کوئی ضرورت نہیں، اور یہ ارتداد شوہر اگر خلوت صحیحہ سے قبل ہوا ہے تو نصف مہر خاوند کے ذمہ ہے، اور عورت پر عدت واجب نہیں، اور اگر خلوت صحیحہ کے بعد ارتداد ہوا ہے تو پورا مہر لازم ہے، اور عورت پر عدت بھی واجب ہے، نیز اس مرتد پر عدت کا نفقہ بھی لازم ہے، لما في الدر المختار (وارتداد أحدهما) أی الزوجين (فسخ) فلا ينقص عدداً (عاجل) بلا قضاء فللموطوءة ولو حكما كل مهرها لتاكده به ولغيرها نصفه لو مسمى أو المتعة لو ارتد وعليه نفقة العدة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ج:٣، ص:١٩٣)

وفي رد المحتار (قوله بلا قضاء) أی بلا توقف على قضاء القاضي وكذا بلا توقف على مضى عدة في المدخول بها كما في البحر (حوالۂ سابق) اور عالمگیری كتاب نكاح الكافر الباب العاشر، ج:١، ص:٣٣٩، مطبع إحياء التراث العربي بيروت میں ہے۔

"إذا ارتداحد الزوجين عن الإسلام وقعت الفرقة بغير طلاق في الحال قبل الدخول وبعده.

## تنبیہ ضروری

بعض لوگوں نے صرف ان عبارات کو دیکھ کر علی الاطلاق یہ سمجھ لیا کہ اگر عورت مرتد ہوجائے تب بھی نکاح فسخ ہوجائے گا اور اسی بناء پر محض ناواقفیت سے تمام روایات فقہیہ کے برخلاف یہ تفریع کر بیٹھے کہ اس نالائق کو تجدید اسلام کے بعد دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، یہاں تک کہ بعض کم بخت عورتوں نے اس کو خاوند سے رہائی حاصل کرنے کا سہل علاج سمجھ لیا، اور ارتداد کی بلاء عظیم میں مبتلا ہو کر اپنے عمر بھر کے اعمال صالحہ برباد کر دئے، حالانکہ شرعی طور پر پھر بھی ان کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس صورت میں دوسرے شخص سے نکاح

کی ہرگز اجازت نہیں، بلکہ یہ لازم ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرکے پہلے ہی خاوند کے ساتھ رہے، جس کی تفصیل ارتداد زوجہ کے بیان میں عنقریب آرہی ہے۔

## بیوی کے مرتد ہوجانے کا حکم

بیوی کے ارتداد میں روایات مختلف ہیں، اور کسی قدر تفصیل ہے جو ذیل میں بحوالۂ کتب درج ہے۔

(۱) في الهداية من باب نكاح الكافر .

إذ ا ارتد أحد الزوجين وقعت الفرقة بغير طلاق انتهى

قال المحقق ابن الهمام" هذا جواب ظاهر المذهب، وبعض مشائخ بلخ وسمرقند أفتوا في ردتها بعدم الفرقة حسماً لاحتيالها على الخلاص بأكبر الكبائر، وعامة مشائخ بخارا افتوا بالفرقة وجبرها على الإسلام وعلى النكاح مع زوجها الأول، لأن الحسم بذلک يحصل، ولكل قاض أن يجدد النكاح بينهما بمهريسير ولو بدينار رضيت أم لا، وتعزر خمسة وسبعين سوطاً، ولا تسترق المرتدة ما دامت في دارالإسلام في ظاهر الرواية، وفي رواية النوادر عن أبي حنيفةؒ تسترق (فتح القدير نكاح أهل الشرک، ج:۳، ص: ۴۲۹، مطبع دار الفكر بيروت لبنان)

(۲)وفي فتاوى قاضيخان فصل الفرقة بين الزوجين

منكوحة ارتدت .والعياذ بالله تعالى. حكى عن أبي النصر وأبي القاسم الصفار أنهما قالا لا تقع الفرقة بينهما حتى لا تصل إلى مقصود ها إن كان مقصودها الفرقة، وفي الروايات الظاهرة تقع الفرقة وتجبس المرأة، حتى تسلم ويجدد النكاح سداً لهذا الباب عليها .(فتاوى خانيه على هامش الهندية كتاب الطلاق، فصل في الفرقة بين الزوجين...... ج: ۱، ص: ۵۴۶، مطبع إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

(۳) وفي العالمگيرية الباب العاشر من النكاح :

تحرم على زوجها فتجبر على الإسلام، ولكل قاض أن يجددالنكاح

بـأدنـى شـيء ولو بدينار سخطت أو رضيت، وليس لها أن تتزوج إلا بزوجها، قال الهندواني آخذ بهذا، قال أبو الليث، وبه نأخذ كذا في التمر تاشي

(٤) وفي الدر المختار:

وتجبر على الإسلام وعلى تجديد النكاح إلى قوله وأفتى مشائخ بلخ بـعـدم الـفرقة بردتها(إلى قوله) قال في النهر والإفتاء بهذا( يعنى بقول مشائخ بـلـخ) أولـى من الإفتاء بما في النوادر (إلى قوله) وحاصلها أنها بالردة تسترق وتـكـون فيـئـاً لـلمسلمين عند أبي حنيفةؒ (الدر المختار مع رد المحتار كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ج:٣،ص: ١٩٤ ).

(٥) قال في ردالمحتار:

وعبـارة النـهر ولا يخفى أن الإفتاء بما اختار أئمة بلخ أولى من الإفتاء بمـا فـي الـنـوادر، ولـقـد شـاهـدنا من المشاق في تجديد ها فضلاً عن جبرها بـالـضـرب ونـحوه مالا يعدو لا يحد (إلى قوله) ومن القواعد "المشقة تجلب التيسيـر" قـال الشامى بعد نقله :قلت المشقة فى التجديد لا يقتضى أن يكون قـول أئمة بلخ أولى مما في النوادر، بل أولى مما مر أن عليه الفتوى، وهو قول البـخـاريـين إلـى قوله تأمل. رد المحتار مع الدر المختار كتاب النكاح ، باب نكاح الكافر ج ٣، ص ١٩٤).

(٦) وفي تعزير الدر المختار:

ارتـدت لتـفـارق زوجهـا تـجبـر على الإسلام، وتعزر خمسة وسبعين سـوطـاً، ولا تتزوج بغيره، به يفتى ملتقط، قال الشامى قوله لا تتزوج بغيره بل تـقـدم أنهـا تـجبر على تجديد النكاح بـمهر يسير، وهذه إحدى روايات ثلاث تـقدمت في الطلاق ، الثانية أنها لاتبين رداً لقصدها السئ، الثالثة ما في النوادر مـن أنـه يتـمـلكها رقيقة إن كان مصرفاً. (رد المحتار مع الدر المختار، ج:٤، ص: ٧٩، كتـاب الـحـدود بـاب التـعـزير، مطلب في تعزير المتهم، مطبع دار الفكر بيروت).

(ے) وفي قنينة الفتاوى تحرم اللعينة وتجبر على الإسلام(برموز النوازل والواقعات للناطفي) وفيها : بعض مشائخ بلخ وأبو القاسم الصفار وإسمعيل الزاهد وأئمة بخارى و بعض أئمة سمرقند كانوا يفتون بعدم الفرقة بردتها حسماً لباب المعصية.

وفي الجامع الأصغر: كان شاذان وأبو نصر الدبوسي يفتيان بأنها لا تبين (شرح الصباغي) وفيها: المرتدة ما دامت في دارالإسلام فإنها لا تسترق في ظاهر الرواية.

وفي النوادر عن أبي حنيفة أنها تسترق (مجد الأئمة الترجماني) ثم قال ولو كان الزوج عالماً استولى عليها بعد الردة فتكون فيئاً للمسلمين عند أبي حنيفةؒ ثم يشتريها من الإمام أو يصرفها إليه إن كان مصرفاً، فلو أفتى مفت بهذه الرواية حسماً لهذا الأمر لا باس به.

قلت: وفي زماننا بعد فتنة التتر العامة صارت هذه الولايات التي غلبوا عليها وأجروا أحكامهم فيهم كخوارزم وماوراء النهر وخراسان ونحوها صارت دارالحرب في الظاهر، فلو استولى عليها الزوج بعد الردة يملكها( ١ )و لا يحتاج إلى شرائها من الإمام، فتبقى في يده بحكم الرق حسماً لكيد الجهلة، ومكر المكرة على ما أشار إليه في السير الكبير(قنية الفتاوى ص ٨٠ باب نكاح الكافر).

قال الشامي بعد نقل هذه العبارة من القنية: قوله (يملكها) مبنيّ على ظاهر الرواية من أنها لا تسترق مادامت في دارالإسلام، ولا حاجة إلى الإفتاء برواية النوادر لما ذكره من صيرورة دراهم دار حرب في زمانهم، فيملكها بمجرد الاستيلاء عليها، لأنها ليست في دارالإسلام فافهم (رد المحتار مع الدر المختار كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب الصبي والمجنون ليسا

( ١ )فيه أن الإحراز بدار الإسلام شرط الاستيلاء، كما صرح به الشامي في باب الاستيمان حيث قال ولا يملك قبل الإحرا زبدارنا فكيف يصح القول بالملك ههنا فليتأمل، ويمكن أن يجاب بأن الإحرار بدارنا يكون شرط التمليك للمستأمن لا لمن يسكن في دارالحرب ١٢ منه

بأهل...... ج:٣، ص:١٩٥، مطبع دار الفكر بيروت).

(٨) وفي شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري: وفي المضمرات: لو أفتى لامرأة بالكفر لتبين من زوجها فقد كفر قبلها، وتجبر المرأة على الإسلام، وتضرب خمسة وسبعين سوطاً، وليس لها أن تتزوج إلا بزوجها الأول، هكذا قال أبوبكر، وكان أبوجعفر يفتي بها ويأخذ بهذا انتهى

وقال بعضهم: إن ردتها لا تؤثر في إفساد النكاح، ولا تؤمر بتجديد النكاح حسماً لهذا الباب عليهن، وعامة علماء بخاري يقولون كفرها يعمل في إفساد النكاح، لكنها تجبر على النكاح مع زوجها قطعاً، وهذا فرقة بغير طلاق بالإجماع، وعليها الفتوى كذا في منهاج المصلين (شرح فقه اكبر مجتبائى ص ٢٢١)

(٩)وفي باب المرتد من الدر المختار

وليس للمرتدة التزوج بغير زوجها ،به يفتي( قال الشامي تحته) وقد أفتى الدبوسي والصفار وبعض أهل سمرقند بعدم وقوع الفرقة بالردة رداً عليها وغيرهم مشوا على الظاهر، ولكن حكموا بجبرها على تجديد النكاح مع الزوج، وتضرب خمسة وسبعين سوطاً، واختاره قاضيخان للفتوى ( رد المحتار مع الدر المختار، ج:٤، ص:٢٥٣، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب: لو تاب المرتد هل تعود حسناته؟ مطبع دار الفكر بيروت لبنان).

## رفع الاشتباه

ولا يختلج في صدرك أن قول البلخيين بعد الاشتباه يصادم نص الكتاب من قوله تعالى" ولا تمسكوا بعصم الكوافر" لأنا نقول: إن النص إنما ورد في إسلام الزوج وبقاء الزوجة على الكفر فمسألتنا هذه أعني ارتداد الزوجةغير داخل فيه نصاً، بل للاجتهاد فيه مساغ،

قال في التفسير الأحمدي: ثم منع الله المؤمنين عن نكاح المشركات حيث قال: (ولا تمسكوا بعصم الكوافر، يعنى ولا تمسكوا بما

يعتصم به الكافرات من عقد وسبب أى لا تدخلوا الكافرات تحت نكاحكم عل ما قدمه الإمام الزاهد، والأولى أن يحمل الإمساك على حالة البقاء دون الابتداء، والمراد النهى عن إبقاء نكاح التى بقيت في دارالحرب أو لحقت بدار الحرب مرتدة على ما قاله صاحب الكشاف والمدارك، فالمعنى لاتحفظوها تحت تصرفكم

وفي البحر المحيط ص ٢٥٨ ج ١

قال ابن عطية: هذه الآية كلها أى قوله تعالى (يأيها الذين آمنوا إذا جاءكم المؤمنات الخ)قد ارتفع حكمها، وفيه أيضاً قال ابن العربى "كان هذا حكم الله تعالى مخصوصاً بذلك الزمان في تلك النازلة خاصة بإجماع الأمة .

لايقال: إن بقاء نكاح المرتدة وإن لم يصادمه النص، ولكن دلالة النص تعارضه، لأنا نقول: إن مسألتا هذه لا تدخل تحت دلالة هذاالنص أيضاً فإن دلالة النص لا يطلق إلا على مايستفاد من النص لغة بحيث يفهمها عامة أهل اللغة، وفسخ النكاح بالارتداد لم يزل عرضة للاجتهاد، فانكره القاضى ابن أبي ليلى مطلقاً، كما في مبسوط السرخسى ص ٤٩ ج ٥) وبه قال داؤد الظاهرى: كما عزاه إليه ابن قدامة في المغنى (ص ٥٦٤ ج٧)و قال الشافعىؒ وأحمدؒ في إحدى الروايتين إن الإرتداد إذا وقع بعد الدخول يتوقف فسخ النكاح على انقضاء العدة كما صرح به في فتح القدير فلو كان فسخ النكاح بالارتداد مدلول النص، فلا يخفى على مثل هؤلاء الأئمة الأجلة ولهذا لم نجد في شيء من الكتب أن الذين اختاروا ظاهر الرواية ينكرون على أئمة بلخ وسمرقند بمصادمة النص، فإنه لوكانت فتويهم مخالفة للنص، لنبّهوا عليها وردوها على أكمل وجه وأتمه.

وإن قيل: إن نص الآية ودلالته وإن لم يشمل ما نحن فيه، ولكنه ملحق بالمنصوص قياساً، قلنا: ذلك ماكنا نبغ، فقد ثبت به أن للاجتهاد فيه مساغا ، فلا لوم على من لم يلحقه بالمنصوص لفارق بينهما، وهو أن

الـمـوجب للفسخ في المنصوص هوالإباء عن الإسلام أوالبقاء على الكفر جـزاء لـفـعـلـه، ولا خفاء في أن الارتداد بعد الإسلام أشد وأقبح من البقاء عـلى الـكـفـر الأصـلـي والإ بـاء عـن الإسـلام فيقتضي جزاء أشد وأنكل فـكيف يقاس الأشد على الأخف، ولا شک أن الحكم بفسخ النكاح في المرتدة مع اختيار ها في ابتغاء الأزواج وتركها سدى بحيث تذهب إلى حيـث شـاء ت وتتـزوج بـمـن شـاء ت كما في الكافرة الأصلية ليس من العقوبة والنكال في شيء بل هوعين مرضاها ومرماها، نعم الحكم بعدم الفسخ على وجه المعاقبة جزاء بما اكتسبت من ارتدادها أغلظ وأقرب للانزجار، وهي أولى به انتهى

هذا محصل تحقيق علماء سهارنفور مدفيوضهم العالية

قـلـت: فـإن خـالـج فـي قـلبـک أن الـعبـرة لعموم الفظ لا لخصوص السبب والـفـظ عـام فيشمل ما نحن فيه، ويخالفه فتوى علماء بلخ فازحه بأن الـمـراد فـي هـذا الأصـل الـعـمـوم الـذي لا يجاوز مراد المتكلم المفهوم من الـقـرائـن لا العموم المطلق، وإلا لزم القول بالنهي عن الصوم في السفر مطلقاً لـحـديـث "لـيـس مـن البر الصيام في السفر" واللا زم منتف، وههنا ليس مراد الـمتكلم العموم لما نحن فيه ودليله نفس أجزاء الآية من قوله تعالى: **وأسألوا مـا أنـفقتم وليسألوا ما أنفقو** (سورة مـمـتـحـنة) أو قوله تعالیٰ **"وإن فاتكم شيء من أزواجكم فعاقبتم فأتوا الذين ذهبت أزواجهم مثل ما أنفقوا"** (سورة مـمـتـحـنـة: ١١) فإن هذا الأحكام ليست عامة لما نحن فيه، يدل على عدم العموم الإجماع كما مر عن ابن العربي.

## روایات مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہو گیا

کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں مذہب حنفیہ میں تین قول ہیں۔

ایک ظاہر الروایۃ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح تو فوراً فسخ ہو جائے گا لیکن پھر اس کو حبس وقید کر کے تجدید اسلام پر بھی اور اس پر بھی مجبور کیا جائے گا کہ وہ

اپنے پہلے ہی خاوند سے تجدید نکاح کرلے، جیسا کہ عبارت قاضی خان نمبر۲ اور عالمگیری کی عبارت نمبر۳ اور عبارت درمختار وشامی نمبر۹ میں اس کی تصریح ہے کہ ظاہر الروایۃ جس میں فسخ نکاح کا حکم دیا گیا ہے اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ عورت کو تجدید اسلام اور شوہر اول سے تجدید نکاح پر بزور حکومت مجبور کیا جائے گا، خواہ اس کے مرتد ہونے کی غرض خاوند اول سے علیحدہ ہونا ہی ہو یا حقیقۃ اس کے عقائد بدل گئے ہوں، دونوں صورتوں میں اس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا۔

**كما صرح به الشامي حيث قال "ولا يلزم من هذا أن يكون الجبر على تجديد النكاح مقصوراً على ما إذا ارتدت لاجل الخلاص منه، بل قالوا ذلک سداً لهذا الباب من أصله، سواء تعمدت الحيلة أم لا ،كيلا تجعل ذلک حيلة (رد المحتار مع الدر المختار كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ج:۳، ص:۱۹۴، مطبع دار الكفر بيروت لبنان).**

دوسرا قول مشائخ بلخ وسمرقند اور بعض مشائخ بخارا، اسمٰعیل زاہد اور ابوالنصر الدبوسی اور ابوالقاسم صفار کا فتوی ہے کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا بلکہ بدستور یہ عورت شوہر سابق کے نکاح میں رہتی ہے، جیسا کہ عبارت فتح القدیر نمبر۱ و عبارت قاضی خان نمبر۲ و عبارت درمختار نمبر۴ و عبارت شامی نمبر۵ و۶ و عبارت قنیہ نمبر۷ اور عبارت شرح فقہ اکبر نمبر۸ میں اس کی تصریح ہے۔

تیسرا قول وہ نوادر کی روایت ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے کہ یہ عورت دارالاسلام (۱) میں بھی کنیز بنا کر رکھی جائے گی اور اس کے خاوند کا قبضہ اس پر بدستور سابق باقی رہے گا، لیکن اس روایت میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مرتدہ دارالاسلام میں ہو تو اس کا خاوند اس کو امام المسلمین سے قیمت دیکر خریدے گا، یا اگر امام المسلمین اسکو مصرف سمجھیں گے تو اسکو مفت بھی دیدیں گے، بہر حال امام کی اجازت کے بغیر اس کو اپنے قبضہ میں لانا جائز نہ ہوگا، اور اگر

---

(۱) تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر عورت مرتد ہوکر دارالحرب میں چلی جائے یا دارالحرب میں ہی مرتد ہو، تو اس کو کنیز بنانے پر ظاہر الروایۃ بھی متفق ہے، نوادر اور ظاہر الروایۃ کا اختلاف صرف اس میں ہے کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے بھی کنیز بن سکتی ہے یا نہیں جیسا کہ فتح القدیر اور قنیہ کی عبارت مذکورہ سے واضح ہے ۱۲ منہ

دارالحرب میں ہے تو اذن امام کی حاجت نہیں، بلکہ جب خاوند اس پر قبضہ (۱) پالے تو اس کی ملک ہو جائے گی، اجازت امام وغیرہ کی کچھ حاجت نہیں، جیسا کہ عبارت قنیہ نمبر ۷ میں اس کی تصریح ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عورت اگر مرتد ہو جائے تو اس کے نکاح کے بارے میں حنفیہ کے تین قول ہیں۔

ایک یہ کہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے، لیکن بعد تجدید اسلام اس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا کسی دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار نہ دیا جائے گا یہ ظاہر الروایہ ہے۔

دوسرا یہ کہ نکاح فسخ ہی نہ ہوگا بلکہ وہ دونوں بدستور میاں بیوی (۲) رہیں گے۔

تیسرا یہ کہ عورت کو کنیز بنا کر رکھا جائے گا۔

**ان تینوں اقوال میں اگرچہ کچھ اختلاف ہے لیکن اتنی بات پر تینوں متفق ہیں کہ عورت کو کسی طرح یہ حق نہ دیا جائے گا کہ وہ اپنے پہلے خاوند کے نکاح سے علیحدہ ہو کر دوسری جگہ نکاح کرلے، اس لئے یہ بات متفق علیہ ہوگی کہ عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا ہرگز اختیار نہ ہوگا،**

اب ہندوستان میں بحالت موجودہ اس متفق علیہ حکم پر عمل کرنا پہلی روایت کو اختیار کرتے ہوئے غیر ممکن ہے، کیونکہ فسخ نکاح کا حکم دیدینے کے بعد پھر تجدید نکاح پر مجبور کرنے والی کوئی قوت مسلمانوں کے پاس موجود نہیں، اور جہاں موجود ہوتی ہے وہاں بھی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، جیسا کہ شامی کی عبارت مندرجہ نمبر ۵ میں بیان کیا گیا ہے، اس لئے پہلے قول یعنی ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا ہندوستان میں بحالت موجودہ غیر ممکن ہوگیا، کیونکہ اس کے ایک جزء پر عمل کرنا اگرچہ اختیار میں ہے لیکن دوسرا جزء یعنی تجدید اسلام اور تجدید نکاح پر مجبور کرنا قطعاً اختیار میں نہیں، اور نوادر کی روایت پر عمل کرنا تو ظاہر الروایۃ سے بھی زیادہ مشکل، بلکہ بحالت موجودہ غیر ممکن ہے اس لئے اب بجز اس کے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کو اختیار کر کے اسی پر فتوی

(۱) واذكر ما مر منا في الحاشية على عبارة القنية من أن القواعد تقتضي اشتراط الأحراز بدار الإسلام في الاستيلاء ۱۲ منه

(۲) لیکن اس روایت پر فتوی دینے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح سے قبل شوہر کو استمتاع یعنی صحبت وغیرہ کی اجازت نہ دی جائے جیسا کہ متن میں بھی مسائل ضروریہ کے زیر عنوان عنقریب آتا ہے ۱۲ منہ

دیا جائے کوئی چارہ نہ رہا، اور صاحب نہر کو اگرچہ ان مشکلات کا سامنا نہ تھا جو آج ہم پر گذر رہی ہیں، مگر وہ اپنے وقت میں اسی روایت پر فتوی دینے کو تجویز فرماتے ہیں، اور اس کے خلاف کرنے کو سخت مشکل میں ڈالنا قرار دیتے ہیں، جیسا کہ عبارت شامی نمبر ۵ میں ان کی عبارت نقل کی گئی ہے، اور علامہ شامی بھی اس فتوی کی مخالفت نہیں کرتے، اور جو کچھ فرمایا ہے وہ روایت نوادر پر قدرت ہونے کے وقت فرمایا ہے، اور جب اس پر قدرت نہ ہو تو ان کے نزدیک بھی مشائخ بلخ وسمرقند کے قول پر فتوی دینا متعین ہے، اسی طرح دوسرے فقہاء بھی اس قول کو نقل کر کے تردید نہیں کرتے۔

## بیوی کے ارتداد سے نکاح فسخ نہیں ہوتا

پس ہندوستان میں بحالت موجودہ کہ حکومت مسلمانوں کی نہیں، اس کے سوا مذہب حنفی پر عمل کرنا غیر ممکن ہے، کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کے موافق یوں فتوی دیا جائے کہ عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا، بلکہ بدستور باقی رہتا ہے۔

## بعض ضروری مسائل

### مسئلہ-۱

مشائخ (۱) بلخ کے قول کے موافق جب کہ بقاء نکاح کا فتوی دیا جائے تو ساتھ ہی اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ تجدید اسلام سے پہلے کے لئے اس مرتدہ سے استمتاع یعنی جماع اور اس کے دواعی مثل تقبیل ولمس بالشہوۃ وغیرہ کو جائز نہ کہا جائے، کیونکہ آیت کریمہ ''**لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن**'' سے کافر عورتوں کے ساتھ نکاح اور استمتاع کا حرام ہونا ظاہر ہے، اور اس پر اجماع بھی ہے، اور کتابیہ کا استثناء جو آیت'' **والمحصنات من الذین أوتوا الکتاب**'' میں وارد ہوا ہے اس سے کتابیہ اصلیہ مراد ہے، وہ مرتدہ اس میں داخل نہیں جس نے اہل کتاب کا مذہب اختیار کرلیا ہو۔

اور قول مذکور پر بقاء نکاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ حالت کفر میں صحبت وجماع ودواعی

---

(۱) اسی طرح روایت نوادر یعنی استرقاق کی صورت میں بھی گو قبضۂ مالکانہ خاوند کا اس پر ہو جائے گا، لیکن استمتاع جائز نہ ہوگا، جیسا کہ مشترک باندی سے باوجود قبضۂ مالکانہ کے استمتاع جائز نہیں ۱۲ منہ

جائز رہیں، فقہ احناف میں ایسے نظائر موجود ہیں کہ باوجود صحت نکاح وبقاء نکاح کے جماع ودواعی جماع حرام ہوتے ہیں، جیسے موطوءۃ بالشبہہ کہ اس کا نکاح بدستور سابق قائم ہے، مگر عدت گذرنے تک اس سے ہم بستری وغیرہ بالکل حرام ہے، اسی طرح وہ عورت جو زنا کی وجہ سے حاملہ ہو، اگر غیر زانی سے نکاح کرلے تو گو نکاح صحیح ہوجاتا ہے، مگر شوہر کو صحبت جائز نہیں ہوتی۔

## مسئلہ-۲

حلت استمتاع کے لئے تجدید اسلام کا شرط ہونا تو آیت مذکورہ اور اجماع وغیرہ سے مسئلہ اولی میں ثابت ہوچکا ہے، پھر تجدید اسلام کے بعد ظاہر الروایۃ کے موافق تجدید نکاح بھی ضروری ہے، بغیر اس کے استمتاع جائز نہیں، مگر مشائخ بلخ کے قول پر تجدید نکاح شرط نہیں، جیسا کہ عبارت شرح فقہ اکبر نمبر ۸ میں اس کی تصریح گذری ہے

لیکن اس خاص جزء میں ظاہر الروایۃ کو ترک کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں، لہذا تجدید نکاح کو بھی ضروری کہا جائے گا کہ اسی میں احتیاط ہے۔

## مسئلہ-۳

صورت مذکورہ میں تجدید نکاح کے لئے عدت گذرنا ضروری نہیں (کما هو ظاهر) لیکن تھوڑا سا مہر جدید ضروری ہے، جو دس درہم سے کم نہ ہو، جیسا کہ فتح القدیر نمبر ا وغیرہ کی عبارات گذشتہ سے معلوم ہوچکا ہے، اور مہر سابق کا بدستور واجب فی الذمہ رہنا ظاہر ہی ہے، البتہ اگر قبل خلوت صحیحہ مرتد ہوگئی ہو تو مہر سابق ساقط ہوجاتا ہے۔

## خلاصہ فتوی

اس مجموعہ سے خلاصہ اس فتوی کا یہ حاصل ہوا کہ عورت بدستور سابق اسی خاوند کے قبضہ میں رہے گی، کسی دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں،

لیکن جب تک تجدید اسلام کرکے تجدید نکاح نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ جماع اور دواعی جماع کو جائز نہ کہا جائے گا۔

**واللّٰہ سبحانه وتعالى أعلم، وهو المستعان، وعليه التكلان والحمدللّٰہ**

الذي بعزته وجلاله تتم الصالحات.

كتبه العبد الضعيف

محمد شفيع الديوبندى

عفا الله عنه وعافاه ويجعله كما يحب ويرضاه

خادم دار الفتيا بدار العلوم الديوبنديه.

أول الربيعين من سنة ١٣٥٢

اثنتين وخمسين بعد ثلثمأة وألف.

# تصدیقات

حضرات علماء امداد العلوم تھانہ بھون ودارالعلوم دیوبند ومظاہرعلوم سہارنپور جو میاں بیوی میں سے کسی ایک کے ارتداد کے احکام کی ترتیب وتہذیب وتصحیح وتنقیح میں شریک رہے۔

## ازامدادالعلوم تھانہ بھون

## (مہرمدرسہ امدادالعلوم تھانہ بھون)

(۱) **الأحکام کلها صحیحة** اشرف علی ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

(۲) عورت کے مرتد ہونے سے فسخ نکاح نہ ہونے پر جو کچھ جناب مفتی صاحب مدفیوضہم نے تحریر فرمایا ہے وہ بالکل درست ہے اس تحقیق انیق کی خاص جامعیت اورضرورت کو دیکھ کر بیساختہ دل سے نکلتا ہے **لله در المجیب، أجاد وأصاب فیما أفادو أجاب**

کمترین خلائق احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ

مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۴/ رمضان المبارک ۱۳۵۲

(۳) **طالعت هذه الضمیمة الفخیمة، وتشرفت بتوسم هذه الدرة الیتیمة، فلله در من أخرجها من الصدف الأنیق واستخرجها من البحر العمیق وأنا موافق لجمیع ما في الباب ومسرور بضم هذه الضمیمة بأصل الکتاب والله أعلم بالصواب**

**حرره بقلمه العبد المذنب**

ظفر احمد عفاعنہ۔ ۲۶/ رمضان ۱۳۵۲ ہجری

(۴) **الجواب صواب** سراج احمد امروہی مدرس خانقاہ امدادیہ۔

## ازمدرسہ عالیہ دارالعلوم دیوبند

## (مہر دارالافتاء جامعہ اسلامیہ دیوبند)

(۱) الجواب صحیح ۔ حسین احمد غفرلہ
(۲) بالکل صحیح و درست ہے، فقیر سید اصغر حسین عفا اللہ عنہ مورخہ ۱۵/ جمادی الاولی ۲ ۱۳۵ھ
(۳) الجواب صحیح ۔ بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ
(۴) الجواب صحیح ۔ محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ
(۵) الجواب صحیح ۔ عبد السمیع عفی عنہ
(۶) الجواب صحیح ۔ مسعود احمد عفا اللہ عنہ
(۷) الجواب مصیب ۔ ریاض الدین عفی عنہ
(۸) احقر العباد محمد طیب غفرلہ

## ازمدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور

## (مہر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)

(۱) الجواب صحیح ۔ عبد اللطیف عفا اللہ عنہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم
۱۲/ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ
(۲) الجواب صحیح ۔ محمد زکریا کاندھلوی مدرس مدرسہ مظاہر علوم
(۳) الجواب صواب ۔ بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ مدرس مدرسہ سہارنپور
(۴) الجواب صحیح ۔ بندہ محمد اسعد اللہ عفا اللہ عنہ

## تمت الضمیمة

نوٹ: اس ضمیمہ کے شروع کے دو ورق کے بعد جہاں یہ عنوان ہے: ’’چوتھا احتمال‘‘ اس عنوان کے اخیر میں فائدہ کے تحت میں ان تصدیقات کے متعلق ایک مضمون ہے اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے ۱۲ منہ

# تمت الضميمة

وسيتلوها مجموعة الفتاوى المالكية
التي هي مأخذ أصل الرسالة
الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة

(چوتھا رسالہ)

# وهـــــذه

# مجموعة الفتاوىٰ المالكية

## لأرباب الفتوىٰ من علماء المدينة المنورة التى وعدنا في التمهيد أن نلحقها بآخر الرسالة مع عدد الروايات التي أخذنا ها ليتيسر الرجوع إلى أصلها

ترتیب حکیم الامت: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

# الاستفتاء
# من العلماء المالكية أولاً

ما قول ساداتنا المالكية أطال الله بقاء هم ونفع المسلمين بعلومهم في هذه المسائل الآتية:

١- امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبين أمره مع كثرة التفتيش والتنقير، هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة، ثم تتزوج بزوج آخر أم لا بد من رفع الأمر إلى الوالى أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع إليه، فاذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين، فإن لم يتبين تعتد عدة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم؟

٢- هل يلزم حكم الحاكم أوحكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين، أم يصح ذلك بغير الحكم أيضا .

٣- بلاد إسلامية استولى عليها الكفار منذ مدة مديدة، وفقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها، وليس هناك حاكم إسلامي يفصل الأحكام حسب القوانين الشرعية، كيف السبيل هنالك، وفي أى قسم من الأقسام الأربعة المذكورة للمفقود في مختصرالخليل يكون عداده ، وهل يصح للمرأة هناك بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط.

٤- هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة في مختصرالخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الإسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركيةو فقد هناك أم تشتمل القاطنة بالبلاد التي استولىٰ عليها الكفار وبالديار

الحربية الأصلية أم كيف الأمر ؟

٥- المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الإسلامية أو الشركية إذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهي في غاية عن الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف السبيل لها إذا أرادت التزوج أو أراد أهلها ذلك .

٦-المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عندها النفقة وهي محتاجة أو يخشى عليها من الفساد ، هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها من غير حكم الحاكم الشرعي أم لا بد من الحكم وعلى الثاني كيف يعمل بالبلاد الإسلامية التي تغلب عليها الكفار ، أفيدونا ولكم الأجر الجزيل .

# الجـــــواب
# من العلامة سعيد بن صديق الفلاتي
# دامت بركاتهم
# مفتي المالكية بالمدينة المنورة زادها الله نوراً

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب والله أعلم بالصواب ومن فضله نرتجي الثواب هو أن نصوص المذهب مطبقة على أن المفقود على ستة أقسام كما ستمر مفصلة الأحكام وعلى أن زوجته لا بد لها من الرفع للقاضي أو الوالي أو من يقوم مقامهما عند عدمهما من والي الماء أو جماعة المسلمين ، لأنهم يقومون مقام الحاكم العدل عند عدمه ولكن عند وجود الثلاثة لا ترفع إلا للقاضي فإن رفعت لغيره مع التمكن من الرفع له حرم عليها ذلك وإن مضى ما فعله إن كان هو الوالي لا جماعة المسلمين هذا ما يظهر من كلام ابن عرفة كما قاله الأجهوري.

وأما لو رفعت لجماعة المسلمين مع وجود الوالي فالظاهر مضى فعلهم وفي السنهوري وتبعه اللقاني أن ظاهر كلام خليل أن الثلاث في مرتبة واحدة فهو كذلك إلا أن القاضي أضبط ووجود القاضي أو غيره ممن ذكر مع كونه يجورأو ياخذ المال الكثير بمنزلة عدمه فترفع لجماعة المسلمين من صالحي جيرانها وعدولهم وغيرهم لأنهم كالإمام عند عدمه وما يفهم من تعبيرهم بجماعة المسلمين أن الواحد لا يكفي وكذا الإثنان وبه صرح الاجهوري.

فعلم أنها إن أرادت الرفع في شان زوجها ووجدت الثلاثة وجب الرفع للقاضي فإن رفعت لغيره حرم وصح، وإن رفعت لجماعة المسلمين لم يصح، وإن

لـم يكن قاض خيرت فيهما فإن رفعت لجماعة المسلمين صح على الظاهر وإن لم يوجد واحد من الثلاثة رفعت لجماعة المسلمين وأهلها منهم وكذا القضاة والامناء الـمولون للأحكام من الكفار المستولين على بلاد المسلمين لحجز الناس بعضهم عـن بـعـض فـقـد ادعـى بـعـض أهل المذهب أنه واجب عقلا وإن كان باطلا، تولية الـكـافر لهؤلاء القضاة أما بطلب الرعية له إذا قامته لهم للضرورة لذلك فلا يطرح حـكـمهـم بـل يـنـفـذ كما لو ولاهم سلطان مسلم فتمضى أحكامهم للضرورة ولئلا يزهد الناس في قبول توليتهم فتضيع الحقوق .

وفـي كتـاب الإيـمـان في مسألة الحالف ليقضينك حقك إلى أجل أقام شيـوخ الـمـكـان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية وعن مطرف وابـن الماجشون فيمن خرج على الإمام وغلب على بلد فولي قاضيا عدلا فأحكامه نـافذة وقـال ابـن عـرفة لـم يـجـعـلوا قبول الولاية للمتغلب المخالف للإمام جرحة لخوف تعطيل الأحكام .

[١] وأما المفقود في بلاد الإسلام فقد عرف ابن عرفة بقوله" هو من انقطع خبـره مـمكـن الـكشف عـنـه" فـالأسير ونحوه ممن لا يمكن الكشف عنه لا يسمى مـفـقودا في اصطلاح الفقهاء فالمفقود في بلاد الإسلام في غير مجاعة ولا وباء إن لم تـرض زوجته بالصبر إلى قدومه فلها أن ترفع أمرها إلى الخليفة أو القاضى أو من يقوم مـقـامهـمـا في عدمهما ليتفحصوا عن حال زوجها بعد أن تثبت الزوجية وغيبة الزوج والبـقـاء في العصمة إلى الآن، وإذا ثبت ذلك عندهم كتبوا كتابا مشتملا على اسمه ونسبـه وصـفته إلى حاكم البلد الذي يظن وجوده فيه وإن لم يظن وجوده في بلد بعينه كتـب إلـى البـلـد الـجـامـع واستـقـرب ابن ناجى أن أجرة الرسول الذي يفحص عن المفقود على الزوجة، فإذا انتهى الكشف ورجع إليه الرسول وأخبره بعدم وقوفه على خبـره فـالـواجـب أن يـضـرب له أجل أربع سنين للحر وسنتان للعبد ، وهذا التحديد محض تعبد لفعل عمر بن الخطاب وأجمع عليه الصحابة .

ومحل التأجيل المذكور إن كان للمفقود مال تنفق منه المرأة في الأجل ويزداد على ذلك عدم خشيتها الزنا بلا وطى لشدة ضرر ترك الوطى الناشى عنه الزنا ألا ترى أنها لو أسقطت النفقة عن زوجها يلزمها الاسقاط وإن أسقطت عنه حقها في الوطى لا يلزمها ولها أن ترجع وأيضا النفقة يمكن تحصيلها من غير الزوج بتسلف ونحوه بخلاف الوطأ وان دامت النفقة ولم تخش الفتنة فيؤجل الأجل المذكور من يوم ترفع ذلك للحاكم ويرسل في النواحي للكشف عنه ولا يضرب له الاجل بمجرد الرفع بل بعد تمام الكشف وإلى جميع ما سبق أشار خليل بقوله "ولزوجة المفقود الرفع للقاضي والوالي ووإلى الماء وإلا فلجماعة المسلمين فيؤجل الحر أربع سنين إن دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وهي أربعة أشهر وعشرا للحرة ، وشهران وخمس ليال مع أيامها إن كانت رقيقة ويلزمها ما يلزم المتوفي عنها من الحداد زمن عدتها ولا نفقة لها في زمن عدتها".

وأما في مدة الأجل فتنفق من مال الزوج وإليه أشار خليل بقوله وسقطت بها النفقة وليس لها البقاء بعد انقضاء العدة في عصمة المفقود لأنها أبيحت لغيره ولا حجة لها في أنه أحق بها أن قدم، لأنها على حكم الفراق حتى تظهر حياته إذ لوماتت بعد العدة لم يوقف له إرث منها.

وأما إن لم يكن له مال فلها التطليق عليه بالأعسار من غير تأجيل، لكن بعد إثبات ما تقدم وتزيد إثبات العدم واستحقاقها للنفقة وتحلف مع البينة الشاهدة لها أنها لم تقبض منه نفقة هذه المدة ولا أسقطها عنه وبعد ذلك يمكنها الحاكم من تطليق نفسها بأن توقعه ويحكم به أو يوقعه الحاكم.

[٢] ومثل المفقود من علم موضعه وشكت زوجته عدم النفقة يرسل إليه الحاكم إما أن تحضر أو ترسل النفقة أو تطلقها وإلاطلقها الحاكم بل ولو كان حاضراً وعدمت النفقة، ثم بعد الطلاق تعتد عدة الطلاق بثلاثة أقراء للحرة وقرئين

للأمة في من تحيض وإلا فثلاثة أشهر للحرة والزوجة الأمة لاستوائهما في الأشهر .

[٣] وأما زوجة مفقود أرض الشرك ومثلها زوجة الأسير فإنهما يبقيان لانقضاء مدة التعمير، وأولى مالهما.

واختلف في قدرها فقيل سبعون سنة وهو قول الإمام مالك وابن القاسم وأشهب، قال القاضي عبد الوهاب وهو الصحيح، وقيل ثمانون سنة ،وحكم بخمس وسبعين سنة وإنما لم يضرب لهما أجل كزوجة مفقود أرض الإسلام لتعذر الكشف عن زوجها ومحل بقائهما إن دامت نفقتهما كغيرهما وإلا فلهما التطليق .

وأما زوجة المفقود في القتال الواقع بين المسلمين والكفار ، فإنها تعتد بعد مضي سنة كاملة بعد الفحص عن حاله .

أما زوجة المفقود في معترك المسلمين فتعتد بعد الفراغ من القتال والاستقصاء في الكشف عنه ولا يضرب لها أجل لأنه يحمل أمره على الموت، ولذلك يقسم ماله حين شروعها في العدة، أما لو شهدت البينة علي أنه خرج من الجيش ولم تشاهده في المعترك فإنه يكون كالمفقود في بلاد المسلمين فيجرى في زوجته ما تقدم،

وأما زوجة المفقود في زمن المجاعة أو الوباء أوالكبة أو السعال، فتعتد بعد ذهاب ذلك المرض، وبقي من شك في حاله هل فقد في بلاد المسلمين أوالكفار لانص في حاله قال الأجهوری وینبغی العمل بالأحوط، فتعامل زوجته معاملة مفقود أرض الشرك بخلاف من سافر في البحر فانقطع خبره فسبيله سبيل المفقود إلا أن يكون فقد في شدة ريح والمراكب في المرسى ولم يتبين له خبره فيحكم بموته لغلبة الظن بغرقه، هذا ملخص أحكام المفقود بأقسامه ، حرره في ٧ جمادى الاؤلى سنة ١٣٤٧ سعيد بن صديق أحسن الله إليه في الفانيه والدائمة ومن عليه وعلى المسلمين بحسن الخاتمة .

# الجـــواب

## من العلامة ألفاهاشم رحمه الله تعالى

## مفتي المالكية بالمدينة المنورة زادها الله شرفا

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لمستحقه واتم الصلوة والتسليم على خير خلقه وآله وصحبه وتابع ما وصي به .

أما السؤال الأول عن مسلمة فقدت زوجها سنين، وبولغ في التفتيش عنه ليستبين فلم ينفع ذلك، ولم يظهر أسالم هو أم هالك؟ فجوابه: إذاكان الفقد في أرض الإسلام وله مال ينفق منه على زوجته المتروكة في المقام، هو ما في المؤطا والمدونة وغيرها عن مالك عن يحيى بن سعيد أن عمربن الخطاب رضى الله عنه قال أيما امرأة فقدت زوجها فلم تدر، أين هو؟ فإنها تنتظر أربع سنين ثم تعتد أربعة أشهروعشراً ثم تحل.

وعن ابن وهب أن عمر عمل بذلك، ورواه الأئمة مالك والشافعي وأحمد وابن أبي شيبة، والبيهقي والدارقطني عن عمر وعثمان وعلى وابن عباس وابن زبير رضى الله عنهم .

[٤] وقال مالك ينفق على امرأة المفقود من ماله في الأربع سنين لا في العدة، وقال لا يقسم ميراث هذا المفقود حتي ياتي موته أو يبلغ من الزمان مالا يحيى مثله، وهو سبعون أو خمس وسبعون أو ثمانون ، ذكره الشيخ خليل وغيره.

وفي هذا قال الناظم محمد ابن عاصم في تحفة الحكام .

ومن بأرض المسلمين يفقد    فأربع من السنين الامد
وباعتداد الزوجة الحكم جرى    مبعَّضاً والمال فيه عمرا

وقول السائل هل تعتد لنفسها بعد الأربعة الأعوام عدة الوفاة أم ترفع أمرها للحكام أو جماعة الإسلام فجوابه ما في مدونة سحنون، قلت أرأيت امرأة المفقود أتعتد لأربع سنين في قول مالك بغير أمر السلطان؟ قال ابن القاسم قال مالك لا، وإن أقامت عشرين سنة، ثم ذكر أنها ترفع أمرها للسلطان، فيبحث عنه، وبعد اليأس تضرب أربع سنين، وفي مختصر الشيخ الخليل المالكي وشروحه وحواشيه أن لزوجةالمفقود الرفع للقاضى والوالي و والي الماء، أى جابي الزكاة، وإلا فلجماعة المسلين قيل أقلهم ثلاثة من الصلحاء أو واحد عدل عارف يرجع إليه في المهمات والبرحاء، أما مفقود أرض الشرك والأسيرفلا يورث مالهما ولا تنكح زوجهما إلابعد التعمير.

[٥] وفي حاشية العدوي على الرسالة إن زوجة مفقود أرض الشرك وزوجة الأسير تبقيان مدة التعمير لتعذر الكشف عن زوجيهما إن دامت نفقتهما وإلا فلهما التطليق، كما إذا خشيتا على أنفسهما الزنا، ومثله في شروح المختصر.

وفيها اعتاق أم ولده بعد مها النفقة أيضاً دفعا للضرر أو تزوج بمن ينفق عليهما.

وفي هذا قال الناظم محمد بن عاصم :

وحكم مفقود بأرض الكفر | في غير حرب حكم من في الأسر
تعميره في المال والطلاق | ممتنع ما بقى الإنفاق

أما المفقود في حرب المسلمين مع بعضهم فيورث ماله وتعتد زوجته عدة الوفاة بعد انفصال الصفين ورجوع الخبر إلى البلدين، وفي ذلك قال الناظم محمد بن عاصم.

وحكم مفقود بأرض الفتن | في المال والزوجة حكم من فنى
مع التلوم لأهل الملحمة | بقدرما تنصرف المنهزمة

وأما المفقود في حرب المسلمين للكفار فتعتد زوجته عدة الوفاة ويقسم ما عنده من التركات بعد سنة وشئ من الانتظار، وفي ذلك قال الناظم محمد ابن عاصم:

وإن يكن في الحرب فالمشهور ... في ماله والزوجة التعمير
وفيه أقوال لهم معينة ... أصحها القول بسبعين سنة
وقد أتى القول بضرب عام ... من حين يأس منه لا القيام
ويقسم المال على مماته ... وزوجته تعتد من وفاته
وذابه القضاء في أندلس ... لمن مضى فمقتفيهم مؤنس

[٦] أما السؤال الثاني وهو هل يلزم حكم الحاكم أو جماعة المسلمين بانتظار الأربع سنين أو صح بلا حكم من مذكورين، فجوابه ما في شرح الدردير وحاشيته.

"إن رفعها أمرها للقاضي يجب، فإن رفعت لوالي السياسة أو والي الماء الجابي للزكاة مع وجود القاضي حرم عليها ذلك وصح الحكم ، وإن رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضي، بطل الحكم وإن لم يوجد قاض خيرت في الرفع للوالي أو الساعي، فإن رفعت لجماعة المسلمين مع وجودهما فالظاهر الصحة، أما إن كانوا جائرين بأخذ مال منها ظلماً ليكشفوا لها عن حال زوجها فلها الرفع لجماعة المسلمين، أما أجرة المبعوث لطلب الزوج فقيل على الزوجة وقيل على بيت المال و قيل إن كان لها مال فعليها وإلا فعلى بيت المال، وعند الحنابلة لا يفتقر في ضرب المدة إلى حاكم البلدة".

## فائدة عن المسئول عنه زائدة

عند الحنفية لا تطلق زوجة المفقود، ولا يورث ماله إلا بعد سن التعمير مائة وعشرين أو تسعين أو ثمانين أو سبعين أو ستين أو برأى حاكم المسلمين، وعند الحنابلةإن كان ظاهر غيبته السلامة، لا تطلق امرأته ولا

تـورث تـر كتــه إلابـعـد تسـعيـن سـنة وإن كــان ظــاهره الهلاک، فبعد أربع سـنيـن،وعـنـد الشـافعية في قول الشافعي القديم تطلق بعد أربع سنين ويورث بعد مدة لا يعيـش إلـى مثـلها، وفي الجديد لاتطليق ولا توريث إلا بعد ثبوت مـوته أو طلاقه لما رواه الشافعي عن علي رضى الله عنه: امرأة المفقود أبتليت فـلتصبر حتى يأتي يقين موته ولحديث: امرأة المفقود أمرأته حتى يأتيها البيان رواه الـدار قـطـنـي والبيهـقـي عـن المغيرة ابن شعبة، لكن الشافعية والحنابلة كالمالكية في جواز تطليقها بعدم النفقة .

وأمـا السـول الثـالـث عـن مسـلـمة فـقـدت زوجها في بلا د إسلامية إستـولـى الـكـافـر عليها وحازها وليس هناک حاكم إسلامي كيف تعمل إذا ارادت زواجهـا فـجـوابــه مـا فـي شـرح أقـرب المسـالک للدردير إن زوجة الـمفقود في أرض الإسلام تعتد عدة وفاة أن رفعت أمرها للحاكم إن كان ثمة حـاكـم أو لجماعة المسلمين عند عدمه ولو حكما، قال كما في زماننا بـمصر إذ لا حـاكـم فيهـا شـرعـيفيـكـفي الواحد من جماعة المسلمين إن كان عدلا عـارفـا، شـأنه أن يرجع إليه في مهمات الأمور بين الناس لا مطلق واحد، وعند الـحـنابلة لا تفتقر امرأة المفقود إلى حكم حاكم البلدة كما في كشاف القناع وشرح المنتهى للشيخ منصور الحنبلى.

وقـول السائل: وفي أى قسم للمفقود يكون هذا؟ جوابه أنه من الفقد فـي بـلاد الإسـلام إذا كانت شعائره فيها تقام وفي حاشية الصاوي والد سوقى إن بـلاد الإسـلام لا تـصيـر دار الحرب بأخذ الكفار لها بالقهر ما دامت شعائر الإسـلام قـائـمة بهـا وعـليه يكو ن اعتدادها عدة الوفاة بعد أربع سنين وانتهاء الـكشـوفـات ويـختص حكم المفقود بزوجته السـاكنة في بلاد الإسلام أو في التي استولي عليها الكفار مع إقامة شعائر الإسلام فيها بين الأنام، وأما السـاكنة في البلاد الحربية الأصلية فلا مولاة لنا معها في أمورها بالكلية .

أما السؤال الرابع عن فسخ نكاح المفقود بعدم النفقة في زمن التربص والقعود، فجوابه ما في شرح الدرير وعبد الباقي والخرشي وغيرها أن المفقود إنما يؤجل لامرأته ما دامت نفقتها وإلا طلقت عليه بعدم النفقة، وقضى صلى الله عليه وسلم في الرجل لا يجد ما ينفق علي امرأته بأن يفرق بينهما رواه الدارقطني، والبيهقي، وذكره مالك والشافعي وعلماء الحنابلة عن سعيد ابن المسيب وأخبر أن ذلک من السنة ،وعلي ذلک المالكية والشافعية والحنابلة، واستحسن متاخروالحنفية نصب غير حنفي يحكم بذلک للضرورة في حضور الزوج، ذكره صدر الشريعة والكواكبى وابن عابدين وغيرهم .

[٧] أما السوال الخامس عن فسخ نكاح امرأة المفقود بخشية الفساد والزنا، فجوابه ما في حاشية العدوى علي الرسالة والصاوى علي أقرب المسالک وشرحه للدردير أن ضرب الأجل لامرأة المفقود إنما هو إذا دامت نفقتها من ماله ولم تخش العنت والزنا، وإلا فلها التطليق بعدم النفقة أولخوف الزنا .

[٨] أما السوال السادس وهو هل يصح تطليقها أو الفسخ بغير حاكم شرعى وكيف العمل في ذلک في البلاد الإسلامية التى تغلب عليها الكفار بالقوة الظلامية؟ فجوابه ما في حاشية الصاوى المالكى علي أقرب المسالک وكتب الشافعية أن الفسخ بعدم النفقة ونحوها إنما يكون بحكم الحاكم أو المحكم وإن لم يكن حاكم فجماعة المسلمين العدول يقومون مقامه في ذلک، وفي كل أمر يتعذر فيه الوصول إلى الحاكم العادل، والواحد منهم كاف إن كان عدلا عارفاً يرجع إليه في المهمات عمرنا الله بخيره في الحياة وبعد الممات، وصلى الله وسلم على صاحب المعجزات والكرامات.

العبد الفقير محمد الشهير بالفا هاشم بن أحمد لا زال مع الإخوان في عناية الصمد .

## إلحاق

طريق تطليق زوجة المفقودأو الغائب الذي تعذر الإرسال إليه أو أرسل إليه فتعاند إن كان لعدم النفقة فإن الزوجة تثبت بشاهدين إن فلانا زوجها وغاب عنها ولم يترك لها نفقة ولا وكيلا بها ولا اسقطتها عنه، وتحلف علي ذلك، فيقول الحاكم فسخت نكاحه أو طلقتك منه أو يأمر ها بذلك ثم يحكم به، وهذا بعد التلوم بنحو شهر أو باجتهاده عند المالكية وفوراً أو متراخياً عند الحنابلة، وبعد ثلاثة أيام عند الشافعية، وإن كان لخوفها الزنا وتضررها بعدم الوطئ والعنا مع وجود النفقة والغنا فبعد صبرها سنة فأكثر عند جل المالكية وبعد ستة أشهر عند الحنابلة وفقنا الله إلى الأعمال الزكية .

العبد الفقير محمد ألفاهاشم

# الجـــــواب

## من العلامة محمد طيب بن إسحاق الأنصاري المالكي

## دامت بركاته

## المدرس بالمسجد النبوي على صاحبه الصلوة والسلام

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلوة والسلام علي رسوله وآله أما بعد .فالجواب عن المسألة الأولى هو ما فهمتم (ولا زلتم من أهل الفهم) من المدونة ومختصر الشيخ خليل من أن المفقود عنها زوجها لها من أحد أمرين إما أن ترضى المقام مع زوجها المفقود أو تريد المفارقة، فإن ارادتها فلا بدلها من رفع أمرها إما إلى القاضى أو إلى الوالي أو إلى والي الماء، وإن لم يوجدوا فلجماعة المسلمين من صالحى بلدها وجيرانها، وإما انها تعتد و تتزوج برجل آخر من غير رفع أمرها إلى القاضى أومن ذكر فلا قائل بحليته وجوازه لما فيه مما لا يخفي من الفسادونص المدونة:

قلت أى قال سحنون لابن القاسم أرأيت امرأة المفقود اتعتد الأربع سنين في قول مالك بغير أمر السلطان، قال قال مالك لا، قال مالك وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السطان نظر فيها وكتب إلى موضعه الذي خرج إليه، فإن يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين .

[٩] فقيل لمالك: أتعتد بعد الأربع سنين أربعة أشهر وعشرا عدة الوفاة من غير أن يأمرها السلطان بذلك؟ قال نعم مالها وما للسلطان في

الأربعة الأشهر وعشر التي هي عدة.

ونص المختصر" ولزوجة المفقود(ش) وهو من غاب في بلاد الإسلام وانقطع خبره وأمكن الكشف عنه،) الرفع للقاضي والوالى (ش) أى وحاكم البلد ووالي الماء الساعى لجلب الزكوات) وإلا فلجماعة المسلمين من صالحي بلدها (ش) ولها عدم الرفع والبقاء في عصمته حتى يتضح أمره فيؤجل الحر أربع سنين، إن دامت نفقتها (ش) فإن لم تدم نفقتها فلها التطليق بلا تأجيل وكذلك إن خشيت على نفسها الفساد من يوم العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة.

ودليل ذلك ما رواه مالك عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه أنه قال أيما امرأة فقدت زوجها ولم تدر أين هو؟ فإنها تنتظر أربع سنين ثم تعتد أربعة أشهر وعشراً ثم تحل وما روى ابن وهب عن عبد الجبار عن ابن شهاب أن عمربن الخطاب رضى الله سبحانه وتعالي عنه ضرب للمفقود من يوم جاء ته أربع سنين، ثم أمرها أن تعتد عدة المتوفي عنها زوجها ثم تصنع في نفسها ما شائت. إذا انقضت عدتها، وفي الحديث لا ضرر ولا ضرار .

أما المسألة الثانية: فجوابها يعلم مما قبلها، وهو قول مالك: لا لمن قال له أتعتد الأربع سنين بغير أمر السلطان، ونص القاضى ابن فرحون في كتابه "تبصرة الحكام في اصول الأقضية ومناهج الأحكام" في فصل ما يفتقرإلى حكم الحاكم علي أن التطليق علي الغائبين وغيرهم مما لا بد فيه من حكم الحاكم.

وأما المسألة الثالثة: فجوابها (والله أعلم) أن المرأة المسلمة التي فقدت زوجها في بلاد استولت عليهاالكفار مدة مديدة كما في مصر والشام والهند تعتد أربع سنين ثم تعتد عدة وفاة أربعة أشهر وعشراً،

وزوجها يكون في عداد القسم الأول من أقسام المفقود، لأنهم عرفوه بأنه من غاب وانقطع خبره، وأمكن الكشف عنه وعرفوا القسم الثاني وهو المفقود في أرض الحرب بأنه من غاب وانقطع خبره ولم يمكن الكشف عنه لأنه فقد في أرض الحرب، أما البلاد المذكورة وإن كان حاكمها كافراً فلا تكون كأرض حرب من كل وجه لوجود قضاة المسلمين فيها وولاتهم، وإمكان الكشف عنه فاتضح بهذا أن حكمها حكم من فقدت زوجها ببلاد الإسلام فلا تنتظر مدة التعمير.

وأما المسألة الرابعة: فيفهم جوابها مما قبلها أيضا: هو أنه لا فرق بين المفقود في أرض الإسلام وبين المفقود في البلاد المستعمرة، لما قدمنا من وجود قضاة المسلمين فيها و ولاتها وإمكان الكشف عنه، فعلى هذا لا تختص الصورة الثانية المذكورة في المختصر بالمسلمة الكائنة في بلاد الإسلام، بل تشمل من كانت في البلاد المستعمرة للكفار لما قدمنا من أن المراد بالشركية البلاد الحربية التي لا يمكن للمسلم الوصول إليها، فلا تتمكن القضاة من التفتيش فيها لا مطلق البلاد الكفرية، لأنها ربما تكون سلمية أو ذمية ،وأما القاطنة بالبلاد الشركية الحربية فحكمها هي وزوجها حكم المسبية فيفديهما الإمام من بيت المال إن كان وإلا فمن ماله بالغاً ما بلغ وإلا فعلى جميع المسلمين.

[١٠] وأما المسألة الخامسة: فجوابها أن المفقود عنها زوجها ولم يترك لها نفقة، واحتاجت غاية الاحتياج أو خافت على نفسها الفساد أن لها التطليق بلا تأجيل، كما هو مفهوم الشرط في قول الشيخ خليل في مسألة المفقود: تؤجل أربع سنين إن دامت نفقتها وقال شراحه قاطبه فإن لم تدم نفقتها أوخشيت الفساد فلها التطليق بلا تاجيل فترفع أمرها إلى الحاكم وتثبت عدم النفقة والاحتياج بما يثبت به، فإما أن يطلق الحاكم بنفسه، أويأمرها بالتطليق

وهو قول الشيخ خليل فهل يطلق الحاكم أو يأمرها به قولان. ...

وأما إرادة أهلها تزويجها: فلاعبرة به ما لم تطلب الفراق بنفسها إلا أن تكون سفيهة فيقوم وليها مقامها إذا تحقق لديه ضررها.

وأما المسألة السادسة: فجوابها أنه لا يحل لمن لم تكن عندها نفقة أو من خشيت الفسادمن النساء أن تطلق نفسها قبل ثبوت ضررها عند الحاكم، سواء عدم النفقة أو خشيت الفساد لما تقدم في الجواب عن المسئلة الأولى من جواب مالک، وما تقدم في الجواب عن المسألة الثانية وهو قول قاضي المدينة ابن فرحون في تبصرته أن التطليق علي الغائبين وغيرهم مما يفتقر إلى حكم الحاكم فلا بد من ثبوت ضررها عند الحاكم، فإما أن يطلق الحاكم وأما أن يأمرها بتطليق نفسها، وهو قولان مشهوران، لكن القول الثاني أقوى لقول رسول الله صلي الله عليوهوسلم لبريرة لما عتقت أنت أملک بنفسک، إن شئت أقمت مع زوجک وإن شئت فارقته.

وأما قولكم وعلى الثاني كيف يعمل فالجواب عنها أن أحكام قضاتهم نافذة ما ضية، وإن كانت توليتهم الصادرة من الكفار باطلة، وبهذا أفتى الإمام أبو عبد الله المازرى لما سئل عن أحكام تأتي في زمنه من صقيلة من عند قاضيها أو شهود عدولها، فأجاب جوابا طويلا إلى أن قال: وأماالوجه الثاني وهو تولية الكافر للقضاة والأمناء لحجز الناس بعضهم عن بعض، فقد ادعي بعض أهل المذهب أنه واجب عقلاً وإن كان باطًلا تولية الكافر لهذا القاضي بطلب الرعية له أو أقامته لهم لذلک فلا يطرح حكمه وينفذ كما لو ولاه سلطان مسلم.

وفي كتاب الإيمان في مسألة الحالف لاقضينک حقک إلى أجل، أقام شيوخ المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية، وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج علي الإمام وغلب علي بلد فولي قاضيًا

عدلاً فأحكامه نافذة انتهى .

وفي كتاب بيان وجوب الهجرة للشيخ عثمان فودى الفلاتى المالكي مانصه: وتولية الكافر للقاضى باطلة، ومع ذلك لايقدح في تنفيذ أحكامه إذ حجز الناس بعضهم عن بعض واجب وفي ذلك يقول الناظم:

تولية الكافر للقضاة     باطلة والحكم ذو إثبات

لأن حجز الناس بعضهم على     بعض محتم كما قد انجلى

قلت أقل أحوالهم أن يكونوا كالمحكمين أو بمنزلة جماعة المسلمين، فقد تقدم أن المفقود زوجها ترفع أمرها للقاضى أو للوالي، وإن لم يوجدا فلجماعة المسلمين، والعلم لله، وصلى الله علي سيدنا محمد واله وسلم

أمر بكتابته محمد الطيب بن إسحاق الأنصارى.

# الاستفتاء من العلماء المالكية ثانياً

١- ماقولكم رحكم الله تعالى فيما إذارجع المفقود، أوأيسر المعسر أو أطاع المتعنت بعد فسخ نكاحه فهل ترد إليهم أزواجهم أم لا ؟

٢- هل يكفي الواحد العدل فيما يرجع إلى جماعة المسلمين أم لا بد من الجماعة الاصطلاحية؟ و ما المراد من العارف والمهمات في قول المالكية أن الواحد إذا كان عدلاً عارفا يرجع إليه في المهمات يكفي عن جماعة المسلمين التي يحتاج إليها عند عدم الحاكم حساًو اعتبارا؟

٣- ما حكم زوجة العنين عندكم هل يفرق عن زوجها أم لا؟ وهل يؤجل بمدة أم لا، وهل يحتاج فيه إلى قضاء القاضي أو من يقوم مقامه أو لا؟

٤- وكذلك المجنون هل تطلق عليه زوجته إذا طلبت ذلك أم لا، على الأول فكيف السبيل إليه؟

# الجواب
# من العلامة الصالح التونسى دامت بركاته المدرس في المسجد النبوي بالمدينة المنورة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الحكيم العليم، والصلوة والسلام على من بعث بالبيان والتعليم، وعلى آله وصحبه أولى الحث على البحث السليم السديد القويم، والحض على توفير الحظ من السؤال الشافي المشفوع بالجواب الموفي المفيد العميم وبعد! فقد وردت على الأسئلة الآتية من طرف بعض الإخوان ممهدا ابطالعتها بعض عبارات لفقهاء المالكية متضمنة كيفية الفسخ لنكاح المفقود والمعسر عن النفقة والمتعنت فيها مخللة بعبارات للحنفية على التنظير ملتمسا التفاهم فيهالما يؤديه مبناها ويبديه معناها للتوصل بها إلى الحكم في المسائل الآتية على المذهب المالكى وإليك خلاصة الأسئلة.

(س ١) إذا فسخ النكاح بين من ذكر على الوجه المقرر المعتبر شرعاً، ثم عاد المفقود أو أيسر المعسر أو أطاع المتعنت فما حكم المرأة حينئذ؟

(س ٢) عن عبارة بعض الشراح في أن الفسخ أو التطليق المذكور يكون للحاكم أو لجماعة المسلمين عند عدمه حساً أو اعتباراً أو الواحد منهم كاف إذا كان عدلاً عارفاً يرجع إليه في المهمات وما هو العارف وماهى المهمات؟

(س ٣) ما حكم زوجة العنين من حيث بيان مدة التأجيل وكيفية التفريق إذا اقتضاه الحال وأباه الزوج؟

(س ٤) ماحكم زوجة المجنون كذلك؟

# الـــــجواب

لـمـا كـانـت تـلـك الـعبـارات المورودة المسرودة ليست مرصودة ومقصودة لـذاتهـا بـل لـلاستعانة بها والتوصل منها إلى معرفة الحكم، وكان غيـرهـا أفـصـح وأصح، اعرضت عن التعرض لبيان مؤداها وما يقتضيه فحواها واكتفيت بذكر الأجوبة الآتية متحرياً مظانها ومحالها الحقيقية بحوله تعالى.

# الجواب عن السوال الأول

[١١] إذا فسـخ الـنكاح على الوجه المقرر المعتبر شرعا في حق من ذكـر ثـم عـاد الـمـفقود أو أيسر المعسر أو أطاع المتعنت فإن كان ذلك في الـعـدة رجـعـت الـزوجة لـزوجهـا مـطـلقاً، لكون الطلاق رجعيا لم تفصل فيه الـعصمة حسب الـقـاعدة المقررة مـن أن كـل طـلاق أوقعه الحاكم فهو بائن، إلاطـلاق المولي والمعسر، وسواء أوقعه الحاكم بالفعل أو جماعة المسلمين أو أمـرهـا بـه عـلـى حسـب ما يأتي ولقول خليل وله الرجعة إن وجد في العدة يسـاراً يـقـوم بـواجـب مثـلهـا الشامل المعسر والغائب المطلقة عليه من أجل النفقة من باب أولى كما نبين لك بعد.

فـإذا كـان التـفـريـق لخصوص الفقد، لا لانقطاع النفقة ولا للموت، فهـي لـلأول ولوبعد انقضاء العدة، مالم يدخل الثاني المستفاد من قول خليل: وقـدر طلاق يتحقق بدخول الثاني، وتفريع الزرقانى عليه بقوله فإن جاء الأول قبل دخول الثاني كان أحق بها.

وإذا كـان الـغـائـب مشهـوداً عـلـيـه بالموت، فقدم أو ثبتت حياته أو طـلقت زوجته لانقطاع النفقة فتبين استمرارها، ففي هاتين الصورتين لا تفوت

بـدخول الثاني بل ترجع للأول ولو ولدت الأولاد، وهو مفاد خليل في المنعى لهـا زوجهـا مـع حـل الـزرقـانـى عليه مصوراً لها بقوله من شهدت بينة بموته، فتـزوجـت، ثـم قـدم فـلا تـفـوت بـدخـولـه كـمـا يفيده قولـه يعنى خليلاً في الاستـحـقـاق كـمشهود بموته، وفي القضاء ونقض إن ثبت كذبهم كحياة من قتـل، وقـولـه والـمـطـلـقة لعدم النفقة ثم ظهر اسقاطها، المعطوفة والمعطوف عـليهـا الـمسـائـل الـمشتـركة فـي الـحـكـم المخبر به عليها بقوله فلا تفوت بـدخـول، وتـصوير الزرقانى لها بقوله بأن أقام بينة أنه كان يرسلها إليها أو أنها وصـلتها أو أنه تركها عندها فلا يفيتها دخول الثاني، وتاييد البناني ذلك بنقل كـلا م الـمواق ونصه، وأما مسألة المطلقة لعدم النفقة فقال ابن عبد الرحمن: إن ثبت بعد قدومه تركها لها ردت له ولو دخل بهامتزوجها ،كما ذكر عن ابن عـرفة عـن ابـن يـونـس مثـله ومثله أقرب المسالك بقوله بخلاف المنعى لها زوجهـا والـمطلقة لعدم النفقة ثم ظهر سقوطها يعنى فلا تفوت بدخول الثاني، كـمـا صـرح بـه فـي آخـر الـنظائر، ومثله المجموع بقوله وإن نعى لهاثم تبين الكذب أو طلق عليه لعدم النفقة ثم تبين إسقاطها لم تفت بدخول.

# الجواب عن السؤال الثاني

الـذي عـليـه الـجـمهور، وبه العمل، وهو المشهور أن ذلك التفريق ووسـائـلـه ومـا يتعلق به للحاكم، فإن عدم حسا أو اعتباراً فجماعة المسلمين الثـلاثة فما فوق تقوم مقامه، ولا يكفي الواحد في مثل هذا ،وانما نسب ذلك لـلأجهـورى فـي إحـدى الـروايتيـن عـنـه، وتبعه بعض الشراح من المصريين، والأول هـو الذي عليه المعول وعليه فلا لزوم لتعريف معرفة هذا الواحد، ولا لبيـان الـمهـمـات الـذي يـرجع فيها إليه على أن ذلك واضح وهي كناية عن كونه عالما عاقلا، مرجعا لأهل جهته في حل مشكلاتهم مطلقاً.

# الجواب عن السؤال الثالث

[١٢] وهوأن الحكم في زوجة العنين التأجيل سنة من يوم الحكم أو التراضى من طرف الحاكم أو جماعة المسلمين كما مر ،والتفريق كذلك على أن العنين يطلق بإطلاقين على مسترخى الذكر، وعليه فالحكم ما تقرر وعلى صغيره كالزرالذي لا يتأتى معه الجماع، وهذا لزوجته الخيار في الحال ولا تحتاج إلى ضرب آجال.

# الجواب عن السؤال الرابع

[١٣] هو أن حكم زوجة المجنون مثل حكم المعترض، وهو العنين على التفسير الأول من التاجيل سنة، والتفريق على حسب ما مر وإلى ذلك يشير صاحب التحفة بقوله:

وحيث عيب الزوج باعتراض ... أو برص وقيم عند القاضى
أجّلــه إلى تمام عام ... كذلك في الجنون والجذام
وبعده يحكم بالطلاق ... إن عدم البرء على الإطلاق

أي مطلقاً بعد تمام السنة رجى برءه أم لا وهو معنى قول خليل: وبجنونهما وإن مرة في الشهر قبل الدخول وبعده، أجلا فيه وفي برص وجذام رجئى برئهما سنة أى قمرية وقوله بعدذلك وأجل المعترض سنة بعد الصحة من يوم الحكم وعبارة الزرقانى في الحل على قوله (بعد الصحة) من مرض غير الاعتراض وابتدائه من (يوم الحكم ) لا من يوم الرفع، لأنه قد يتقدم عن يوم الحكم فإن لم يترافعا وتراضيا على التأجيل فمن يوم التراضى، والله أعلم و صلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم .

وكتب ذلك عن املاء الفقير صالح التونسى بالمسجد النبوى في

ربيع الاول سنة ١٣٥٠ وقفه الله تعالى .

**تنبيه** : لم يصرح أحد من أصحاب المتون والشراح التي وقفت عليها بإلحاق المتعنت بالمعسر، وغاية ما ذكروا في حقه أنه يجبر على النفقة أو يطلق عليه. وهل هذا الطلاق يعد رجعياً فتلحق بالمعسر في الحكم وتشمله القاعدة المقررة في الأصل حيث أن الممتنع من الوطاء الحقوه بالمولى فلعله نظيره أو يعد بائناً ولا يشمله حكم المعسر حينئذ،والله أعلم.

**فتلخص** من ذلك أن المعسر إذا أيسر في العدة، والغائب المطلق عليه من أجل النفقة إذا قدم موسرا في العدة فكل منها أحق بزوجته ما لم تنقض العدة، وأن المفقود المطلق عليه من أجل الفقد إذا قدم ولو بعد العدة وقبل دخول الثاني هو أحق بها، وإن الغائب المشهود عليه بالموت فقدم أو تحققت حياته والمشهود عليه بقطع النفقة فقدم وأثبت استمرارها فالزوجة لهما، ولا تفوت بدخول الثاني ولو ولدت الأولاد حسب النصوص الصحيحة الصريحة المقدمة المعزوه لا ربابها بمحالها، وإن المتعنت إذا رجع احتمل الحاقه بالمعسر وهو الأقرب، فله رجعتها في العدة لا بعدها، ويحتمل أن الطلاق عليه بائن، وعليه فلا رجعة له حيث لا نص صريح في المسألة كما تقدم، والله سبحانه تعالى أعلم .

# الـــــــجواب
# من العلامة سعيد بن صديق الفلاتي
## متعنا الله تعالى بعلومه

بسم الله الرحمن الرحيم

ولا حول ولا قوة إلا بـالـلـه العلى العظيم، سبحانک لا علم لنا إلا ما علمتنا إنک أنت العليم الحكيم، أتم الصلوة وأعم التسليم على سيدنا محمد الهـادى الـحـليـم وعـلـى آله وصحبه والآتى ربه بقلب سليم، أما الجواب عن امرأة الـمـفـقـود. فـي موطأ إمام دارالهجرة ونجم السنة مالک بن أنس عليه رحمة رب الإنس والجنة :

## باب في عدة التى تفقد زوجها

حـدثـنـى يحيى عن مالک عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب أن عـمـر بن الخطاب قال أيما امرأة فقدت زوجها فلم تدرأين هو؟ فإنها تنتظر أربـع سـنـيـن ثـم تعتد أربعة أشهر وعشراً، ثم تحل، قال مالـک : وإن تزوجت بـعـد انـقـضـاء عـدتهـا، فـدخـل بهـا زوجها أو لم يدخل بها زوجها، فلا سبيل لزوجهاالأول إليها ، قال مالـک : وذلـک الأمرعندنا، وإن أدركها زوجها قبل أن تتـزوج فهـو أحـق بها، قال مالـک: أدركت بعض الناس ينكرون الذى قال بـعـض الـنـاس عـلـى عمر بن الخطاب أنه قال يخير زوجها الأول إذا جاء في

صداقه، أو في امرأته، قال مالك: وبلغني أن عمر بن الخطاب قال في المرأة يطلقها زوجها وهو غائب عنها، ثم يراجعها فلا يبلغهارجعته وقد بلغهاطلاقه إياها فتزوجت أنها إذا دخل بها زوجها الآخر أو لم يدخل بها، فلاسبيل للزوج الأول الذى كان طلقها إليها، قال مالك: وهذا أحب ما سمعت إلى في هذا وفي المفقود.

في المدونة في باب المفقود ، قلت: أرايت المرأة ينعى لها زوجه، فتعتد منه ثم تتزوج والمرأة يطلقها زوجها فتعلم بالطلاق، ثم يراجعها في العدة وقد غاب زوجها ولم تعلم بالرجعة حتى تنقضي العدة، فتتزوج وامرأة المفقود تعتد أربع سنين بأمر السلطان ،ثم أربعة أشهر وعشراً فتنكح ، أهؤلاء عند مالك محملهن محمل واحد، قال : لا، أماا لتي ينعى لها زوجها فهذه يفرق بينها وبين زوجها الثاني ، وترد إلى زوجها الأول بعد الاستبراء بثلث حيض ، وإن ولدت منه أولاد، و أما امرأة المفقود والتى طلقت ولم تعلم بالرجعة فإنه قد كان مالك يقول مرة إذا تزوجتا ولم يدخل بهما أزواجهما فلاسبيل لأزواجهما إليهما، ثم إن مالكا وقف قبل موته بعام أو نحوه في إمرأة المطلق إذا أتى زوجها الأول ولم يدخل بها زوجها الآخر ،فقال مالك : زوجها الأول أحق بها ، قال : وسمعت أنا منه في المفقود أنه قال هو أحق بها ما لم يدخل بها زوجها الثاني ، و أنا أرى فيهما جميعاً أن أزواجهما إذا أدركوهما قبل أن يدخل بهما أزواجهما هؤلاء الآخرون فالأولون أحق، وإن دخلوا فالآخرون ، وقال أشهب مثل قوله، واختار ما اختاره ، وقال المغيرة وغيره بقول مالك الاول ، وقالوا : لا توارث امرأة زوجين توارث زوجا ثم ترجع إلى زوج غيره ، وقال : وليس استحلال الفرج بعد الأعذارمن السلطان بمنزلة عقدالنكاح ، وقد جاء زوجها ولم يطلق ولم يمت، قلت: أرأيت إن قدم زوجها بعد الأربع سنين وبعد الأربعة أشهر وعشراً تردها إليه في قول مالك

ويكو ن أحق بها ؟ قال : نعم! قلت : أفتكون عنده على تطليقتين؟ قال: لا، ولكنها عنده على ثلاث تطليقات عند مالك، وانما تكون على تطليقتين إذا هى رجعت إليه بعد زوج، قلت: أرأيت المفقود إذا ضرب السلطان لامرأته اربع سنين ثم اعتدت أربعة أشهر وعشراً، أيكون هذا الفراق تطليقة أم لا ؟ قال: إن تزوجت ودخل بها فهى تطليقة ، قلت : فإن تزوجت بعد الأربعة الأشهر وعشراً ثم جاء موته أنه مات بعد الأربعة الأشهر وعشراً أترثه أم لا؟ قال : إن انكشف أن موته بعد نكاحها وقبل دخوله بها ورثت زوجها الأول، لأنه مات فهو أحق بها، فهو كمجيئه إن لو جاء أوعلم أنه حى ، وفرق بينها وبين الآخر واعتدت من الأول من يوم مات لأن عصمة الأول لم يسقط ، وإنما تسقط بدخول الآخر بها ، وكذلك لومات الزوج الآخر قبل دخوله بها، فورثته ، ثم انكشف أن الزوج الأول مات بعد ه أو قبله ، وبعد نكاحه أو جاء أن الزوج الأول حي ، بطل ميراثها من الزوج الآخر ، وردت إلى الأول إن كان حياً ، و أخذت ميراثه إن كان ميتا .

قلت: أرأيت امرأة المفقود تعتد الأربع سنين في قول مالك بغير أمر السلطان؟ قال: قال مالك: لا ، و إن أقامت عشرين سنة ، ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها ، وكتب إلى موضعه الذى خرج إليه ، فإن يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين، فقيل لمالك : هل تعتد بعد الأربع سنين عدة الوفاة أربعة أشهر وعشراً من غير أن يامرها السلطان بذلك؟ قال : نعم! مالها وماللسلطان في الأربعة الأشهر وعشراً التي هى عدة، وقال مالك: ينفق على امرأة المفقود من ماله في الأربع سنين، قلت : ففي الأربعة الأشهر وعشر بعد أربع سنين؟ قال: لا، لأنها معتدة.

وقال مالك: يوقف مال المفقود، والسلطان ينظر في ذلك، ويوقف ماله ولا يدع أحداً، يفسده ولا يبذره، وقال ربيعة بن أبى عبدالرحمن :

المفقود الذى لا يبلغه سلطان ولا كتاب السلطان، قد أضل أهله وإمامه في الأرض لا يدري أين هو ؟ وقد تلوموا لطلبه والمسألة عنه فلم يوجد، فذلك المفقود الذى يضرب له الإمام فيما بلغنا لامرأته ثم تعتد بعدها عدة المتوفي عنها زوجها، يقولون إن جاء زوجها في عدتها وبعد العدة مالم تنكح فهو أحق بها ، وإن نكحت بعد العدة ودخل بها ، فلا سبيل له عليها، وقال ابن وهب عن عبدالجبار عن ابن شهاب أن عمر بن الخطاب ضرب للمفقود من يوم جاءته امرأته أربع سنين ثم أمرها أن تعتد عدة المتوفي عنها زوجها ثم تصنع في نفسها ما شاءت أن انقضت عدتها.

وقال خليل في مختصره : ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء ، وإلا فلجماعة المسلمين، وظاهره أنها تخير في الرفع لأحد الثلاثة والنقل انها حيث أرادت الرفع، ووجدت الثلاثة وجب الرفع للقاضى، وإن رفعت لغيره حرم، وصح، وإن رفعت لجماعة المسلمين لم يصح، وإن لم يوجد قاض خيرت فيهما، فإن رفعت لجماعة المسلمين معهما صح على الظاهر، وجماعة المسلمين هم عدول جيرانها وغيرهم لأنهم كالإمام عند عدمه، وذكر ابن عرفة أن عمل قضاة تونس أن الرفع للعدول كالرفع للسطان فإن تعسر رفعها للسلطان ونائبه، قام من ذكر مقامه، وبه قال ابن الهندى وأبو محمد ، وصوبه اللخمي لنقل الرفع له على كثير.

[١٤] وتعبيرهم بجماعة المسلمين يقتضي أن الواحد لا يكفي، وبه صرح الأجهوري، فيؤجل الحر أربع سنين إن دامت نفقتها من ماله وأن لا تدم نفقتها من ماله فلها التطليق لعدم النفقة بلا تأجيل، وكذا إن خشيت علي نفسها الزنا فيزاد على دوام نفقتها عدم خشيتها الزنا.

وفي مجموع الأمير : وهل لزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء؟ ظاهره أن الثلاثة في مرتبة ، وإن كان القاضى أضبط وهو ما في

الخرشي وإن لا يوجد واحد ممن ذكر فلجماعة المسلمين، قال محشيه: من صالحي جيرانها وغيرهم العدول ولا يكفي الإثنان كما في الأجهوري لأن أقل الجمع ثلاثة خلافا لما في عبد الباقي والخرشي من كفايه الواحد، وقد رد الأجهوري كفاية الاثنين فضلاً عن الواحد قائلاً: التحقيق أن أقل الجماعة ثلاثة فيؤجل أربع سنين من العجز عن خبره إن دامت نفقتها، ولم تخف زنا، وإلا فلها تعجيل الطلاق، قال المحشي: وإن لا تدم نفقتها بأن لم يكن له مال أصلاً أو فرغ أو دامت وخافت الزنا، فلها تعجيل الطلاق إلى أن قال: ولها المهر كاملاً ولا تردما في قبضته إن قدم على ما به القضاء، وألا رجع إن كان الصداق مؤجلًا لا يحل لأنه تمويت لاموت.

قال ابن الحاجب: حكم الغائب ومن لا مال له حاضر حكم العاجز الحاضر، فلها أن تطلق نفسها، قلت فيجزى فيه قول خليل:، فهل يطلق الحاكم أو يأمرها به، ثم يحكم قولان: وإذا ثبت لها التطليق بذلك فخشية الزنا أولى، لأن ضرر ترك الوطأ أشد من ضرر عدم النفقة، ألا ترى أن إسقاط النفقة يلزمها، إن أسقطت حقها في الوطا فلها الرجوع فيه، ولأن النفقة يمكن تحصيلها بنحو تسلف و سؤال بخلاف الوطأ.

وأما الجواب عن امرأة المعسر الذى لا يجد ما ينفق عليها ففي المدونة: قال لنا مالك: وكل من لم يقو على نفقة امرأة فرق بينهما، ولم يقل لنا مالك حرة ولا أمة، وقال: لأن الرجل إذاكان معسراً لا يقدر على النفقة فليس لها عليه النفقة، إنما لها أن تقيم معه أو يطلقها، كذلك الحكم فيها.

وقال ابن وهب عن عبد الرحمن عن أبي الزناد وعبد الجبارعن أبي الزناد أنه قال: خاصمت امرأة زوجها إلى عمر بن عبد العزيز وأنا حاضرفي امرته على المدينة، فذكرت له أنه لا ينفق عليها، فدعاه عمر فقال: انفق وإلا

فـرفت بينک وبينها، وقال عمر: اضربوا له أجل شهر أو شهرين، فإن لم ينفق عـليهـا إلى ذلكـ ففرقوا بينه وبينها، قال أبو الزناد: وقال عمر بن عبدالعزيز: سل لي سعيد بن المسيب عن أمرها ، قال: فسألته عن أمرهما ، فقال : يضرب لـه أجـل ، فوقت له من الأجل نحواًمما كان وقّت له عمر، وقال سعيد: فإن لم ينفق عليها إلى ذلكـ الأجل ، فرق بينهما.

ابن وهب عن مالكـ وغيره عن سعيد ابن المسيب أنه كان يقول إذا لـم يـنـفق الرجل على إمرأته أنه يفرق بينهما، وقال: سمعت مالكايقول :كان من أدركت يقولون: إذا لم ينفق الرجل على إمرأته فرق بينهما ، ابن وهب عن الـليـث عـن يـحـى بن سعيد أنه قال إذا تزوج الرجل المرأةو هو غنى فاحتاج حتـى لا يجد ما ينفق فرق بينهما، فإن وجد ما يقيمها من الخبز والزيت وغليظ الثياب لم يفرق بينهما.

وفـي شـرح بـلوغ المرام : وقد اختلف العلماء في هذا الحكم ، وهو فسـخ الـنكاح عند إعسارالزوج بالنفقة على أقوال الأول ثبوت الفسخ. وهو مـذهـب عـلـيو عـمر وأبى هريرة رضى الله عنهم وجماعة من التابعين ، ومن الـفـقهاء مالكـ والشافعي وأحمد، وبه قال أهل الظاهر مستدلين بحديث ”لا ضـرر ولا ضـرار “، والثـانـى مـا ذهب إليه الحنفية ، وهو قول للشافعي: أنه لا فسـخ لـلإعسـار بالنفقة مستدلين بقوله تعالى ”ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله لا يكلف الله نفسا إلا ما آتاها “.

قـالـوا: وإذالـم يكلف الله النفقة في هذا الحال فقد تركـ مالا يجب عـليه ولا يأ ثم بتركه، فلا يكون سبباً للتفريق بينه وبين سكنه، وبآية ”وإن كان ذو عسـرة فـنظرة إلى ميسـرة“ فتـؤمـر بـالـصبـر والاحتسـاب، وقال مالكـ والشـافـعـى أيضاً وأحمد في أظهر روايته أن المرأة إذا تزوجته عالمة بإعساره أو كـان مـوسـراً عـنـد تـزوجـه ثـم أصـابتـه جـائـحة فإنه لا فسخ لها، وفي ابن

الحاجب: "ويثبت لها حق الفسخ بالعجز عن النفقة الحاضرة لا الماضية حرين أو عبدين او مختلفين ما لم تكن علمت فقره قبل العقد كما ذكره ميارة في شرح التحفة.

فإذا عرفت هذه الأقوال عرفت أن أقواها دليلاً وأكثرها قائلاً الأول، وقد اختلف القائلون بالفسخ في تأجيله بالنفقة، فقال مالك: يؤجل شهراً أو شهرين، وقال الشافعي: ثلاثة أيام، قال ابن عرفة: وطلقة المعسر بها رجعية اتفاقاً وشرط رجعتها يسره بنفقتها فتصح الرجعة إن وجد في العدة يساراً يقوم بواجب مثل لا دونه فلا تصح رجعته، لأن الطلقة التى أوقعها الحاكم إنما كانت لدفع ضرر عجزه فلا تصح رجعته إلا إذا زال، وذلك بأن يجد ما لو قدر عليه أولا لم يطلق عليه، قال ابن عبد السلام: ينبغي تقييدها بظن قدرته علي أمته بعد ذلك.

وقال عبد الله ابن فودى المالكي في ضياء التاويل عند آية" ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله" قال: وهذا يفيد أن النفقة ليست مقدرة شرعاً، وإنما تقدرعادة بحسب المنفق والمنفق عليه، ولها الفسخ بطلقة رجعية إن عجز عن الإنفاق.

قلت: ومثلها الزوجة المطلقة في حال غيبة زوجهامن الحاكم أو جماعة المسلمين لدعواها عدم النفقة من ماله بأن ادعت أنه لم يدرك لها ما تنفقه، ولم يرسله لها، ولم يوكل من ينفق عليها، وطلبت الطلا ق وحلفت علي ذلك فيطلق عليه الحاكم أو يأمرها بتطليق نفسها فيحكم به.

وفي كتاب "جامع أهم مسائل الأحكام في قطع الخصام مما اشتد إليه حاجة الحكام" للشيخ إدريس ابن خالد المالكى ما نصه" السادس في إعسار الغائب فإذا قامت زوجته عند القاضى كلفها إثبات الزوجية وإثبات غيبته، وإن لم يعلموا أنه ترده شيئاً ولا أحالها به، ويؤدون الشهادة في ذلك

على عينها ثم يضرب لها أجلاً من شهر.

وفي تحفة الحكام، "وزوجة الغائب حيث أملت فراق زوجها بشهر أجلت فإن انصرم الأجل ولم يقدم الرجل حلفت على مثل ما شهدت به الشهود وطلقت نفسها طلقة رجعية، فإن قدم موسراً في عدتها فله ارتجاعها وإن قدم عديما لم يكن له عليها سبيل إلا ان ترضى بالمقام معه بدون نفقة، وإن كانت محجورة و رضيت بالمقام معه بدون نفقة على أن تنفق على نفسها من مالها، فذلک لها، ولا كلام لوليها، إذ لو طلقت لم يكن لها بد من النفقة على نفسها فمع الزوج أولى لأن فيه صونها" .

[١٥] وأماالمتعنت الممتنع عن الإنفاق ففي مجموع الأمير ما نصه: إن منعها نفقة الحال فلها القيام فإن لم يثبت عسره أنفق أو طلق وإلا طلق أى طلق عليه، قال محشيه قوله وإلا طلق عليه الحاكم من غير تلوم إلى أن قال وإن تطوع بالنفقة قريب، أو أجنبي ، فقال ابن القاسم: لها أن تفارق لأن الفراق قد وجب لها ، وقال ابن عبد الرحمن : لا مقال لها لأن سبب الفراق هو عدم النفقة قد انتفي، وهو الذى تقتضيه المدونة، كما قال ابن المناصف أنظر الخطاب انتهى" .

وأما السؤال عن حكم زوجة العنين فجوابه ما في المدونة : قال أرأيت العنين متى يضرب له الأجل من يوم تزوجها أو من يوم ترفعه إلى السلطان، قال : من يوم ترفعه إلى السلطان وكذلک قال مالک، قلت: أرأيت العنين إذا فرق السلطان بينهما يكون أملک بها في العدة، قال قال مالک: لا يكون أملک بها في العدة ولا رجعة له عليها، قلت : أرأيت العنين إذا لم يجامع امرأته في السنة وفرق بينهما بعد السنة أيكون لها نصف الصداق؟ قال قال مالک: لها الصداق كله كاملاً.

قال مالک: وبلغني عن سليمان بن يسار أنه قال: أجل المعترض

عن أهله سنة، ابن القاسم عن مالك عن ابن شهاب عن ابن المسيب أنه قال: إذا دخل الرجل بإمرأته فاعترض عنها فإنه يضرب له أجل سنة، فإن استطاع أن يمسها وإلا فرق بينهما، ابن وهب قال موسى بن علي قال ابن شهاب إن القضاة يقضون في الذى لا يستطيع امرأته بتربص سنة يبتغي فيها لنفسه فإن ألم في ذلك بأهله فهي امرأته، وإن مضت سنة ولم يمسها ، فرق بينه وبينها ، ويقضى القضاة بذلك من حين تناكره إمرأته ويناكره أهلها، قال ابن شهاب: وإن كانت تحته إمرأته فولدت لها ثم اعترض عنها فلم يستطع لها فلم أسمع أحدا فرق بين رجل وامرأته بعد أن يمسها ، وهذا الأمر عندنا.

قلت أرأيت العنين أيجوزله أن يؤجله صاحب الشرط أولا يكون ذلك إلا عند قاض أو أمير يولي القضاة؟ قال قال مالك: أرى أن يجاز قضاء أهل هذه المياه، قال ابن القاسم : وإنما هم أمراء على تلك المياه وليسوا بقضاة فأرى أن صاحب الشرط أن ضرب للعنين أجلا جاز ، وكان ذلك جائزا انتهى .

وأما السوال عن حكم زوجة المجنون فجوابه ما في المؤطا في الخيار: حدثنى يحيى عن مالك أنه بلغه عن سعيد بن المسيب أنه قال: أيما رجل تزوج امرأة وبه جنون أو ضرر فإنها تخير، فإن شاء ت قرت و إن شاء ت فارقت.

وفي المدونة قال قلت : فالجنون المطبق، قال وقال مالك في المجنون إذا أصابه الجنون بعد تزويجه المرأة أنها تعزل عنه، ويضرب له أجل في علاجه فإن برء وإلا فرق بينهما، وقال ابن القاسم عن مالك أنه قال : يضرب له أجل سنة، ابن وهب عن مسلمة عمن حدثه عن عمروبن شعيب عن أبيه عن جده قال :كتب عمروبن العاص إلى عمربن الخطاب في رجل مسلسل بقيود يخافونه على امرأته ، فقال : أجلوه سنة يتداوى، فإن برء وإلا فرق بينهما.

وقال ابن جزى في القوانين : أسباب الخيار خمسة ، وهي العيوب والغرور والإعسار بالنفقة وعتق الأمة تحت العبد والفقد ، وأماالعيوب فهي أربعة ، الجنون والجذام والبرص وداء الفرج، ويختص الرجل من داء الفرج بالجب والخصاء والعنة والاعتراض، وتختص المرأة بالقرن والرتق والعقل وعجز الفرج إلى أن قال : فإذا كان في أحد الزوجين أحد العيوب كان للآخر الخيار في البقاء معه والفراق لشرط أن يكون العيب موجود اُحين العقد، فإن حدث بعده فلا خيار إلا أن يبتلى الزوج بعد العقد بجذام أو جنون أو برص، فيفرق بينهما للضرر الداخل على المرأة ، ثم إن كان العيب بالزوج، فإن قامت به قبل الدخو ل فلا شئ لها من الصداق ، وكذلك بعد الدخول إلا أن طال مكثها معه، وخلعت شورتها فلها الصداق.

وقال الخرشي : إن حصل الرد بعد البناء أى بناء من يتصور وطئه كالمجنون والأبرص ، فمع عيب الزوج يجب لهاالمسمى لتدليسه ، وقولنا من يتصور وطئه احترزاً من المجبوب والعنين الذى ذكره كالزر والخصى وقيل و إلى المعترض هوالذى لا يقوم ذكره وإن المعترض هو الذى يجرى عليه في بعض الأوقات فإنه لا مهر على من ذكر كما قال ابن عرفة، وفي القوانين فرعان الأول تعجيل الفرقة بطلاق في جميع العيوب إلا الاعتراض فإن المعترض يؤجل سنة وإن لم يطأ فلها الخيار، إن وطأ سقط خيار ها، والقول قوله في دعوى الوطى وطلاق العنين وشبهه رجعى كالطلاق بإعسار بالنفقة.

قال المتطية : اعلم أن الغائبين عن أزواجهم خمسة، فالأول غائب لم يترك نفقة وخلف مالاً ولا لزوجته عليه شرط في المغيب، فإن أحبت زوجته الفراق فإنها تقوم عند السلطان لعدم الإنفاق .

والثانى غائب لم يترك نفقة و لزوجته عليه شرط في المغيب فزوجته مخيرة في أن تقوم بعدم الإنفاق أو بشرطها وهو أيسر عليها لأنه لا

يضرب لها في ذلك أجل .

والثالث غائب خلف نفقة ولزوجته شرط في المغيب، فهذه ليس لها أن تقوم إلا بالشرط خاصة، وسواء كان الغائب في هذه الثلاثة الأوجه معلوم المكان أو غير معلوم المكان إلا أن معلوم المكان يقدر إليه إن أمكن من ذلك .

والرابع غائب خلف نفقة ولا شرط لامرأته، وهو مع ذلك معلوم المكان فهذا يكتب إليه السلطان، إما أن يقدم أو يحمل إليه امرأته او يفارقها وإلا طلقها عليه .

والخامس غائب خلف نفقة ولا شرط لا مرأته عليه، وهومع ذلك غير معلوم المكان فهذا هو المفقود انتهى.

وفي القوانين وهو الذى يغيب وينقطع أثره ولا يعلم خبره، وهو على أربعة أوجه مفقود في بلا د المسلمين وفي العد ووفي قتال المسلمين مع الكفار وفي قتال المسلمين في الفتن، فأما المفقود في بلاد المسلمين فإذا رفعت زوجته أمرها للقاضى كلفها إثبات الزوجية وغيبته ثم بحث عن خبره، وكتب في ذلك إلى البلاد فإن وقف له على خبره فليس بمفقود، ويكاتبه بالرجوع أوالطلاق، فإن قام على الإضرار طلق عليه، وإن لم يوقف له على خبر ، ولا عرفت حياته من موته، ضرب لها أجلاً من أربعة أعوام للحر ، وعامين للعبد من يوم ترفع أمرها، فإذا انقضى الأجل اعتدت عدة الوفاة ثم تزوجت، وقال أبو حنيفة والشافعى : ولا تحل امرأة المفقود حتى تصح موته.
فروع أربعة :

الأوّل: إن كان دخل بها فنفقتها في الأربعة الأعوام عليه ، وإن كان لم يدخل بها فإن كانت غيبته بعيدة الزمته النفقة تفرض لها في ماله إن شاء ت ذلك، وإن كانت غيبته قريبة فقولان.

الثانى: فإن جاء زوجها في الأجل أوالعدة أو بعده قبل تزوج فهى

امـرأته ، وإن جاء بعد أن تزوجت فإن كان الثاني دخل بها فهي له دون الأول ، وإن لم يدخل بها فقولان.

الثـالـث: إن وقـع الـفـراق من المفقود قبل الدخول، وجب لها نصف الـصـداق، هـذا حكمه في زوجته ، وأما ماله فموقوف لا يورث حتى يعلم موته أو يـعـمـر فيـأتـى عـليه من الزمان مالا يعيش إلى مثله، واختلف في حد ذلك فـالـمشهور سبعون سنة،وقيل ثمانون وقيل تسعون، وقيل مأة، وذلك كله من أول عـمـره، فـإن فـقـد وهـو ابـن سـبـعـين تـر بـص به عشرة أعوام بعدها على الـمشهـور، وأما المفقود في فتن المسلمين فحكمه كالأسير لا تتزوج امرأته ولا يـقـسـم مـالـه حتـى يأتى عليه من الزمان مالا يعيش إلى مثله إلا عند أشهب وهـو عـنـده كـالمفقود في بلا د المسلمين في زوجته وماله، وأما المفقود في فتـن الـمسـلـمـين فـحـكمه كالأسير في المشهور ، وقيل كا لمفقود، وقيل: يـحكم في زوجته بحكم المقتول يتلوم سنة ثم تعتد وتتزوج ، ويحكم في ماله بـحـكـم الـمـفقود فيعمر مالا يعيش إلى مثله، وفي المختصر وبقيت أم ولده على حكم الحياة، وكذا يوقف ماله أى قسمه وبقيت زوجة الأسير التى ترك لهـا مـا تـنـفـق منه، وكذا أم ولده وماله، وتبقى زوجة مفقود أهل الشرك وأم ولـده ومـالـه لـلتعمير، قال الشبر خيطي في هذا المحل بشرط أن تدوم النفقة لـكـل زوجة الأسير ومفقود أرض الشرك وإلا فلها الطلاق ، وإذا أثبت لهما الـطـلاق بـذلك فـليثبت لهما إذا خشيتا الزنى بالأولى لأن ضررترك الوطأ أشد من ضرر عدم النفقة، ألا ترى أن إسقاط النفقة يلزمها، وإسقاطها حقها في الـوطـأ لا يـلـزمهـا، ولها أن ترجع فيه، أيضا النفقة يمكن تحصيلها لها بتسلف أوسؤال بخلاف الوطئ .

قـال البـزرلـي طلاق امرأة الغائب عليه المعلوم موضعه ، ليس بمجرد شهوة الجماع ، بل حتى تطول غيبته جداً سنة فأكثر على مالأبى الحسن، قاله

عبد الباقي وأما المفقود في الفتن ففيه قولا ن : أحدهما أنه يحكم له بحكم المقتول فتعتد امرأته ، ويقسم ماله، ثم اختلف هل ذلك من يوم المعركة أو بعد التلوم قدر ما ينصرف من هرب أو انهزم! فيتلوم في البعد سنة ، وفي القرب أقل ؟ اختلف أيضاً هل تدخل العدة في التلوم أم لا ؟

والقول الثاني أنه يضرب له أجل سنة ثم تعتد امرأته وينقسم ماله .

الرابع: وأما السوال عمن يرجع إليه في المهمات ، فالجواب أنه يشمل كل من يرجع إليه في الولاية الخاصة والعامة في الأمور الدينية والدنيوية كالقضاة فيما يختصون بها ، وهى النظر في الوصايا والولاء والأحباس المعقبة والترشيد والتسفية والتحجير ، والقسم في المواريث والنظر للأيتام وأمور الغياب وفي الانساب والجراحات والتدميات، فهذه لا ترفع إلا إلى القضاة، والمراد باختصاص القضاة بها أنها حين احتيج إليها فإنها ترفع إلى القضاة، وقد علمت فيما تقدم أن جماعة المسلمين ينوبون منابه، وكذا الإمام فيما يختص به من السياسة العامة من قسمة الغنائم وتفريق أموال بيت المال علي المصالح وإقامة الحدود وترتيب الجيوش وقتال البغاة وتوزيع الإقطاعات وإقطاع المعادن ونحو ذلك ، فلا يجوز لأحد الإ قدام عليه إلا بإذن الإمام، فمن يرجع إليه في المهمات ليس له حد في الشرع ، فيشمل كل من يرجع إليه في الولايات الدينية، لأن كل مسلم حاكم ووال، قال النبى صلى الله عليه وسلم : المقسطون يوم القيامة على منابر من نور عن يمين الرحمن وكلتا يديه يمين، الذين يعدلون في حكمهم وأهليهم (رواه مسلم في صحيحه برقم ٤٨٢٥ ، باب فضيلة الإمام العادل و عقوبة الجائر ... والنسائي برقم ٥٣٩٦، باب فضل الحاكم العادل ، كتاب آداب القضاة ) وقال صلى الله عليه وسلم : كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته ، فالإمام راع على الناس ومسئول عنهم، والرجل راع في أهل بيته، وهو مسئول عنهم،

والعبد راع في مال سيده وهو مسئول عنه ، ألا كلكم راع ومسئول عن رعيته، (حديث مشهور أخرجه الستة وغيرهم من المحدثين) فجعل صلى الله عليه وسلم في هذه الأحاديث الصحيحة كل هولاء رعاة ، وكذلك العالم الحاكم فإنه إذا أفتى وقضى وفصل الحلال والحرام والفرض والندب والصحة والفساد فجميع ذلك أمانة تؤدى وحكم يقضى! فيرجع إلى كل ممن ذكر نا فيما اختص به من المهمات الدينة والدنيوية، فأمر المفقود يرفع لمن يحسن التفتيش عنه في البلاد التى يظن به الخروج إليها ويكتب في الكتاب اسمه وصفته وحرفته واسم أبيه، ويبذل الجهد في التفتيش عنه، من هنا نقل الشذالى عن السيوري :

أن المفقود اليوم ينتظر به مدة التعمير لعدم من يبحث عنه الآن وأفتى به تلميذه عبد الحميد ، كما في البدر ، والله أعلم وبالله التوفيق .

أملاه العبد الفقير المواتى سعيد صديق الفلاتى

# الاستفتاء مرة ثالثة

الحمدلله وكفي وسلام على عباده الذين اصطفي.

أما بعد! فالمسئول من سادات العلماء المالكية وأرباب الفتوى منهم، متع الله المسلمين بهم، أنه قد بقيت في مسألة المفقود والمطلق عليه لعدم النفقة سؤالات عديدة، لا بد في تنقيح هذه المسائل ، وتفصيل حوادث الفتوى فيها، من جوابها مشرحة ، فالمرجو من أولئك الكرام أن يبذلوا الجهد في إتمامها وتفصيلها، كما بذلوه مرة في توضيحها وتكميلها علي مذهبهم الشريف، والأجر عند الله جزيل، وهذا تفصيل السؤالات :

١- قد تقرر في عامة كتب المالكية وثبت عندنا من فتاواهم أن من أقسام المفقود الأربعة قسماً يختص بحكم التعمير لزوجته ، وهو مفقود أرض الشرك ودار الحرب ، ولكن لم يتنقح مراده بعد، فهل المراد أن رجلاً من سكان دار الإسلام إذا ذهب إلى دارالحرب أسيراً أو تاجراً ثم فقد هناك ولم يدر أحي هو أم ميت ؟ وبقيت زوجته في دارالإسلام ، فلها حكم التعمير أم المراد أن سكان دار الحرب إذا فقد منهم رجل وزوجته أيضاً في دار الحرب فعليها التعمير، وعلى الأول فلا بد من بيان الحكم للصورة الثانية، فإنها هي حادثة الفتوى، وبها تعلق غرض السائل، فهل لزوجة المفقود في هذه الصورة أيضاً حكم التعمير؟

٢- البلاد التي تسلط عليها الكفار إلا أن بعض الشعائر الإسلامية فيها قائمة بعد كبلاد نا الهندية اليوم، هل هي في أمر المفقود في حكم دار الحرب أم دار الإسلام ؟

٣- الغائب المطلق عليه لعدم النفقة إذا جاء بعد تزوجها، وبعد دخول الثاني وأثبت بالحجة إرسال النفقة ووصولها إليها أو إسقاطها عنه،

وكـذا الـمـنـعي لهـا زوجهـا، إذا جـاء بـعد دخول الثاني فالحكم عند السادة المالكية أنها ترد إلى زوجها الأول وإن ولدت الأولاد، كما صرح به في شرح الـدرديـر على مختصر الخليل، وهو المصرح في غاية فتاوى المالكية ، فههنا سؤالات عديدة :

الف– الأول أنها إذا ردت إلى الزوج الأول فهل يجدد له النكاح أم لا؟

ب–الثاني أنه يجدد لها المهر أم لا ؟

ج– الثالث هل تجب عليها عدة الزوج الثاني أم لا، وعلى الأول فكم عدتها ؟

د– الرابع هل على الثاني مهرها أم لا ؟

هـ–الخامس أن نسب أولادها بمن يثبت بالأول أم بالثاني؟

٤– قـد تـقـرر عندهم أن امرأة المفقود والمعسر الغائب والمطلق عليه بـعـدم النفقة يفيتها دخول الثاني بتقدير الطلاق من حين الشروع في العدة، كما صرح به الدردير وغيرهم، فهل الخلوة الصحيحة فيه تقام مقام الدخول أم لا ؟

٥– مـا الـمـراد فـي الـرواية التـي جعلوا فيهاحكم جماعة المسلمين كحكم القاضي من قولكم رحمكم الله تعالى "فإن عدم الحاكم حسا أواعتبار فجماعة المسلمين".

٦– الـقـضـايا التي يراجع فيها إلى جماعة المسلمين علي مذهب الـمـالكية هل يجب أن تكون موافقة لمذهبهم ، وهل يكون تلفيقاً ممنوعاً إن حـكـمـنـا بـقـضـاء جـمـاعة الـمسـلمين في قضية هى مخالفة لمذهب الـمـالـكية وهى تحتاج إلى القضاء على مذهب الحنفية ، أجيبوا رحمكم الله أجاب الله دعواتكم .

# الجواب

## من العلامة محمد طيب بن إسحق الأنصاري المدني المدرس بالمسجد النبوي على صاحبها الصلوة والسلام

بسم الله الرحمن الرحيم وبه نستعين

الحمد لله نحمده ونستعينه ونشكره ونسجده ولا نحصي ثناء عليه، وصلى الله على سيد العرب والعجم المخصوص بجوامع الكلم وعلى آله وصحبه ذوي الهمم.

[١٦] أما المسئلة الأولى والثانية فجوابهما، والله أعلم، أن المرأة المسلمة التي فقدت زوجها في بلاد استولت عليها الكفار مدة مديدة كما في مصر والشام وبقية الأمصار تعتد أربع سنين، ثم تعتد عدة الوفاة أربعة أشهر وعشراً و زوجها يكون في عداد القسم الأول من أقسام المفقود لأنهم عرفوه بأنه من غاب وانقطع خبره و أمكن الكشف عنه، وعرفوا القسم الثاني وهو المفقود في أرض الحرب بأنه من غاب وانقطع خبره ولم يمكن الكشف عنه لأنه فقد في أرض الحرب، فالبلاد المذكورة وإن كان حاكمها كافراً لا تكون كأرض الحرب من كل وجه لوجود قضاة المسلمين فيها وولاتهم وإمكان الكشف، فاتضح بهذا أن حكمها حكم من فقدت زوجها ببلاد الإسلام، فلا تنتظر مدة التعمير، فلا تختص الصورة الثانية المذكورة في المختصر بالمسلمة الكائنة في بلاد الإسلام بل تشمل من كانت في البلاد المستعمرة للكفار، لأن المراد بالشركية البلاد الحربية التي لا يمكن للمسلم الوصول إليها ولا تتمكن القضاة من التفتيش فيها لا مطلق البلاد الكفرية، لأنها ربما تكون سلمية أو ذمية، وأما القاطنة في البلاد الشركية الحربية فحكمها هي وزوجها حكم المسلمين فيفديهما الإمام من بيت المال

إن كان، وإلا فمن ماله بالغاً مابلغ ، وإلا فعلى جميع المسلمين .

[١٧] وأما المسألة الثالثة فالحكم عند المالكية كما ذكرتم أنها ترد إلى زوجها الأول.

فأما الغائب المطلق عليه بعدم النفقة فقال عبد الباقي على مختصر خليل : والمطلقة لعدم النفقة تتزوج ويدخل بها ثم ظهر إسقاطها عن المطلق عليه بأن أقام بينة أنه كان يرسلها إليها وأنها وصلتها أو أنه تركها عندها فلا يفيتها دخول الثاني.

وأما المنعي لها زوجها، فقال عبد الباقي أيضاً : إذا أخبرت من غير عدلين بموته فاعتمدت واعتدت وتزوجت ، ثم قدم فلا تفوت عليه بدخول الثاني ، ولو ولدت منه أولاداً، سواء حكم به الحاكم أم لا، على المشهور وترد إليه في الصورتين من غير تجديد عقد ولامهر، ويجب عليها الاستبراء بثلاث حيض إن كانت ممن يحيض أو وضع حمل إن كانت حاملاً أو ثلاثة أشهر إن كانت صغيرة أو آيسة، و يجب على الثاني جميع الصداق المسمى إن كان، وإلا فصداق المثل، لقول الشيخ خليل ( وتقرر بوطأ وإن حرم ) قا ل الدرير : "تقرر جميع الصداق الشرعي المسمى ، أو صداق المثل في التفويض بوطأ المطيقة من بالغ، وإن حرم ذلك الوطأ ويلحق نسب الأولاد بالثاني، وهذا مما لا خلاف فيه في مذهب المالكية .

[١٨] وأما المسئلة الرابعة فقال الدردير رحمه الله تعالى : وقدر طلاق من المفقود حين الشروع في العدة يفيتها عليه، يتحقق وقوعه بدخول الزوج الثاني عليها ،حتى لو جاء الأول قبل دخول الثاني كان أحق بها ، و بعد الدخول بانت من الأول ، وتأخذ منه جميع المهر ، وإن لم يكن قد دخل بها فلم ينص إلا على امرأة المفقود، وأما المعسر الغائب والمطلق عليه بعدم النفقة فلا يفيتها دخول الثاني ولو ولدت منه أولاد كما تقدم ذكره في المسألة

الثالثة، وإذا اختلى بها خلوة اهتداء فقد دخل بها، وقال في حاشية العدوى علي مجموع الأمير عند قوله وقدر طلاق يتحقق عند دخول الثاني أى خلوته بها ، وإن أنكر التلذذ بها لأن الخلوة مظنته وقائمة مقامه كما في التوضيح.

وأما المسألة الخامسة ، فالجواب أن المسائل التي تنوب فيها جماعة المسلمين عن القاضى كثيرة، ومنها مسألة المفقود، فإن امرأته لا بدلها من أحد أمرين، إما أن ترضى المقام مع زوجها المفقود أو تريد المفارقة، فإن أرادتها فلابد لهامن رفع أمرها إما إلى القاضى أو الوالى او والى الماء، وان لم يوجدوا فلجماعة المسلمين من صالحى بلدها وجيرانها ، وأما أنها تعتد أو تتزوج برجل آخر من غير رفع أمرها إلى القاضي ومن ذكر فلا قائل بحليته وجوازه لما فيه من الفساد .

[١٩] وأما المسئلة السادسة فجوابها أن القضايا التى يرجع فيها إلى جماعة المسلمين يجب أن تكون موافقة لمذهبهم، لأن التلفيق حرام باتفاق، والله سبحانه وتعالى أعلم .

أمر بكتابته محمد الطيب بن اسحٰق الأنصاري المدني

خادم العلم في المسجد النبوي

# الجواب
## من العلامة الصالح التونسي المالكي
## المدرس بالمسجد الشريف بالمدينة المنورة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن والاه.

وبعدا فقد وردت علي أسئلة متفرعة عن مسألة المفقود، وهي هذه :

١- إذا ردت زوجة المفقود ونحوه إلى الزوج الأول بعد دخول الثاني فهل يجدد للأول النكاح أم لا ؟

٢- وهل يجدد لها المهرأم لا ؟

٣- وهل تجب عليها العدة للزوج الثاني أولا، كم عدتها؟

٤- وهل لها المهر على الثاني أولا؟

٥- نسب أولادها من الثانى بمن يلحق ؟

٦- هل الخلوة الصحيحة المعتبر بها في العدة ونحوها تقوم مقام الدخول أولا؟

٧- القضايا التى يكون المرجع فيها ونظرها إلى القاضى فإن عدم حساً أو اعتباراً فجماعة المسلمين فهل يكون تلفيقا ممنوعاً إن كان أصلها على المذهب الحنفي، وأريد جعل النظر فيها لجماعة المسلمين على المقرر عند المالكية بشرطه المذكور .

# الجواب
## بعون الله على المذهب المالكي حسب المقرر والمحرر في كتبهم المتداولة المعمول بها في الحكم والفتوى

[٢٠] فعلى المسألة الأولى أن رجوع الزوجة لزوجها الأول بعد دخول الثاني لا يحتاج لتجديد النكاح .

وعلى الثانى أنه لا مهر لها من جديد .

[٢١] وعلى الثالث وجوب العدة وتسمى استبراء، وهو بثلاث حيض.

وعلى الرابع بوجوب المهر كاملاً لها على الثاني للقاعدة المجمع عليها، وهو تكميله بالوطأ .

وعلى الخامس يلحق نسب أولادها من الثاني به للقاعدة وأنه كلما سقط الحد لحق الولد .

وعلى السادس بأن الخلوة الصحيحة تقوم مقام الدخول في هذا ومثله ، إلافي المبتوتة فبثبوت الإيلاج.

وعلى السابع بأن ذلك ليس من التلفيق الممنوع سواء سميناه تقليداً أو تلفيقاً كما يقتضيه كلام المجموع بأوله، وبباب النكاح عند قوله "والمبتوته حتى يولج بالغ" وهو الاولى بسماحة الدين والتوسعة على المسلمين، وليس الإنسان إذا قلد مذهباً من المذاهب يكون مربوطاً به في جميع نوازله وكافة حوادثه ومسائله، فهو خلاف العقل والنقل، ودين الله يسر، والله أعلم وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه .

**كتبه بيده مستعجلا صالح التونسى المالكى**

المدرس بالمسجد النبوى

يوم الأربعاء الرابع والعشرين من صفر الخير عام واحد وخمسين وثلاث مائة وألف هجرية غفر الله له وعفا عنه

# الاستفتاء من العلماء المالكية بالمرة الرابعة

## السؤالات

٢- السوال الثانى(١) أن جماعة المرفوع إليها إذا كانت حنفي المذهب ورفع إليها أمر يوجب التفريق عند الحنفية ولا يوجب عند المالكية، مثاله تقبيل ابن الزوج إياها أو غيره من الأفعال التى توجب حرمة المصاهرة عند الأحناف ، فهل يجوز لهذه الجماعة الأحناف عند المالكية أن يحكموا بالتفريق وهل ينفد حكمهم إن حكموا بها مع أن هذا الحكم ملفق خارق للإجماع ظاهراً لأن الحنفية لم يعتبروا بحكم الجماعة أى لم يعدوه بمنزلة حكم القاضي، والمالكية وإن عدوا جماعة المسلمين بمنزلة القاضي ، ولكن هذا الأمر لا يوجب التفريق عندهم، فهل يجوز مثل هذا التفريق أم لا؟ بينوه مع نقل العبارات من كتب الفقه ، جزاكم الله تعالى عنا وعن سائر المسلمين .

والذي فهمنا في الجواب عن هذا السؤال بناءً على القواعد ، هو أن الفقهاء صرحوا بأن قضاء القاضي إذا صادف محلاً مجتهداً فيه نفذ، و هذا الحكم المسئول عنه مجتهد فيه، وهذه الجماعة تنوب مناب القاضي، فإذا حكموا بالتفريق فقد تحقق أن القضاء لاقى فصلا مجتهدا فيه فينبغي أن ينفذ ، وكذا يقال في كل أمر مجتهد فيه أياما كان، أما لزوم محذور التلفيق كمالزم في هذه الصورة حيث إن الحاكم حكم على المذهب المالكي لا الحنفي،

---

(١) تركنا السؤال الأول لما لم نر إليه حاجة.

والحكم حكم على المذهب الحنفي لا المالكي ،فأعدل الأقاويل فيه أن التلفيق لا يجوز في المسألة الواحدة لا في مسألتين أو أكثر، وههنا كذلك لأن كون الجماعة في حكم القاضي مسألة، وحرمة المصاهرة مسألة أخرى فلا بأس بالتلفيق فيه ، هذا ما فهمنا، فإن كان صحيحاً فبها ونعمت، وإن لم يصح فأوضحوا لناوجه الغلط، جزاكم الله تعالى ومتعنابكم إلى أزمنة تتوالى .

٣- السوال الثالث الأمر الذي يوجب التفريق بالاتفاق ولكن كانت شرائطه مختلفاً فيها، مثلاً إذا كان الجنون مطبقاً فعند المالكية يؤجل صاحبه سنة ،كما إذا كان ذا إفاقة ، وأخذ ساداتنا الحنفية بقول محمد أن الجنون إذا كان مطبقا لا يؤجل بل يفرق في الحال كالجب، فهل يجب على جماعة المسلمين أن يراعو الشرائط المعتبرة عند المالكية أم يجوز الاكتفاء بالشرائط المرعية عند الحنفية ؟ أفيضوا علينا، متع الله المقتبسين بطول بقاء كم .

# الفتوى من العلامة محمد بن علي البيضاوي المالكي متع الله المقتبسين بعلومهم

[٢٢] وقبل ذكر صور الأربع أذكر لكم مقدمة فيها مسائل، منها تعريف المفقود، وهو الذى انقطع خبره، ممكن الكشف عنه، ومنها أن كل من ليس له مال تنفق منه زوجته من أسير أو مفقود بأقسامه الأربعة الآتية، فحكمه حكم المعسر الغائب الذى لم يترك لزوجته نفقة، فتأجل شهراً او تحلف وتطلق نفسها كما في شرح التحفة للشيخ على بن عبد السلام التسولى، وهذا الشهر الذي تؤجله يكون بعد إتيانها ببينة تشهد لها بأن زوجها غاب عنها قبل البناء أو بعده بموضع كذا، أو لا يعلمون موضعه وأنه غاب منذ كذا، ولا يعلمونه ترك لها نفقة ولا كسوة ولا شيئاً تمون به نفسها، ولا ما تعدى فيه ولا أنه آب إليها ولا بعث بشيئ ورد عليها في علمهم إلى حين تاريخه كما في التسولى المذكور ثم إنها كونها تطلق بعد ثبوت ما ذكرو اليمين إذا لم يتطوع قريب أو أجنبى بنفقتها وإلا فليس لها أن تطلق نفسها على المعتمد لأن سبب الفراق وهو عدم النفقة قد زال كما في التسولى.

## [٢٣] المسألة الثانية

اعلم وفقني الله وإياك أن المالكية لا يرون الحكم على الزوجين بالتفريق لأن مذهبهم خلاف ذلك، ولا يأمرون الحنفية بالحكم بالتفريق، لأن الأمر في ذلك خلاف مذهبهم، نعم إذا أراد جماعة الحنفية الحكم بذلك تقليداً للمالكية في حكم جماعة المسلمين فتكون المسألة عندهم من باب التلفيق وهو

---

(١) تركنا هذا السوال واكثر الجواب لما لم نر اليهمامزيد حاجة ١٢ منه

جائز على الصحيح ، وينبغي عدم ارتكابه في الفروج بخلاف تتبع الرخص، فلا يجوز كما يأتي، ففي الشبر خيطي أنه يمتنع تتبع رخص المذاهب وفسرها بما ينقض به حكم الحاكم من مخالف النص وجلي القياس ، وزاد في مراقي السعودى مخالفة الإجماع ، وقاعدة الدين والغيرة أن معناه رفع مشقة التكليف باتباع كل سهل، وفيه أيضاً منع التلفيق، والذي قاله شيخنا الأمير عن شيخه العدوى عن شيخه الصغير وغيره أن الصحيح جوازه، أى التلفيق و هو فسحة، لكن لا ينبغي فعله في النكاح لأنه يحتاط في الفروج ما لا يحتاط في غيرها ، انتهى من بلغة السالك لأقرب المسالك للشيخ أحمد الصاوى مع بعض زيادة وبيان.

وما ذكره أعلاه من منع تتبع الرخص، وكذا التلفيق نقله الشيخ محمد الأمير في مجموعه ثم تعقبه بقوله:وسمعت من شيخنا عن شيخه الصغير وغيره أن الصحيح جوازه أى التلفيق وهو فسحة انتهى مع زيادة بيان.

قال محشي الشيخ حجازى : ينبغى إلا في الفروج للاحتياط فيها كما قاله بعض المحققين انتهى ، وذكر الشيخ حجازى أيضاً قيل : إن منع تتبع الرخص نص عليه القرافي، وغيره ثم ذكر مناقشة المواق في سنن المهتدين في ذلك ولكن غير مسلمة، وذكر الشيخ أبو العباس سيدى أحمد بن عبدالرحمن الشهير بابن حلولو في الضياء اللامع في شرح جمع الجوامع : أن الإنسان إذا التزم مذهباً معينا ثم أراد الخروج اختلف فيه ، فالمازري والغزالى على عدم الجواز، وصحح الرافعى الجواز، والقول الثالث لا يجوز في بعض المسائل ويجوز في البعض ، والبعض الذى لا يجوز فيه هو الذى عمل به، واختار عزالدين والقرافي جواز الانتقال وأن المذاهب كلها مسالك إلى الجنة ، ذكر القرافي عن الزناتى أن ذلك جائز بثلاثة شروط .

الأول أن لا يجمع بينها على وجه يخالف الإجماع كمن تزوج بغير ولى ولا صداق ولا شهود ، فإن هذه الصورة لم يقل بمجموعها أحد .

الثاني أن يعتقد فيمن يقلده الفضل بوصول أخباره إليه .

الثالث أن لا يتتبع رخص المذاهب انتهى۔

وجوز بعضهم تتبع الرخص للموسوس دون غيره كما في "نشر البنود على مراقي السعود" وقال : وهو قول حسن وامتناع تتبع الرخص شامل لمن التزم مذهباً معيناً وغيره انتهى منه۔

فعلم من هذه النصوص أن تتبع الرخص ممنوع، سواء التزم مذهباً معيناً أم لا ۔لا في حق الموسوس، والتلفيق يجوز على الصحيح غير أنه لا ينبغي فعله في النكاح۔

والمسألة التى ذكرتم من التلفيق لا من تتبع الرخص ، فتجوز ون كانت هنا في الفروج لأنها عزيمة واحتياط ، وأما ما نقله الشيخ حجازي عن بعض المحققين ۔نه ينبغي لا في الفروج للاحتياط فيها، فذلک في الرخصة انتهى ۔ والله أعلم ۔

[۲۴] وأما المسألة الثالثة ذكرتم فيها هل يجب على جماعة المسلمين الحنفية أن يراعوا شروط المالكية أم يجوز الاكتفاء بالشرائط المرعية عند الحنفيةلى آخره ۔

اعلم( وفقنى الله وياكم) أنه يجب على جماعة المسلمين الحنفية أن يراعوا شروط المالكية ليخرجوا من تتبع الرخص الممنوع، لأنهم ذا لم يراعوا شروط المالكية فيكونوا أولا ارتكبوا رخصة حكم جماعة المسلمين كما تقول المالكية ، والحال أنهم ليسوا المالكية، ثم ارتكبوا رخصة شروط الحنفية، والحال أنهم حكموا بمذهب المالكية، والله سبحانه وتعالى أعلم ۔

## ضروی اطلاع

یہاں تک جوفتاوی مالکیہ لکھے گئے ہیں وہ سب پہلی طباعت کی وقت حاصل ہوچکے تھے، اورجن حضرات کی تصدیقات اس رسالہ کے ساتھ طبع کی گئیں ان سب حضرات کی نظر سے گزر چکے ہیں، اس کے بعد چند صفحات کا ضمیمہ جس پر صفحہ ۲۳۵ سے صفحہ ۲۴۹ تک لکھے ہوئے ہیں یہ فتاوی بعد حصول تصدیقات حاصل ہوئے ہیں، اس لئے اطلاع دی گئی تا کہ تلبیس واختلاط نہ ہو، فقط۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد وصلوۃ۔ عرض یہ ہے کہ حیلہ ء ناجزہ شائع ہونے کے بعد اس کے متعلق چند علمائے کرام کی طرف سے کچھ اشکالات ہوئے تھے، وہ مدینہ منورہ بھیج دئے تھے وہاں سے جو جوابات آئے ہیں ان کو بعینہ اصل عبارت عربی میں مجموعۃ الفتاوی المالکیۃ (مذکورہ حیلہ ناجزہ) کا تتمہ بنا کر مستقل شائع کیا جاتا ہے۔

چونکہ اس تتمہ میں دو امر ایسے ہیں جن کا اصل اردو رسالہ میں اضافہ ضروری ہے، نیز ایک ضروری تنبیہ بھی خیال میں آئی لہذا ان کو بھی بطور ضمیمہ شائع کیا جاتا ہے۔

## اضافۂ اوّل

حیلۂ ناجزہ میں ''تنبیہات ضروریہ متعلق جماعت مسلمین'' تنبیہ سوم میں جو حکم درج ہے کہ جماعت مسلمین کا صرف وہ فیصلہ معتبر ہوگا جو باتفاق ہو، الخ اس پر درج ذیل حاشیہ (۱) کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

## اضافۂ دوم

عنوان بالا تنبیہ سوم کے بالکل ختم پر متن میں سوال وجواب ذیل کا ایک اضافہ کیا جاتا ہے۔

**سوال:** اگر مقدمہ پیش کرنے کی بابت فریقین میں اختلاف ہو، ایک فریق ایک جماعت کے پاس مقدمہ لے جانا چاہے، دوسرا فریق دوسری جماعت کے پاس، تو کس فریق کو ترجیح دی جائے گی، اور کس جماعت کو سماعت دعوی کا حق ہوگا، اور ایک جماعت فیصلہ کر چکے اس کے بعد دوسرا فریق کسی اور جماعت کو سابق فیصلہ کے خلاف درخواست دے تو دوسری جماعت کو سابق کے

---

(۱) اس وقت علمائے مالکیہ کا جواب اس مسئلہ کے متعلق موصول نہ ہوا تھا اس لئے قواعد سے حکم لکھ دیا تھا، بعد میں جواب آ گئے ہیں ان سے معلوم ہوا کہ سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جماعت کا متفق ہونا شرط ہے كما صرح به العلامة صالح التونسي والشيخ عبد الله الفلاتي في الجواب عن الاستفتاء بالمرة الخامسة. ۱۲ منه رحمه الله

خلاف فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

## جواب

مقدمہ پیش کرنے کا اس کو حق ہے جو از روئے شریعت مدعی قرار دیا جائے، دوسرے فریق کو اس میں اختلاف کا کوئی حق نہیں۔

اور اگر کوئی ایسا معاملہ ہو کہ اس میں دونوں فریق شرعاً مدعی تصور کئے جاتے ہیں، تو جس جگہ سے طلبی کا پیام پہلے پہنچ جائے دونوں کو اس کے ہاں جانا لازم ہے، اور اگر دونوں جگہ سے طلبی کا حکم ایک دم پہنچ گیا ہو تو پھر قرعہ ڈالا جائے، جس کا نام قرعہ میں نکل آئے اس کے ہاں مقدمہ پیش ہوگا اور جب ایک جماعت فیصلہ کر چکے اس کی بعد دوسرا فریق اس کے خلاف درخواست دے تو اس میں تفصیل ہے، اگر پہلا فیصلہ شریعت کے قطعاً خلاف ہے تب تو اس فیصلہ کے خلاف صحیح فیصلہ کیا جائے۔

اور اگر وہ فیصلہ ایسا ہے جو قطعی طور پر شریعت کے خلاف نہیں بلکہ کسی نہ کسی قول کے موافق ہے تو اس فیصلہ کو توڑنا جائز نہیں، گو دوسری جماعت کی تحقیق میں وہ صحیح نہ ہو، **كما هو المصرح في الجوابين عن الاستفتاء بالمرة الخامسة والله أعلم.**

## تنبیہ ضروری

اگر کسی جگہ حکومت کی طرف سے ایسا حاکم متعین ہو جس کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں (یعنی حاکم غیر مسلم ہو یا احکام شرعیہ کی رعایت نہ کرتا ہو، یا مذہب مالکیہ کے مطابق فیصلہ کرنے کے صورت میں حاکم عادل نہ ہو، یا عالم نہ ہو، اور علماء سے مراجعت بھی نہ کرے تو اس کا فیصلہ معتبر نہیں، جیسا کہ اصل رسالہ میں مفصل معلوم ہو چکا ہے) مگر قانونی خطرہ سے حفاظت کیلئے اس کے یہاں مقدمہ دائر کرنا پڑے تو مقدمہ دائر کرنے میں مضائقہ نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لازم ہے کہ جماعت مسلمین سے بھی فسخ کا حکم حاصل کیا جائے، اور عمل کا تمام تر مدار جماعت مسلمین ہی کے فیصلہ پر رکھا جائے، پھر خواہ اول حکومت سے فیصلہ حاصل کیا جائے، خواہ اولاً جماعت مسلمین سے فیصلہ حاصل کیا جائے، خواہ دونوں جگہ ایک ہی ساتھ مقدمہ پیش کر دیا جائے، مگر ہر حال میں جماعت مسلمین کے

فیصلہ سے پیشتر صرف ایسے حاکم کے فیصلہ کو ہرگز کافی نہ سمجھیں جس کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں۔

## نوٹ:

چونکہ اس ضمیمہ میں کوئی مضمون ایسا نہیں جس میں اختلاف کا شبہ ہو (کیونکہ اضافۂ اول میں تو تائید ہے اس حکم کی جو یہاں بالاتفاق طے ہوا تھا، اور اضافۂ دوم میں ایک مسئلہ ہے جس کی تمام کتب فقہ میں تصریح ہے، اور تنبیہ کے مضمون کی بناء خود رسالہ میں مصرح ہے) نیز مشاغل کی وجہ سے اجتماع کا انتظام و انتظار دشوار بھی تھا، اس لئے اس ضمیمہ کو ان سب حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کا اہتمام ضروری نہ سمجھا جو حیلۂ ناجزہ کی تصحیح و تنقیح میں شریک تھے، اگر ناظرین میں کسی کو سب کی رائے تصریحاً معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو ان حضرات سے خود تحقیق کر لیں۔

**حرره أشرف علي بمشاركة المولوي محمد شفيع والمولوي عبد الكريم**

**غفر لهم الرحمن الرحيم**

**لمنتصف شهر شعبان ۱۳۵۴ھ**

بسم الله الرحمن الرحيم

# الاستفتاء بالمرة الخامسة

الحمد لله وكفي وسلام على عباده الذين اصطفى .

أما بعد : فالمعروض على ساداتنا العلماء المالكية أنه قد اختار بعض أحناف الهند ما صرح به المالكية من أن جماعة المسلمين تقوم مقام الحاكم في فصل الخصومات عند عدم الحاكم حساً أو معنى، ولكن وردت على ذلک أسئلة نکتبها إليكم، والمأمول من جنابكم أن تشرفونا بالجواب عنها مع الدليل ،تؤجر عندالله الجليل.

## الأول ـ

أعني أول الأسئلة قد صرحوا أن زوجة المفقود ومثلها ترفع أمرها إلى جماعة المسلمين عند عدم الحاكم لم نجد في كتبهم كيفية قضاء الجماعة هل تلى تلک الجماعة بأجمعها سماع القضية وفصلها أم تفوض أمرها إلى عالم عدل يقضي فيها؟

## الثاني ـ

وعلى الشق الأول إذا وليت الجماعة بأجمعها شبهتان.

(الف) إذا ثبت عندالمالكية أن تفرد القاضي في القضاء واجب، والقضاء المشترک باطل، فكيف يصح القضاء للمشترک من الجماعة؟ أليس هذا الحكم قضاء؟ وإن لم يكن قضاء فماذا تسمونه؟

(باء) هل يشترط اتفاق الجماعة على الحكم أم لا؟ وإن لم يكن الاتفاق شرطاً فكيف السبيل إلى ترجيح رأى على رأى؟ هل يرجح بالكثرة أم بمرجح غيرها ؟ والذى فهمنا أن الاتفاق على رأى شرط لنفاذ الحكم من

الـجـمـاعة ، وإن لـم نجد هذا مصرحاً، لكن قسناه على ما إذا حكم الخصمان رجـلـيـن أو رجـالا ، فـالاتـفـاق عـلـى رأى واحد شرط، كما صرح به ساداتنا الـحـنفية والمالكية معاً إلا أن بعض أهل العلم أورد على هذا القياس أن ولا ية الـحـكـمـيـن مـخـصـوصة بالمحكمين وولا ية الجماعة عامة لجميع من رفع الأمر إليها فافترقا، أفيدونا بالحكم الصحيح، متعنا الله بطول بقائكم !

## الثالث-

وعلى الشق الثانى وهو أن تفوض تلك الجماعة فصل الخصومة إلى شـخـص واحـد، هـل يـجـب أن يـكون هومن أفراد الجماعة المرفوع إليها أم يجوز أن يكون من غير تلك الجماعة؟

## الرابع-

هـل يشترط لـلـقـاضـى الـقـوة القاهرة والشوكة الظاهرة على تنفيد الـحكم أم لا ؟ ويتفرع على هذا سؤال آخر وهو أن المسلمين إذا كانوا تحت حـكومة غير مسلم ، ولم يكن ثمه قاض من جانب الحكومة، فهل يصح نصب القاضى من عامة المسلمين مع أن القوة لا تحصل بمجرد نصبهم ؟

## الخامس-

وإن كـانـت الـقوة والشـوكة شـرطـاً لـلـقـاضـى فهـل تشترط القوة والشـوكة لتـلـك الـجـمـاعة التـى رفـع الأمر إليهم، فإن قيل بصحة حكمها ونفاذه بدون القوة ، فماالفرق بين القاضي وتلك الجماعة ؟ بينوا بالدليل !

## السادس-

لـو وقـع الاختـلاف بـيـن جماعتين من المسلين في فصل الخصومة ، فـكيف يـرجـح أحد الحكمين؟ مثلاً ادعت امرأة على زوجها التعنت و رفعت الأمـر إلى عدول جيرانها ، وأقامت البينة على دعواها، وفرق أولئك العدول

بينهما، ورفع زوجها هذا الأمر إلى جماعة أخرى من المسلمين، وأثبت نشوزها، فحكمت هذه الجماعة خلاف ما حكم به أولئك العدول المذكورون سابقاً، فقد وقع اختلاف بين الحاكمين، فكيف السبيل إلى ترجيح حكم أحدهما على الآخر؟

إن قيل في حلّ هذا السؤال أنه يجب على المسلمين الاكتفاء على نصب جماعة واحدة في بلدة واحدة، ولا يجوز لهم نصب جماعات متعددة كيلا يكون للاختلاف الذى ذكر مساغ.

قلنا أولاً أنه لا يمكن في زماننا هذا للمسلمين لا سيما في الديار الهندية أن يجتمعوا على جماعة واحدة كما هو مشاهد.

وثانياً أن عبارة الفقهاء المالكية في هذا الباب: رفعت الأمر إلى عدول جيرانها مطلقاً ولم يقولوا إنها رفعت الأمر إلى جماعة نصبها أهل الحل والعقد، فزيادة قيد النصب من أهل الحل والعقد زيادة على المنقول في المذهب على ما يظهر، والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

# الــــجواب
# من الشيخ عبد الله الفلاتي
## المدرس بالحرم النبوي

بسم الله الرحمن الرحيم

وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.

الحمد لله مجيب سؤال من سأله ودعاء حمد معترف بعجزه وقصوره، معترف لنفحات رحماه، والصلوة والسلام على سيدنا ومولانا محمد مصطفاه من خليقته ومجتباه، وعلى آله وأصحابه الباذلين مهجهم في مرضاته وسبيل هداه، وبعد فأكرمنا الله وإياكم بتقواه ، ووفقنا وإياكم لما يحب ويرضاه، فإنه قد اتصل بنا من قبلكم مكتوب يشتمل على نوازل ، زعمتم أنه التبس عليكم حكمها ، ومسائل استبهم عليكم فهمها، خصصتمونا فيه بالخطاب، وعينتمونا لرد الجواب، وكلفتمونا أن نكتب لكم ما يكون كفيلاً بالبيان ، وما عليه المعول في ذلك الشأن، فأقول وبالله التوفيق وبيده الهداية إلى سواء الطريق .

## المسألة الأولى

بعد مقدمتكم عند قولكم : فالمعروض على ساداتنا( إلى قوله) عالم عدل يقضي فيها فجوابه نعم أن أهل المذهب ذكروا أن زوجة المفقود و زوجة الغائب وزوجة المعترض والعنين، ورجل نشزت زوجته أو ادعى عليها داء الفرج ونحو ذلك، كلهم يرفعون أمرهم على جماعة المسلمين حين فقد الحاكم حساً أو معنىً ، وظاهر أن الجماعة المرفوع إليها الأمر لا بدلها من أن تجمع لسماع القضية وفصلها، إن جملة الجماعة كالقاضي الواحد ولا

وجود للمجموع عند انتفاء بعض الأجزاء، يشهد عليه نصوص الفقهاء حيث قالوا: إن جماعة المسلمين تقوم مقام القاضي.

وأصرح ما في الباب ما قال القابسي وغيره من القرويين : لو كانت المرأة في موضع لا سلطان فيه لرفعت أمرها إلى صالحى جيرانها يكشفون عن خبر زوجها ثم يضربون له الأجل أربعة أعوام ، ثم تعتد عدة الوفاة وتحل للأزواج، لأن فعل الجماعة في عدم الإمام كحكم الإمام، و مثله ما قال أحمد الصاوى على قوله" فرضت النفقة في مال ا لغائب أى يفرضها الحاكم إذا رفعت له أمرها أوبجماعة المسلمين إن لم يكن حاكم ، إذا ثبت عدم الزوج ولم يحضر طلق عليه الجماعة على النهج المتقدم بعد تلوم الاجتهاد من الحاكم بغير تحديد ، إن لم يعلم موضعه أو علم ، وكان غيبته على عشرة أيام، وإن قرب أرسل إليه فإن حضر ، فظاهر وإلا طلق عليه الخ، وفي العدوى على أبي الحسن" قال الشرنوبى: وبعد ذلك يمكنونها تطليق نفسها ويحكمون به أو يوقعونه" الخ .

**الثاني** : وأما قولهم: وعلى الشق الأول يعنى إذا وليت الجماعة إلى قوله متعنا الله بطول بقائكم، فجوابه ( وفقنا الله وإياكم إلى سواء الطريق) أن أشخاص الجماعة ليست مقصودة في هذا الباب، بل المقصود هنا قيامهم كلهم أو بعضهم على فرض الكفاية مقام الإمام أوالقاضى حين عدما، ولذا قالوا : ولو واحداً وإن كان فيه خلاف بخلاف القاضي لأن المقصود منه اتحاد ذاته وحكمه من غير مشاركة لغيره إلا من جهة المشهورة ، ألا ترون أن شهادة كافة النساء أو اثنتين منهن في الباب الذى يشهد فيه الرجال كرجل واحد، وفي الباب الذى لا يشهد فيه الرجال كل واحدة منهن كرجل كامل، وفي باب الأعراب جعلوا المثنى والجمع ليسا مفردين، وفي باب المبتدأ والخبر جعلوهما مفردين، ويفهم من ذلك صحة كل حكم على ما وضعه

أصحابه المتبعون، واتضح من هذا أن حكم الجماعة ليس مشتركا ، بل هو حكم من مفرد معنى كحكم القاضي والإمام إن ولى القضاء، كما يسمى حكمهما قضاء، والشرطي ووالي الماء كذلك، وفي "المدونة" : قلت أرأيت العنين أيجوز له أن يؤجله صاحب الشرطة أو لا يكون ذلك إلا عند قاض أو أمير يولى القضاء، قال قال مالك: أرى أن يجوز قضاء أهل هذه المياه، وقال ابن القاسم : إنما هم أمراء على تلك المياه ، وليسوا بقضاة، فأرى أن صاحب الشرطة أن ضرب للعنين أجلاً جاز ، وكان ذلك جائزاً ، وعلم بهذا أيضاً أن كل من حكم على ما يحكمه القاضي سواء بالنيابة أوغيره سمي حكمه قضاء .

وأما قولكم بعد (ب) وهل يشترط اتفاق الجماعة على حكم أم لا؟ فجوابه أن اتفاقهم واجب لا يمكن غيره لما سبق أنهم كالقاضي الواحد ، وإذا تقرر هذا فلا حاجة إلى السؤال عن مرجح لدى اختلافها.

وأما قولكم والذى فهمنا أن الاتفاق على رأى شرط لنفاذ الحكم من الجماعة وإن لم نجد هذا مصرحاو لكن قسناه على ما إذا حكم المتخاصمان رجلين أو رجالاً، فالاتفاق على رأى واحد شرط كما صرح به ساداتنا الحنفية والمالكية معاً فجوابه أن هذه المسألة ثابتة بالنصوص غير محتاجة إلى قياسنا كما مر نقله، ولكن هذا القياس صحيح على ما أظن، والفارق الذى أورد عليه لا يعبأ به، والله أعلم .

**الثالث**: أما قولكم بعد هذا."وعلى الشق الثانى وهو أن تفوض (إلى قوله) من غير تلك الجماعة" ، فجوابه لم نر من نص أن الجماعة تفوض الأمر بعدما رفع إليهم لواحد منهم ، وتتبعنا الكتب التى بين أيدينا فلم نقف عليه ، وأما لو قدرنا أن لهم أن يفوضوا الأمر لرجل لكان الرجل منهم ،لأن الجماعة ليسوا بمحصورين بالأشخاص، بل بالأوصاف كما تقدم، وعليه

فكل من اتصف بما أتصفوا به فهو منهم، وأما لو رفع الأمر لواحد منهم ابتداء لكفى على الخلاف المتقدم، واحتج من منع أن أقل الجماعة ثلاثة.

وقال العدوى على الخرشي فقوله : والواحد منهم كاف فيه نظر، لأن المصنف قال لجماعة، والجماعة أقلها ثلاثة ، قاله بعض شيوخ شيوخنا" وقال الدسوقى على الدردير فقوله : فلجماعة المسلمين هكذا عبارة الأئمة وغيربعضهم فلصالحى جيرانها وقول (عبق) والواحد كاف اعترضه الشيخ أبوعلى المستاوى قائلاً لم أر من ذكره ولا أظنه يصح ، قاله (بن) وكذا رد(عج) في وسطه كفاية الاثنين فضلا عن الواحد قائلاً التحقيق: أن اقل الجماعة ثلاثة .

**الرابع** : وأما قولكم: "هل يشترط (إلى قوله) لا تحصل بمجرد نصبهم" فجوابه أنها ليست من شروط الصحة للقاضى المذكورة في أبواب القضاء ، بل هى أمر زائد عليه ينشأ من الإمام الأعظم، لأن القضاء جزء من أجزائه، وقال في تبصرة الحكام "الباب الثالث في ولاية القضاء وما يستفاد بها من النظر في الأحكام وما ليس للقاضى النظر فيه إلى أن قال : فأما ولاية القضاء فقال القرافي هذه الولاية متناولة للحكم لا يندرج فيها غيره ، وقال أيضا في موضع آخر وليس للقاضى السياسة العامة لاسيما الحاكم الذى لا قدرة له على التنفيد كالحاكم الضعيف القدرة على الملوك الجبابرة فهو ينشئ الإلزام على الملك العظيم، ولا يخطر له تنفيذه لتعذر ذلك عليه، بل الحاكم من حيث هو حاكم ليس له إلا الإنشاء، وأما قوة التنفيذ فأمر زائد على كونه حاكماً فقديفوض إليه التنفيذ وقد لا يندرج في ولايته" ، انتهى مرادنا منها اختصاراً .

وأماقولكم ويتفرع على هذا (إلى قوله) بمجرد نصبهم فجوابه: لا مانع من ذلك إذا اضطر الناس إلى ذلك بما دل عليه ظاهر كلام أهل

المذهب، وقال الشيخ الدسوقى على الدرير بعد كلام على شروط الجمعة: واعلم انه متى كانت البلد مستوطنة والجماعة مستوطنة وجب عليهم وصحت منهم مطلقاً ، ولو كانت تلك البلد تحت حكم الكفار، كما لو تغلبوا على بلد من بلاد الإسلام وأخذوها ولم يمنعوا المسلمين المتوطنين بهامن إقامة الشعائر الإسلامية كما هو ظاهر إطلاقاتهم، وزاد الصاوى على أقرب المسالك على هذا القدر بقوله من حاشية الأصل، وبالضرورة أن نصب القاضى لفصل الخصام بين الناس من شعائر الإسلام".

وفي فتاوى الشيخ محمد عليش" سئل الامام أبوعبدالله المازرى رحمه الله تعالى عن أحكام تأتى في زمانه من صقلية من عند قاضيها أو شهود عدولها هل يقبل ذلك منهم أم لا ؟ مع أنها ضرورة ولا ندرى إقامتهم هناك تحت أهل الكفر هل هى اضطرار أم اختيار؟ فأجاب: القادح في هذا وجهان: الأول يشمل القاضى وبيناته ناحية اختلال العدالة إذ لا يباح المقام في دار الحرب في قيادة أهل الكفر ، والثانى من ناحية الولاية إذ القاضى مولىً من قبل أهل الكفر: وقاعدة يعتمد عليها في هذه المسألة وشبهها وهى تحسين الظن بالمسلمين ومباعدة المعاصى عنهم، فلا يعدل عنها لاحتمالا ت كاذبة وتوهمات واهية كتجويز من ظاهره العدالة، وقد يجوز في الاحقاء، ونفس الأمر أن يكون ارتكب كبيرة إلا من قام الدليل على عصمته ، وهذا التجويز مطروح ، والحكم بالظاهر إذ هو الأرجح إلا أن يظهر من الحال ما يوجب الخروج عن العدالة، فيجب التوقف حينئذ حتى يظهر بأي وجه زوال موجب راجحة العدالة، ويبقى الحكم لغلبة الظن بعد ذلك إلى أن قال : وهذا المقيم ببلد الحرب إن كان اضطراراً، فلا إشكال أنه لا يقدح في عدالته وكذلك إن كان تأويله صحيحاً، مثل إقامته ببلد الحرب لرجاء هداية أهل الحرب ونقلهم عن ضلالتهم، كما أشار إليه الباقلانى، وكما أشار إليه أصحاب مالك في

تـجـويز الدخول لفكاك الأسير، وأما لو أقام بحكم الجاهلية والإعراض عن التـأويـل اختيـاراً ، فهذا قدح في عدالته، واختلف أهل المذهب في رد شهادة الـداخـل اختيـاراً للتجارة، فمن ظهرت عدالته منهم وشك في إقامته على أي وجـه ، فـالأصـل عـذره، لأن مـحـل الاحتمالات السابقة شهد عذره فلا يردد لاحتمال واحد إلا أن توجد قرائن تشهد أن إقامته كانت اختياراً لا لوجه .

وأمـا الـوجـه الثاني وهو تولية الكافر للقضاة والأمناء وغيرهم لحجز الـناس بعضهم عن بعض ، فقد ادعى بعض أهل المذهب أنه واجب عقلاً ، وإن كان باطلاً تولية الكافر لهذا القاضى، أما لطلب الرعية أو إقامته لهم للضرورة لذلك، فلا يطرح حكمه وينفذ، كما لو ولاه سلطان مسلم .

وفـي البيضاوى عند قول رب العزة" قال اجعلنى على خزائن الأرض انـى حـفـيـظ عـلـيـم" فيـه دليل على جواز طلب التولية و إظهار أنه مستعد لها، والتـولـى مـن يـد الـكـافـر إذا عـلـم أنـه لا سبيل إلى إقامتـه سياسة الخلق إلا بالاشتهار به .

وفي تبصرة الحكام :

فـصل : قال المازرى في شرح التلقين : القضاء ينعقد بأحد وجهين: أحـدهـمـا عقد أمير المؤمنين أو واحد من أمرائه الذين جعل لهم العقد في مثل هـذا، والثـاني ذوي الرأى وأهل العلم والمعرفة والعدالة لرجل منها كملت فيه شـروط الـقـضـاء، وهـذا حيـث لا يـمـكنهم مطـالعة الإمام في ذلك ، و إن يستدعوا منه ولايته ويكون عندهم له نيابة عن عقد الإمام الأعظم أو نيابة عمن جعل له الإمام ذلك للضرورة الداعية إلى ذلك .

**الخامس**: وأمـا قـولكم "فإن كانت القوة والشوكة (إلى قوله) بينوا بـالـدليـل" فـجـوابه ما اطلعنا على نصوصهم في كتب المذهب التى بأيدينا أن الـقـوة والشوكة ليسـت مـن شـروط الـجـمـاعة، وأمـا الـفـرق بين القاضى

والجماعة فبين، وذلك أن القاضي وعمله جزء من أجزاء عمل وظيفة الإمام، وعدم الإمام شرط لوجود الجماعة، لأنهم قالوا إذا فقد الحاكم أن جماعة العدول تقوم مقامه .

**السادس**: وأما قولكم : "لو وقع الاختلاف بين جماعتين (إلى قوله) فكيف السبيل إلى ترجيح حكم أحدهما على الآخر" ، فجوابه: إن استوفت الجماعة شروط الحكم الشرعي بأن تقول بعد أداء الزوجة حجتها وإنكار الزوج ألك شهود؟ وقالت نعم، وأحضرتها ثم قالوا للزوج : ألك طعن فيهم ، وقال لا، واعذروه ثم حكموا لها، فلا يجوز له أن يرفع هذه النازلة إلى غيرهم ولا لهم نقض هذا الحكم ،وفي مختصر الشيخ خليل وشرحه لدردير : رفع حكمه الخلاف في تلك النازلة ، فلا يجوز للمخالف فيها نقضها، فإذا حكم بفسخ عقد أو صحته لكونه يرى ذلك لم يجز لقاض غيره ولا له نقضه، ولا يجوز لمفت علم بحكمه أن يفتي بخلافه.

وفي المواق على مختصر خليل ونص المدونة قال مالك: وجه الحكم في القضاء إذا ادعى الخصمان بحجتهما عنهما، وأراد أن يحكم بينهما أن يقول لهما: أبقيت لكما حجة ؟ فإن قالا لا، حكم بينهما ثم لا يقبل منه حجة بعد إنفاذ حكمه ، ولو قال له بقيت لي حجة ، أمهله، فإن لم يأت بشيئ حكم عليه ، فإن أتيا بعد ذلك يريد أن نقض ذلك لم يقبل منهما، إلا أن يأتيا بأمر يرى أن لذلك وجهاً ، قال ابن القاسم : مثل أن يأتي بشاهد عند من لا يقضي بشاهد ويمين، وقال الخصم لا أعلم لى شاهداً آخر ، فحكم عليه القاضى، ثم وجد شاهداً آخر بعد الحكم ، فليقض بهذا الآخر، ومثل أن يأتي بينه لم يعلم بها وما أشبه ذلك ، وإلا لم يقبل منه ، وإذا جاء الحكم على وجهه فحكم القاضى الثاني باطل ، لا مشاركة بينهما حتى يصور الخلاف بينهما والعكس، فالأول باطل كذلك.

أما إن وقع الخلاف قبل الحكم بأن تنازعا بين القاضيين، فالقول

للطالب منهما كما في مختصر الشيخ خليل وشرحه لدردير نصه" وإذا تنازع الخصمان فأراد أحدهما الرفع لقاض وأراد الآخر الرفع لقاض آخر ،كان القول للطالب وهو صاحب الحق دون المطلوب، ثم إذا لم يكن طالب مع مطلوب بأن كان كل يطالب صاحبه رفع إلى من سبق رسوله لطلب الإتيان عنده وأن لا يسبق رسول قاض بل استويا في المجيئ مع دعوى كل أنه الطالب، أقرع للقاضى الذى يذهبان إليه، فمن خرج سهمه للذهاب له ذهبا إليه كالادعاء أى كما يقرع بينهما في الادعاء بعد إتيانهما للقاضى الذى أقرعا في الذهاب إليه أو الذى اتفقا على الذهاب ، ثم تنازعا في تقديم الدعوى، إذا الموضوع أن كلا طالب الخ.

وقال الدسوقى في حاشيته على هذا الشرح "تنبيه قد علم من المصنف الحكم في‌ما إذا اتحد المدعى به وكان كل من المتداعيين يطالب الآخر به على ما قاله الشارح، وأما إذاكان كل منهمايطلب صاحبه بشيئ مغائر لما يدعى به الآخر، ففي نقل المواق وابن عرفة عن المازرى أن لكل واحد منهما أن يطلب حقه عند من شاء من القضاة ، فإذا ادعى أحدهما على صاحبه عند قاض وفرغ ، فلصاحبه أن يدعى عليه عند من شاء، فإن اختلفا فيمن يبتدئ الطلب أو فيمن يذهبان إليه أولاً من القاضيين ، فإن سبق أحدهما لقاض ترجح قوله ، وإن ذهب كل منهما لقاض ، فالمعتبر من سبق رسوله من القضاة ، وإن لم يكن لأحدهما ترجيح بسبق الطلب على الآخر ولا بغير ذلك أقرع بينمها.

وأما قولكم : إن قيل في حل هذه السؤال (إلى قوله) كما هومشاهد ، فجوابه أن نصب الجماعة بأشخاصهم لفصل الخصام معدوم نصه عندنا، كما تقدم بل هم تعينوا بالأوصاف، فمن اتصف بهذه الأوصاف فهو منهم، وعليه لا بأس أن يرفع كل ذى دعوى إلى صالح جيرانه من العدول ، فتعدد الجماعة

بقدر الحاجة، كما جاز تعدد القضاة مطلقاً .

وأما قولكم: وثانيا إلى (قوله) والله أعلم وعلمه أتم وأحكم ، فجوابه نعم ! الأمر عَلى ما قلتم فيما علمنا .

اللهم صل وسلم على أشرف المخلوقات سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه ، و رب اغفر وارحم وأنت خير الراحمين ، سبحان ربك رب العزة عما يصفون ، وسلام على المرسلين، والحمدلله رب العلمين ، انتهى ما جرى أن يسود قلم أفقر العباد إلى رحمة ربه عبد الله الفوتي الساكن في مدينة خير البرية ألبسها الله ومن فيها وجميع المسلمين حلل الرضا، آمين، تمت وقت العصر يوم الثلاثاء الموافق ثمانية وعشرين يوما من شهر الله رجب ١٣٣٥ اهـ محمود بن أبى بكر الفلاتي أحد مدرس الحرم النبوي، عثمان بن إدريس علي الفلاتي.

# الجواب
# من العلامة الصالح التونسى
# المدرس بالحرم النبوي
# مع اختصار يسير

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى جعل الدين الإسلامى يسراً والصلاة والسلام على المبعوث بالحنيفية السمحة السهلة التى ليس بها عسرو على آله وصحبه وكل من كان سمح الاعتقاد، سهل الانقياد مجانباً لكثرة الانتقاد جهراً وسراً.

وبعد فقد وردت علي أسئلة من القطر الهندي فيما يتعلق بزوجة المفقود وفصلها بحل العقد على المذهب المالكي عند الاقتضاء بتوفر الشروط واتضاح المسالك، فأجبت عنها غير مرة، الكرة بعد الكرة ، وآخر ما ورد علي من الأسئلة في هذا الخصوص على سبيل المراجعة للتوضيح عدد الأسئلة ستة ، وهى كالمتكررة والمتفرعة عن بعضها.

والجواب عن الأول أن توليها كلها شرط في صحة الحكم لقول خليل ، وإلا فلجماعة المسلمين ثلاثة لا أقل كما قررناه في الجواب السابق كما نقل .

والسؤال الثاني المتفرع عن الأول وبه إشكالان :

أولهما: اشتراط تفرد القاضى مع تعدد هؤلاء الجماعة النائبة عنه ، وجوابه أنه لا يلزم من قيام هذه الجماعة مقام القاضى أن تتصف بجميع صفاته ، وتستكمل جميع شروطه، ألا ترى القاضى فإنه نائب عن الإمام ، فلا يطلب منه مقامه جميع الأحكام ولا إستيفاء شروطه بالتمام .

وثانيهما : وهو اشتراط اتفاق آراء الجماعة وقياسه بالحكمين، ووجود الفارق بين الولايتين عموماً وخصوصاً ، وجوابه وجواب اشتراط اتفاق الجماعة المعينة لهذا الحادث كلهم مثل الحكمين وقياسهم بهما أشبه ودعوى الفارق بين

الجماعتين بل الولايتين بالعموم والخصوص غير متجهة، بل تُردّ ولا تَرد فإن حكم هاته الجماعة خاص بهاته الحادثة حتى لو حدثت في الوقت أو عقبه غيرها ، فرفعت لغيرهم جاز، فليس نصبها مستمراً حتماً كمايفهم من فحوى السؤال المقرر .

و الجواب عن السؤال الثالث بعدم وروده أصلاً إذ لا يجوز التفويض لواحد كان منها أو خارجاً عنها ، وهي المتعينة لحل ذلک الحادث متى رفع إليها كما تقدم قريباً .

والسؤال الرابع الذي هو هل يشترط في القاضي قوة التنفيذ أوّلا، والجواب نعم، يشترط (۱) ذلک فيه أصالة، وذلک التنفيذ والإلزام، هو الفارق بينه و بين المفتي إذ هو مخبر فقط دون القاضي، فانه منفذ للاحكام، ولذلک وصفه به في تحفة الحكام بقوله" منفذ بالشرع للأحكام ، هذا هوالأصل فيه ، وقد يعتريه ويعترضه ما يعطل نفوذه ويعرقل إتمامه كالحكم على الظلمة والجابرة ولا يكون ذلک سببا عند باقي المسلمين المزعنين لأحكام رب العالمين وشريعة سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم لردها، بل يقبلوها ويُقبلوا عليها سامعين مطيعين مذعنين .

ونصب جماعة المسلمين لقاض يفصل بينهم الخصومات ويقطع المنازعات جائز، بل يتعين في بعض الأحيان على الأعيان إذا وجدوا سبيلاً إليه وعدم معارض(۲) فيه واجتماع الكلمة عليه .

والسؤال الخامس المتفرع عن الرابع ، جوابه فيه، ومنه.

السؤال السادس ، فإن كان الخلاف خارج المذهب المتبع في هذه

---

(۱) قوله يشترط الخ هذا، اختلف فيه العلامة والشيخ عبد الله، والذي فهمنا من نصوص فقهاء الحنفية هو الذي قاله العلامة كما حققناه في تتمة الفتاوىٰ المسماة بإمداد الأحكام في جزء ثان منها، وهي موجودة في مدرسة إمداد العلوم ۱۲ منه.

(۲)قوله وعدم معارض فيه إشارة إلى ما قلناه في مقدمة هٰذه الرسالةمن أن القاضي لا يصير قاضياً بمجرد نصب عامة المسلمين، لأن نصبهم لا يخلو من المعارضة، كما هو مشاهد، والله أعلم، وسألت العلامة مشافهة عن هٰذه الإشارة حين تشرفت ببلدة خير الأنام عليه ألف ألف تحية وسلام سنة ١٣٥٤هـ فوافقنا صراحة، ولله الحمد علىٰ ذٰلک وعلىٰ سائر نعماءه (الأحقر عبد الكريم كمتهلوي عفي عنه ).

القضية فلا عبرة به، ولا نظر إليه، إذا الحكم الأول رافع للخلاف فيها، وإن كان داخل المذهب، فكذلك متى راعت الجماعة الأولى الراجح من النقول وجرت على الأصول، واستوفت الشروط بالحصول .

أما إذا تساهلت الأولى في بناء الحكم ، ولم تجر على قواعد المذهب وأصوله، ولم تراع الراجح جهلاً أو تجاهلاً أوغفلة أوعمداً ، فللثانية نقض حكمها بالطبع ، وذلك بنفسه يقال ويعمل به في الحاكم الشرعي، والله أعلم .

صلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وسلم .

وكتبه بخط يده صالح بن الفضيل التونسي

المدرس بالمسجد النبوي بالمدينة المنورة

عفاعنه مولاه ويحسن توفيقه وغايته تولاه

## إعلام :

نمرات الروايات في هذه المجموعة ترونها في بعض المواضع غير مرتبة، ذلك لأن استيعاب عبارات الفتاوى لم يكن من أول الأمر من غرضنا ، فأردنا أن نأخذ من كل فتوى ما أخذنا منه شيئاً من الأحكام على ترتيب المسودة حيثما اتفق من الفتاوى من غير رعاية الترتيب فيها ، ثم بدأ لنا بمشورة بعض العلماء أن نستقصي عبارات الفتاوى المالكية بتمامها، ففات الترتيب في هذه المجموعة لأجل ذلك فلينتبه ، و إن اتفق لنا الطبع ثانياً نريد أن نرجع إلى ترتيبه وتطبيق حوالاته إن شاء الله تعالى . ١٢ منه

[١] الرواية الأولى من قوله وأما المفقود في بلاد الإسلام إلى قوله بعد تمام الكشف

[٢] الرواية الثانية من قوله ومثل المفقود إلى قوله في الأشهر

[٣] الرواية الثالثة (من قوله وأما زوجة مفقود الخ إلى قوله فلها التطليق)

[٤] الرواية الثالثة عشر من قوله قال مالك إلى قوله خليل وغيره

[٥] الرواية الرابعة (من قوله وفي حاشية العدوي إلى قوله ما بقي الإنفاق

[٦] الرواية الخامسة من قوله أما السؤال الثاني إلى قوله بعد ما لنفقة

[٧] الرواية السادسة من قوله أما السؤال الخامس إلى قوله لخوف الزنا

[٨] الرواية العاشرة والحادية عشر والثانية عشر من قوله إلحاق إلى قوله عند الحنابلة

[٩] الرواية السابعة من قوله فقيل إلى قوله لها النفقة

[١٠] الرواية الثامنة من قوله و أما المسئلة الخامسة إلى قوله قولان

[١١] الرواية السابعة عشر من قوله الذي عليه الجمهوري

[١٢] الرواية الثامنة عشر من قوله وهو أن الحكم إلى قوله ضرب آجال

[١٣] الرواية التاسعة عشر هو أن حكم زوجة المجنون

[١٤] الرواية الحادية والعشرون من قوله وتعبيرهم بجماعة المسلمين

[١٥] الرواية الثالثة والعشرون (من قوله وأما المتعنت إلى قوله أنظر الخطاب

[١٦] الرواية الخامسة والعشرون من قوله أما المسألة الأولى والثانية إلى آخر جوابها

[١٧] الرواية السادسة العشرون من قوله المسألة الثالثة إلى آخر جوابها

[١٨] الرواية السابعة والعشرون من قوله المسألة الرابعة إلى آخر جوابها

[١٩] الرواية الثامنة والعشرون من قوله المسألة السادسة إلى آخر الجواب

[٢٠] الرواية التاسعة والعشر والثلاثون والحادية والثلاثون .

[٢١] الرواية الثانية والثلاثون إلى الخامسة والثلاثين .

[٢٢] الرواية السادسة والثلاثون من قوله وقبل ذكر صور الأربع

[٢٣] الرواية السابعة والثلاثون من قوله اعلم وفقني الله وإياك

[٢٤] الرواية الثامنة والثلاثون من قوله واما المسألة الثالثة

# الحیلۃ الناجزۃ

## اور اس کے ضمیموں

## کے بارے میں

## غیر منقسم ہندوستان کے مشاہیر علماء واصحاب افتاء

## کی

## تصدیقات وآراء

**نوٹ**

اس سے پہلے مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون، دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے علماء ومفتیان کرام کی تصدیقات گذر چکی ہیں بقیہ تصدیقات وآراء ذیل میں درج ہیں۔

# تصدیقات حضرات علماء دہلی

## از مدرسہ اسلامیہ فتحپوری

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ ہم نے مجموعہ رسائل مفیدہ کا مطالعہ کیا، زمانہ موجودہ کے لحاظ سے اس کا ضروری اور از حد مفید ہونا محتاج بیان نہیں، درحقیقت امت مرحومہ کی اس اہم مشکل کا حل حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی دامت برکاتہم جیسے فقیہ کامل کا محتاج تھا کہ علوم ظاہری و باطنی کی مہارت واحوال زمانہ ومشکلات حاضرہ سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں۔

جناب حضرت قبلہ حکیم الامت نے اس کتاب مجموعۂ رسائل مفیدہ میں جن مسائل کو بہ بکمال تحقیق وتدقیق واحتیاط تحریر فرمایا ہے، اگر چہ وہ ہم جیسے علماء کی تائید وتصحیح سے اصلاً بے نیاز ہیں لیکن تحصیل خیر وثواب کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم ان مسائل کی تائید سے افتخار حاصل کرتے ہیں۔

خادم العلماء سلطان محمود عفي عنہ

(۱) محمد شریف اللہ غفرلہ (۲) سجاد حسین بقلم خود (مدرس فتحپوری دہلی)

(۳) کم ترین محمد عبدالقادر غفرلہ ۷۔۴۔۵۳ مدرسہ فتحپوری دہلی

(۴) عبدالرحمٰن عفي عنہ (۵) محمد محبوب الٰہی مدرس فتحپوری، دہلی

(۶) سعید احمد مدرس فتحپوری، دہلی

### نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

میں نے مجموعہ رسائل مفیدہ کے ایک ایک مضمون کو لفظاً بلفظ اور حرفاً بحرف پڑھا، مسائل مذکورہ رسالہ ہذا کے باعث ہندوستان میں جس قدر دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے وہ اظہر من الشمس ہیں، اور ضروریات کی باعث مقلد کو دوسرے امام کے قول پر فتوی دینا یا ضعیف اور مرجوح قول کو مفتی بہ بنانا جائز ہے، اور پھر وہ ضرورت بھی کسی خاص کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ ابناء زمان کی لئے اعم ہو، اور ضرورت بھی مقتصر ضروریات دنیویہ کی ساتھ ہی نہ ہو، بلکہ بہت سی صورتوں میں دین تک

افضاء بھی ہو، تو ایسی صورتوں میں تو جواز سے بڑھ جانا محل استعجاب نہیں، چنانچہ رسالہ موصوفہ میں فقہ حنفی کے وہ مسائل جن پر اس زمانہ کی دشواریوں کی باعث عمل درآمد میں صعوبت پیش آرہی ہے وہ سب جمع کئے گئے ہیں اور دفع ضرورت کے باعث دوسرے ائمہ کے اقوال پر مع تحقیق و تنقیح تام اور شروط ضروریہ فتوی دیا گیا ہے، رسالہ کا جامع مانع ہونا اور کسی پہلو کا نگاہ سے نہ چوکنا وہ تو حضرت مصنف ادام اللہ بالفیوض کا انتساب ہی بتلا دینے کے لئے کافی تھا لیکن رسالہ دیکھنے کے بعد تو اس کا یقین تحقیقی طور پر ہو جاتا ہے، پھر مجھ جیسے کی تصدیق تو کیا کسی کی تصدیق بھی رسالہ مذکورہ میں کسی قسم کی تحسین پیدا نہیں کرسکتی۔ لیکن امتثالاً للامر اور نیز کسی صورت سے ہو اپنے نام کی معیت کو بھی یہ ناچیز ذریعہ نجات آخرت سمجھتا ہے، اس لئے ان سطور کو پیش کش کرتا ہوں۔

اشفاق الرحمٰن کاندھلوی مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی

۲۰ / ربیع الاوّل ۱۳۵۴ھ

## از مدرسہ عبدالرب دہلی

اما بعد۔ بندہ نے اور دیگر مدرسین مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب مرحوم دہلی نے بغور وخوض مجموعہ رسائل الحیلۃ الناجزۃ وغیرہ کو دیکھا، درحقیقت حضرت اقدس دام ظلہ العالی نے ان فتاوی میں جس تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے اس کی کما حقہ ہم تعریف نہیں کرسکتے ہیں، یقیناً ہندوستان میں موجودہ حالت کو دیکھ کر بجز اس کے کوئی صورت نظر نہیں آتی، ہے کہ مطابق رسالہ ہذا کے علماء فتویٰ دیں اور حضرت اقدس دام ظلہ نے ایک بہت بڑے فتنہ کا انتظام کلی فرما دیا ہے، اوران کو حق حاصل ہے کہ وہ ضروریات کو ملاحظہ فرما کر کسی دوسرے امام کے مذہب کو اختیار فرمالیں فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

(۱) محمد شفیع دیوبندی مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی

(۲) محبوب الٰہی غفرلہ دیوبندی مدرس مدرسہ مولوی عبدالرب مرحوم دہلی

# از مدرسہ حسینیہ دہلی

**حامداً ومصلياً ومسلمًا، أما بعد!**

ہم نے **الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة** کو اول سے آخر تک پڑھا، اس میں جو کچھ مسائل حاضرہ کے متعلق ہے بالکل صحیح اور درست ہے۔

خدائے تعالی حضرات مولفین کی مساعی جمیلہ کو قبول فرما کر عام مسلمانوں کو ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔

حقیقت میں امت مسلمہ پر ایک بہت بڑا احسان فرمایا کہ ایسے مسائل مہمہ کو بروقت حل فرما کرامت کی صحیح رہنمائی فرمائی، خدا تعالی ان حضرات کو احسن الجزاء اور خیر العقبیٰ کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

(۱) عاجز رشید احمد غفرلہ مدرس اول مدرسہ حسینیہ

(۲) خادم الطلبہ کفیل احمد غفرلہ

سند یافتہ دار العلوم دیوبند حال مدرس عربی عربک ہائی اسکول دریا گنج دہلی

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

# تصدیقات حضرات علماء میرٹھ

## از مدرسہ اسلامیہ صدر بازار میرٹھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**نحمده ونصلي على حبيبه الكريم .**

ہم سب نے رسالہ **الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة** کو مع "**المختارات في مهمات التفريق والخيارات**" بغور تام وخوض مالا کلام مطالعہ کیا، عمدۃ العلماء والفضلاء حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی لازالت شموس افاضاتہم بازغہ نے یہ رسالہ بہ تحقیق انیق ایسا تالیف فرمایا ہے جس کی وجہ سے ہزاروں مردہ قالبوں میں جان آ گئی، اور صدہا عفائف مظلومہ زندہ ہو گئیں، عالمان دین مبین ومفتیان شرع متین کے لئے یہ رسالہ غنیمت باردہ ہے، خداوند تعالیٰ حضرت مؤلف مدت **فیوضهم** اوران کے معاونین کی مساعی جمیلہ کو مشکور فرمائے آمین۔

نیز **حكم الازدواج مع اختلاف دين الازواج** ضمیمہ حیلہ ناجزہ مؤلفہ مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند بھی نہایت لاجواب وباصواب ہے اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزاء خیر عطا فرمائے آمین۔

(۱) بندہ محمد عبدالرحمٰن غفرلہ صدر المدرسین مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ

(۲) بندہ محمد القاسمی الدیوبندی مدرس مدرسہ عربی امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ

(۳) بندہ سید طاہر حسین غفرلہ مدرس مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ

(۴) بندہ اختر شاہ غفرلہ امروہی مدرس مدرسہ امداد الاسلام صدر میرٹھ

## از مدرسہ عالیہ شہر میرٹھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**حامداً ومصلياً أما بعد !**

بندہ نے حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب زید مجدہم کی

کتاب الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة کا معہ ضمیموں کے بغور و تامل مطالعہ کیا، درحقیقت کتاب ان مسائل میں کہ جن کا تعلق قضاء سے ہے نہایت کارآمد اور مفید ہے، اور اس کا ہر جزئیہ اور ہر مسئلہ مسلمانوں کے لئے مشعل ہدایت ہے، اس کتاب سے وہ تمام دشواریاں جو قاضی شرعی نہ ہونے کے سبب ہندوستان میں رونما ہیں جاتی رہتی ہیں، اور ظالم شوہر سے مظلوم عورت کو چارہ جوئی کا موقع ملتا ہے، لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ شدت سے اس پر عمل پیرا ہوں، اور حضرت اقدس کے رفع درجات اور درازیٔ ظل عاطفت کی دعا کریں کہ خدا تعالی اس چشمۂ فیض کو ہمیشہ جاری وساری رکھے۔ آمین۔ فقط

**مشیت اللہ عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ عالیہ میرٹھ**

## تصدیق از حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھ

مکرم ومحترم دام فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہم

مکرمت نامہ مع رسالہ الحیلۃ الناجزۃ پہنچا، بندہ علیل تھا مگر اسی حالت میں مطالعہ شروع کیا، کچھ مطالعہ میں وقت زیادہ صرف ہوا، اور کچھ تصحیح اغلاط میں، پھر جناب کے حکم کی تعمیل میں دوسرے علماء کی تصدیق لینے کے لیے مولوی مشیت اللہ صاجب کے پاس بھیجا کہ یہاں وہی ایک ذوفہم مفتی ہیں تو ۴۔۵ دن وہاں مطالعہ وتحریر میں لگ گئے، فکر یہ ہوا کہ جناب کو انتظار ہوگا، اور تاخیر محمول ہوگی تساہل پر، اس لئے صدر کے مدرسہ میں نہ بھیج سکا کہ تین مولویوں کے لئے ۱۵ دن وہاں لگیں گے، اس لئے عریضہ مع تصدیق ارسال خدمت کرتا ہوں، اور حکم کا منتظر ہوں کہ ضرورت ہو اور وقت میں وسعت ہو تو مطلع فرماویں صدر بھی بھیجدوں یا شیخ رشید احمد صاحب کو اس میں واسطہ بنایا جاوے، تو چونکہ وہ اس مدرسہ کے رکن اعظم ہیں ممکن ہے جلد تصادیق آجائیں، مجھے شرم آتی ہے کہ تصدیق کنندگان میں نام درج ہو کہ اس فن سے ممارست نہیں اور اپنی عام ضروریات ومسائل علماء سے حل کرنا پڑتا ہے پھر ایسے دقیق مسائل میں بالخصوص جہاں مہارت تامہ فقہیہ کی ضرورت ہو، مگر ہوس شرکت مع الاکابر اور امتثال امر داعی ہوا تحریر پر، پس

میری عدم اہلیت کی رعایت فرماویں تو متروک فرماویں اور ضرورت ہی سمجھیں تو درج فرماویں۔
اس عدم اہلیت کی سبب عام فتاوی پر تصدیق سے ہمیشہ محترز رہا۔

والسلام

حضرت کی خدمت میں سلام مسنون فرمادیں
عاشق الٰہی عفی عنہ ۴ جولائی ۱۹۳۴ء

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده

اما بعد فقد تشرفت بمطالعة هذه الرسالةالفائقة والضميمة الاحقة والخلاصة الرائقة بامعان النظر وحسن الفكر فوجدت الاجوبة كلها صحيحة بلا ارتياب ولله در المحبيب أجاد فيما اجاب، وبذل الجهد في تخليص العاجزة فأصاب، وما هي بأول بركة منه، فانه للأمة طبيب، وشفقة الطبيب على المريض ليس بعجيب، فجزاه الله عنا احسن جزائه، ومتعنا بطول عمره وبقائه، وعلى الأمة أن يراعوا بالقيود والشرائط المسطورة حق المراعاة، ويعضوا عليها بالنواجذ فانها من اهم المهمات ويجتنبوا عن الحرية في الدين واتباع الهوى كما هو ديدن الزمان لانه من الموبقات، وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين، والصلوة والسلام على سيدنا محمد و آله وصحبه اجمعين.

عاشق الٰهی عفی عنه میرٹهی

# تصدیقات حضرات علماء مرادآباد

## از مدرسہ امدادیہ مرادآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله حق حمده والصلوة والسلام على افضل الخلق بمجده وعلى اخوانه من الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين.

وبعد فقد نظرنا معشر خدام الملة الإسلامية بالمدرسة العالية الامدادية في الرسالة التى صدرت في هذا العصر من صدر من هو صدر هذا الدهر . وجهبذ أهل التحقيق بالتحقيق، شيخ الشريعة والطريقة، عارف المذهب والحقيقة، أشرف الأنام بالشرف الجلى مولانا اشرف على اكرمه الله الولى، وموضوع الرسالة انما هوالقول بفسخ نكاح زوجة العنين والمجنون والمفقود والمتعنت عند مس الحاجة والضروة الملجئة آخذاً في جل هذا الباب بمذهب سيدنا مالک رحمة الله عليه وعلى جميع المجتهدين.

ولا يخفي أن الفتوى بمذاهب ائمة الهدى لدى الضرورات مسوغ عند المشائخ واهل الديانات كما ذكر القهستانى في حق المفقود والرملى في المتعنت، واما العنين فالتاجيل ثم التفريق في حقه مشهور عند الحنفية، لا يخفي على أهل الاشتغال بالفقه .

واما المجنون فاصل حكمه ايضا مما يوجد له اصل عند الأحناف ولو على مذهب محمد رحمه الله تعالى لأن الحكم بما هو مذهب اصحاب الامام حكم بمذهبه إذا كان برعاية الاصول المقررة، ففي الشامى نقلاً عن الدرر من كتاب الدعوى: واما إذا حكم الحنفي بمذهب ابى يوسف او محمد او

نحوهما من اصحاب الامام فليس حكماً بخلاف رأيه، هذا ولم نراجع في اقوا ل المالكية وغيرها إلى كتبهم عند المطالعة بل اعتمدنا على المنقول في الرسالة عن علمائهم، فانه نقل ثقة عمن هو عارف بالمنقول عنه وغيرنا قل الا عن المقول عليه.

وأما الذنابات للرسالة فمعلوم أن الضرورة ليست فيها بشديدة مثل هذه الحوادث ولا سيما المفقودو نحوه ، ومع ذلک لو تحققت في حادثة فلا باس بالفتوى بغير مذهب الامام اذ الضرورات تسوغ مثل هذا، ولكن يجب على المفتي ان لا يجعل هذه الفتاوى عرضة له وعليه ان لا يتجاوز موضع الضرورة، فان المقام مقام خطر عظيم والله الموفق والمعين .

والحمد لله رب العليمن والصلوة على رسوله وآله وصحبه اجمعين

(۱)العبد المفتقر إلى رحمة ذى المنن محمد مرتضى حسن عفي عنه صد رالمدرسين بالمدرسة العالية العربية الامدادية الواقعة ببلدة مرادآباد

(۲)الملتجى إلى الله مختار الله (المدعو) میرک شاه عفا الله عنه وعافاه صدر الافتاء بالمدرسة العالية الامدادية

(۳)عبده المفتقر إلى الله الصمد
خليل احمد كان الله له مفتى المدرسة العالية

(۴)احقر الزمن محمد سید حسن عفا الله عنه

(۵)عبده الافقر محمد انور حفظه الاكبر

(٦)محمد فاضل عفي عنه

## از مدرسہ شاہی مرادآباد

مولانا المحترم دامت فیوضکم .السلام علیلکم ورحمةالله وبرکاته .

گرامی نامہ باعث سعادت واعزاز کمترین ہوا، احقر ایک ماہ سے دیوبند تھا، پرسوں آیا ہے جواب میں تاخیر ہوئی معافی کا خواستگار ہوں۔ رسالہ مبارکہ''الحیلۃ الناجزۃ'' کو دیکھ کر

بیحد خوشی ہوئی، خدا تعالی کا شکر ادا کیا کہ ہنوز امت محمدیہ میں ایسے حضرات موجود ہیں کہ جو مسلمانوں کی ضروریات کوملحوظ رکھ کر متقدمین کے فتاوی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ جزاکم اللہ خیرالجزاء۔ رسالہ کے جملہ مضامین سے بندہ متفق ہے، اگرچہ دیکھنے کا موقع نہیں ملا مگر اصل مسئلہ سے متفق ہوں، اس کے علاوہ اکابر علماء کی تصدیق کے بعد میری کیا حقیقت ہے کہ جو خلاف کرسکوں میں تو ایک ادنی درجہ کا طالب علم ہوں، ان اکابر کی فہرست میں اپنے نام کو مندرج کرنا ہی مناسب نہیں سمجھتا والسلام

حضرت مولانا مدظلہ العالی کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ نیازمند عبدالحق از مرادآباد مدرسہ قاسم العلوم شاہی مسجد۔ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

# تصدیقات علماء جالندھر (پنجاب)

## از خیر المدارس جالندھر شہر

عرصہ سے جن ضروری مسائل کے حل کما ینبغی کو آنکھیں ترس رہی تھیں، الحمدللہ کہ مجموعہ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ اوراس کے تتمات میں جس غایت احتیاط اور بلیغ جدوجہد سے ان کو کما حقھا حل فرمایا گیا ہے وہ حضرت العلامۃ شیخ المشائخ، مجدد الملۃ، حکیم الامۃ حضرت مولف مدظلہم العالی اوران کے معاونین کا ہی خاص حصہ ہے، حق تعالیٰ سب کے فیوض وبرکات کو تادیر قائم ودائم رکھے آمین۔ الحاصل جملہ جوابات صحیح وحق ہیں

(۱) العبد احقر خیر محمد عفي عنہ ناظم وصدر مدرس خیر المدارس جالندھر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

(۲) العبد بندہ محمد رمضان عفي عنہ مدرس مدرسہ عربی خیر المدارس شہر جالندھر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

(۳) العبد محمد علی مدرس مدرسہ خیر المدارس جالندھر شہر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

(۴) العبد عبداللہ رائے پوری مدرس مدرسہ خیر المدارس جالندھر شہر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

بگرامی خدمت قطب الارشاد والتکوین سیدی ومرشدی حضرت مولانا صاحب مدظلہم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الحیلۃ الناجزۃ کے متعلق مدرسین کی دستخط ارسال کرنے کے ساتھ ایک مشورہ عرض کرتا ہوں اور دعا کا متمنی ہوں۔

### مشورہ

صورت مرقومۃ الذیل بھی کثیر الوقوع ہے، اگر اس کا حکم زوجہ غائب (۱) غیر مفقود کے احکام کے ضمن میں نہ سمجھا جاتا ہو تو بطور ضمیمہ کہیں ذکر فرمادیا جاوے۔

(۱) جب ان کا پتہ معلوم ہے تو وہ غائب غیر مفقود ہیں اور غائب کے احکام رسالہ میں مفصل موجود ہیں جس کا مستقل عنوان یہ ہے حکم زوجۂ غائب غیر مفقود لہذا کسی اضافہ کی حاجت نہیں ۱۲ حقیر عبدالکریم عفی عنہ۔

وہ صورت یہ ہے کہ بہت سے آدمی عمر بھر کے لئے قید ہو جاتے ہیں، اوران کی زوجات کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ وجود نفقہ اور عدم وجود نفقہ علی هذا صبر علی التجرد اور منظنۂ ابتلاء در زنا. ایسے اشخاص کی زوجات کے لئے بھی مخلص شرعی کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

والسلام

احقر خیر محمد از جالندھر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**الحمد لله رب العلمين وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين**

**امابعد فيقول حسين على بن محمد بن عبد الله**. حق تعالیٰ ان علماء کرام کو جزاء خیر عطا فرماوے، نہایت احسن کام کیا ہے، ان علماء کرام کی خدمت میں عرض باادب ہے چودہ یا پندرہ سال (۱) قید والا مثلاً جو ہووے اس کی عورت کا حکم بھی کچھ تحریر فرماویں۔ اور طلاق و نکاح بالاکراہ بہت ہو رہی ہے، اس کا بھی حیلہ (۲) فرماویں جزاکم اللہ خیر الجزاء وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

از حسین علی جالندھر

## از مدرسہ رشیدیہ رائے پور ضلع جالندھر

از بندہ فقیر اللہ عفا اللہ عنہ بخدمت جناب مولانا مولوی شبیر علی صاحب دامت برکاتہم وفیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امابعد۔ گذارش کہ رسالہ حیلۂ ناجزہ بنام مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ ہذا پہنچا، چونکہ مسائل لکھنے کا کام یہاں احقر کے متعلق ہے، اس واسطے بندہ نے ہر سہ رسائل حیلۂ ناجزہ ومختارات وحکم ازدواج کا بتمامہا از اول تا ۱۰۳ مطالعہ کیا، فتاوی مالکیہ ومرقومات کا تا حال

---

(۱) جس قیدی کا پتہ معلوم ہو وہ غائب غیر مفقود ہے اور جس کا پتہ معلوم نہ ہو وہ مفقود ہے اور ہر دو کے احکام بعنوان مستقل رسالہ میں مفصل مذکور ہیں ۱۲ احقر عبدالکریم عفی عنہ)

(۲) اول تو اس کے لئے کوئی حیلہ اس وقت پیش نظر نہیں دوسرے کوئی حیلہ اس باب میں کارگر بھی معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ دوسرا فریق قوت زیادہ رکھتا ہے تو حیلہ کی مزاحمت کر سکتا ہے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً عبدالکریم عفی عنہ

بوجہ عجلت جواب مطالعہ نہیں کیا، حضرت مولانا حکیم الامت دامت فیوضہم کا اہل اسلام پر بہت بڑا احسان ہے کہ حضور نے بہت بڑی مشقت برداشت فرما کران تمام مسائل کو صرف حل ہی نہیں کیا بلکہ بہت سی مشقتوں سے سبکدوش کردیا، زوجہ مفقود الخبر کے فسخ نکاح کا فتویٰ تو مدت سے بہت سے علماء حنفیہ دیتے تھے، مگر قضاء قاضی کا عندالمالکیہ شرط ہونا اس کے طرف کسی نے توجہ نہ کی تھی، اس غلطی کو حضرت مولانا دامت برکاتہم نے ہی رفع کیا ہے، مرتدہ کے عدم فسخ نکاح کو ترجیح دی ہے، یہ بہت ہی احسن ہے باقی تمام مسائل بھی اچھی طرح حل فرمادئے، جزاہم اللہ احسن الجزاء

اب اہل علم وفہم کے لئے ضروری ہے کہ عاجزہ وناشزہ میں تحقیق سے غور وفکر کو کام میں لاویں بلا تدبیر کوئی فیصلہ نہ کریں، جس طرح عاجزہ کو تکلیف ہوتی ہے اسی طرح ناشزہ کے ہاتھ سے بھی بہت لوگ تکالیف برداشت کرتے ہیں۔

تحقیق وتسہیل مسائل میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا، کاش کہ لوگ شرائط کے ساتھ ان پر عمل کریں، زیادہ کیا عرض کیا جاوے، فقط الراقم بندہ فقیر اللہ عفا اللہ عنہ۔

مدرس مدرسہ رشیدیہ رائے پوری ڈاکخانہ مہت پور ضلع جالندھر

| | |
|---|---|
| الجواب صحیح | فضل احمد مہتمم مدرسہ رائپور گوجران |
| الجواب صحیح | ابراہیم عفي عنہ مدرسہ عربیہ جگراؤں ضلع لودھیانہ |
| الجواب صحیح | عبدالعزیز عفي عنہ مدرس مدرسہ رائے پور جالندھر۔ |
| الجوب صحیح | محمود حسن بیہروی بقلم خود |
| الجواب صحیح | عبدالکریم عفي عنہ بگھیلہ ڈاکخانہ مہت بور ضلع جالندھر |

# تصدیق از مدرسہ راندیر ضلع سورت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

للہ الحمد ہرآں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمدز پس پردۂ تقدیر پدید

امابعد ایک عرصہ سے جس چیز کی ضرورت محسوس ہوتی تھی اوراس کے حل کو تلاش کیا جاتا تھا الحمدللہ اس کو رسالہ الحیلۃالناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ نے پورا کردیا، میں نے اس رسالہ کو اول سے آخر تک بغور پڑھا مفقود، مجنون متعنت وغیرہ کے احکام اوران کی دشواریوں کو دور کرنے میں یقیناً رسالہ مذکور نے برمحل ہماری رہبری کی، اورایک حدتک ہمارمشکلوں کودور کردیا، ہندوستاں میں موجودہ حالات کے اعتبار سے بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ علماء احناف اور مفتیان مذہب حنفی ان صورتوں پر عمل کریں اور انھیں کے مطابق فتوی دیں جن کو رسالہ مذکورہ میں حل کیا گیاہے، موجودہ دور میں جن کے حل کی بہت ضرورت تھی تاکہ اس مظلوم اور بے بس طبقہ کے گلوخلاصی ہوسکے جس کی زندگی حل نہ ہونے کی وجہ سے تلخ ہے، اللہ تعالی مؤلف دامت برکاتہم کو اس کی جزائے خیردے کہ انہوں نے امت مرحومہ کی دشواری اور مصیبت کا لحاظ کرتے ہوئے سعی بلیغ اور جدوجہد کو کارفرما کر ایسی سہل صورت پیدا کردی اور تنگی مذہب کا الزام دور کردیا جو في حد ذاتہ بھی غلط اور عدم علم پر مبنی تھا، اسی طرح ان معاونین کو بھی جزاء خیر عنایت کرے جنہوں نے اس رسالہ کی ترتیب وغیرہ میں حصہ لیاہے، جنون اصلی اور مستوعب اور جنون طاری اور جنون عارض کی تفسیر بدائع کتاب الصوم ج۲ص۸۸، ۸۹۔ ج۲ص۲۴۵ باب الولایۃ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

**واما المجنون جنوناً مستوعبا بان جن قبل دخول شهر رمضان، وافاق بعد مضيه فلا قضاء عليه عند عامة العلماء الخ بخلاف الجنون المستوعب الخ لان الجنون المستوعب قلما يزول الخ ويستوى الجواب في وجوب قضاء ما مضى عند اصحابنا في الجنون العارض، (۱) ما إذا افاق في وسط الشهر او في اوله حتى لو جن قبل الشهر الخ، واما المجنون الأصلي هو الذى بلغ مجنوناً ثم**

(۱) لعل لفظه وهو سبقطت من الكاتب ۱۲ سيد مهدى حسن غفر له

افاق في بعض الشهر الخ، عن ابی یوسف في صبی له عشر سنين جن فلم يزل مجنوناً حتی أتیٰ عليه ثلاثون سنة او اكثر الخ، بخلاف الجنون العارض فان هناک زمان التكليف سبق الجنون الاانه عجز عن الأداء بعارض فاشبه المريض الخ، ولو افاق المجنون جنونًا عارضاً في نهار رمضان قبل الزوال فنوى الصوم اجزاه عن رمضان، والجنون الاصلی علی الاختلاف الذی ذكرنا والمجنون الكبير والمجنونة الكبيرة تزوج عند اصحابنا الثلاثة، اصلياً كان الجنون او طارئاً بعد البلوغ، والجنون اذ استحكم وهو الطويل منه قلما يزول، وروى عن محمد ان الجنون القصير بمنزلة الاغماء الخ (بدائع ج ۲ ص ۲۴۵).

میرے خیال میں جنون اصلی اور غیر اصلی وطاری وغیر طاری اور غیر مستوعب اور عارضی اور غیر عارضی حادث (۱) وغیر حادث کی تفسیر ان عبارتوں سے متعین ہوسکتی ہے۔

الغرض رسالہ علماء ومفتیین زمانہ کی دشواریوں کے حل کے لئے بے حد مفید ہے، اور بہت سی سہولتیں پیدا کردینے والا ہے، اور آئے دن کی مظلوم عورتوں کی تکالیف کا بہت بڑی حد تک رافع ہے، کاش ہندوستاں کے جملہ علماء حنفیہ اس پر متفق ہوجائیں، اور اگر ان کے علم میں اس سے زیادہ سہولت کی روایتیں کتب فقہ احناف میں موجود ہوں تو ان سے دریغ نہ فرمائیں نیز شرائط مبینہ في الرسالۃ پر زیادہ توجہ کو مبذول فرمائیں، اور اگر کتب فقہ احناف کی ورق گردانی کی جائے تو ممکن ہے کچھ اور بھی آسانی کی صورت نکل آئے، رسالہ مذکورہ کی ترتیب وتدوین لائق صد تحسین وستائش ہے۔

اوصى بوصية ثم جن ان اطبق الجنون حتى بلغ ستة اشهر بطلت (درمختار كتاب الوصية )وراجع ج ۵ ص ۴۳۹ من رد المحتار وفي البرازيةوشمول المجنون اكثر السنة اطباق عند الامام الثانی وفي رواية عنه ان اكثر من يوم وليلة فاطباق وقال محمد: سنة كاملة، وقدره في رواية بتسعة اشهر وقدره الامام في رواية بشهر، وبه يفتى، ولم يقدره بشئ في اخرىٰ. والله اعلم وعلمه اتم .

---

(۱) اوران عبارتوں میں بھی کسی جگہ حادث کی تفسیر موجود نہیں ہے اس لئے ہنوز اشکال زائل نہ ہو، اور مجنون کے متعلق جس احتیاط کو حیلۂ ناجزہ میں اختیار کیا گیا ہے کہ حادث ومطبق ہردو صورت میں سال بھر کی مہلت دی جائے اس احتیاط کی ضرورت ہے ۱۲ عبدالکریم عفی اللہ عنہ

میرے ناقص خیال میں مفقود کے لئے ایک سال کی روایت ثانیہ زیادہ سہولت پیدا کرنے والی ہے، جو علامہ الفا ہاشم کے فتوی میں ہے، اگر مخصوص شرائط کے ساتھ اور مخصوص حالات میں اس پر عمل کیا جائے تو زیادہ بعید نہ ہوگا۔ **لان الامــر إذا ضــاق اتسـع**، مؤلف دامت برکاتہم کا بھی اسی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے اور سال کی ابتداء وقت مرافعہ سے شمار کی جائے کہ اس کے نظائر میں مالکیہ نے اعتبار کیا ہے، چنانچہ **مؤطـا مع الـزرقـانـی** ص ۷۰ ج ۳ (**بـاب اجل الذی لا یمس امرأة**) میں مرافعہ کے دن سے ایک سال کا اعتبار کیا ہے۔

**والعلم عند الله تعالی وهو في اعناق العلماء امانة**

**کتبه سید مهدی حسن غفرله راندیر ضلع سورت یکم اگست ۱۹۲۴ء**

# تصدیقات علماء امرتسر

## از مدرسہ نعمانیہ امرتسر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات حاضرہ کی پیش نظر یہ رسالہ مسلمانوں کی اہم مشکلات کا بہترین حل ہے، جملہ مسائل زیر بحث کی ایسی جامع و مانع تحقیق و ترتیب حضرت حکیم الامت مدظلہ جیسی جامع کمالات ہستی کا ہی کام ہے، اس رسالہ کی تالیف سے حضرت نے مسلمانان ہندوستان پر عموماً اور علماء حنفیہ پر خصوصاً بڑا بھاری احسان کیا ہے، روزمرہ کی مشکلات کا بہترین اور صحیح ترین حل تجویز کردیا گیا ہے، جو علماء حنفیہ کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے گا، اللہ تعالیٰ حضرت کے فیوض و برکات سے مسلمانان عالم کو بہرہ ور فرمائے۔

محمد حسن صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ (مفتی امرتسر)

عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ نعمانیہ امرتسر

عبدالکبیر مدرس مدرسہ نصرۃ الحق امرتسر

محمد بہاء الحق قاسمی ابن حضرت مولانا مفتی پیر غلام مصطفےٰ صاحب قاسمی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ۔

غلام محمد عفی عنہ امام جامع مسجد شیخ خیر الدین مرحوم امرتسر

اصحاب الدین عفی اللہ عنہ مدرس مدرسہ تقویۃ الاسلام امرتسر

محمد نور عالم مدرس عربی مسلم ہائی اسکول امرتسر

خاکسار حکیم محمد عبدالخالق عفا اللہ عنہ چوک فرید امرتسر

خاکسار عمر الدین شیخ (مولوی فاضل) قادیان۔ ضلع گورداس پور

# تصدیق از مدرسہ بہاولپور

## از مدرسہ عربیہ احمد پور شرقیہ بہاولپور

بعد حمد وصلوۃ عرض ہے کہ فدوی نے ایام قیام تھانہ بھون میں رسائل الحیلۃ الناجزۃ وملحقات کو بغور دیکھا صحیح پایا، اس فتن کے زمانہ میں ان مسائل کی اشاعت نہایت ضروری تھی جو حضرت والا دامت فیوضکم کی سعی سے ظہور میں آئی، اللہ تعالی حضرت والا کے فیوض ظاہریہ وباطنیہ کو ہم غلاموں کے سروں پر بعافیت قائم ودائم رکھے، اور حضرت والا ودیگر سعی کنندگان کو جزائے خیر عطا فرماوے۔ آمین ثم آمین۔ فقط

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ

المحرر واحد بخش مدرس اول مدرسہ عربیہ احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور حال مقیم خانقاہ تھانہ بھون

# تصدیقات علماء کراچی

## از مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی

**الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفی.**

**امابعد** حقیر نے رسالہ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ بہت ہی غور وخوض سے دیکھا، اس میں کچھ شک نہیں کہ ان مسائل کے حل کے لئے دیار ہندیہ میں بہت ہی ضرورت تھی، جناب حضرت مؤلف مدظلہم العالی اوران کے معاونین کوحق سبحانہ وتعالی جزائے خیرعطافرماوے، کہ ان حضرات نے باوجود مشکلات دور حاضرہ بہت ہی تحقیق وتدقیق کے ساتھ ان مسائل واقعہ کو بہ نہج علماء کرام حنفیہ رحمہم اللہ تعالی باحتیاط تام حل فرما کرجمیع علماء ہند پراحسان فرمایا۔

حقیر جملہ علماء کرام دیار ہندیہ کی خدمت اقدس میں عرض کرتا ہے کہ فتوی مذکورہ کو بالضرور دستورالعمل فرماویں، خود حضرات علماء کرام حنفیہ رحمہم اللہ تعالی نے اس قسم کے مسائل حاضرہ وقتیہ پر اسی طرح عمل کرکے پس آیندوں کے لئے راہ عمل بیان فرما کراجازت دیدی ہے کہ جزئیات مسائل میں جوآئندہ زمانہ کے مختلف ادوار میں واقع ہوتی جائیں اسی طرح عمل کیا کریں۔

**هذا والعلم عند الله سبحانه وتعالی**

**حرره المسکین محمد صادق عفی عنه**

**مهتمم مدرسه مظهر العلوم محله کهڈه کراچی سنده**

ہم ذیل کے دستخط کنندگان مدرسین مدرسہ مظہر العلوم نے بھی رسالہ مذکورہ کا مطالعہ کیا، ہم بھی جناب مہتمم صاجب کے لکھے ہوئے کی شرعی طور پر تصدیق کرتے ہیں۔

(۱) محمد صدیق عفی عنہ (۲) افضل احمد غفرلہ

(۳) عبدالصمد سربازی غفرلہ (۴) بندہ محمد عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

# تصدیقات علماء گوجرانوالہ

## از مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ

مکرم ومحترم جناب مولانا محمد شبیر علی صاحب زیدت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ آپ کا ہدیہ سنیہ رسالہ الحیلۃ الناجزۃ، موصول ہوا حسب الارشاد بندہ نے دیکھا، مجھے اس کے جملہ جوابات سے اتفاق ہے کہ وہ صحیح ہیں، اس سے ایک حد تک ارتداد کا سدباب ہوجاوے گا۔ جزاکم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء، فقط والسلام علی الاحبہ الکرام۔

محمد عبد العزیز از گوجرانوالہ مسجد جامع

مؤرخہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

میں نے بعض مقامات سے رسالہ الحیلۃ الناجزۃ کو دیکھا ہے، واقعی موجودہ ضرورت کو بطریق احسن پورا کردیا ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

محمد چراغ مدرس مدرسہ انوار العلوم جامع گوجرانوالہ۔ ۱۸ جولائی ۱۹۳۴ء

وباللہ التوفیق ۔ مجموعہ رسائل کا مطالعہ کیا، سب جوابات صحیح ہیں، فقہاء متقدمین ومتاخرین کے مسلک کو نہایت واضح کیا گیا ہے، ہندوستان میں ایسے امور کی بڑی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے حضرت حکیم الامت ادام اللہ ظلہ کو جن کی سعی بلیغ سے ان مشکلات کا حل لوگوں تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ان رسائل کو عامہ مسلمین کے لئے نافع بنائے۔ آمین

محمد خلیل عفا اللہ عنہ

مدرس مدرسہ انوار العلوم جامع مسجد گوجرانوالہ

وقتی ضروریات کو رسالہ موصوفہ میں جمع فرما کر آپ نے تمام مسلمانوں کو مرہون منت کرلیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سعی بلیغ کے مقابلہ میں جزائے خیر سے مشرف فرمائے۔

عبد الواحد

مدرس مدرسہ انوار العلوم جامع مسجد گوجرنوالہ

# تصدیقات علماء کشمیر

## از دار الفتاویٰ سوپور کشمیر

احقر نے کتاب الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزہ کا مطالعہ غور خوض سے کیا، شرع کے معیار میں اعلیٰ و اکمل پائی، یہ کتاب جواہرات ثمینہ سے مشحون و مزین ہے، اس کتاب میں ایسے نقول ہیں کوئی علامہ فحول اور نکتہ رس اس کے کنہ و حقیقت میں بلا تامل نہیں پہنچ سکتا ہے، اس میں ایسے مفصلات منحل و منجسک (۱) ہوئے ہیں جو کہ آج تک صفحۂ روزگار میں نمایاں نہیں دیکھے، اور آج تک کسی عالم فاضل نے ان کا نقشہ بحیثیت مجموعیت نہیں کھینچا۔

## التماس

اس کتاب کے انطباع کرانے میں کئی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، لیکن وہ سبقت قلم ناسخ سے ہیں، اگرچہ مصحح نے اغلاط نامہ کتاب کے ابتداء میں مع الفاظ صحیحہ تسوید فرمائی ہے، لیکن بعض جگہ ابھی لفظی کئی غلطیاں رہ گئی ہیں، ان کے تدارک کی جناب مصنف یا مصحح سے توقع ہے، تاکہ کتاب کے وقعت ان اغلاط ناسخ سے کم نہ ہو جائے مطالعہ کرنے والے کو۔

## حقیقت

الحمد للہ والمنۃ صاحب کتاب نے زمانۂ ضرورت کے دوران میں چار سوئے ظلمت میں چراغ ہدایت منجلی و روشن فرمایا، تاکہ کسی عابر کو شکوک کے کانٹے طلب کے پاؤں میں چبھ نہ جائیں فقط۔

العبد خاکسار عبد الجبار مفتی و امام مسجد جامع سوپور کشمیر

جناب مولانا عبد الجبار صاحب مفتی و امام جامع مسجد سوپور کشمیر کی مذکورہ بالا عبارت سے میرا اتفاق ہے، مزید یہ ہے کہ موجودہ وقت کی مکدر فضا اور متعدد کمزوریوں کے باوجود ایسے اہم مسائل کا حل صرف کمالات حضرت مصنف صاحب سے ہی ہے، تعریف کی ضرورت نہیں، وقت خود بتلا دیگا فقط۔

خادم المسلمین مفتی محمد یسین
صدر کانفرنس و مفتی دار الفتوی سوپور کشمیر

---

(۱) کتاب میں یہ لفظ اسی طرح منجسک ہے لیکن اس کا مفہوم لغت کی مدد سے بھی سمجھ میں نہیں آیا اسی طرح اس جملہ میں مفصلات کے بجائے معضلات زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے ہو سکتا ہے سہو کاتب ہو، عتیق بستوی۔

# تصدیقات علماء ڈھاکہ

## از مدرسہ عالیہ ڈھاکہ

مکرمی زید مجدہ　　　　　　وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا شکر گذار ہوں کہ اس رسالہ ملکوتیہ اوراس کی ملحقات سے مشرف فرمایا، تصدیق حاضر ہے، اور بھی حاصل کرنے کے لئے کوشش کروں گا، اور التماس ہے کہ حضرت والا مولانا صاحب کی نظر انور سے اس کو گذار یے مشکور ہوں گا والسلام۔

محمد اسحٰق عفي عنہ البردوانی ۳۰ ربیع الاول جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله الذى بيده انقه التحقيق . والصلوة والسلام على من هو بالاهتداء حقيق وعلى آله واصحابه الذين سلكوا مناهج الحق بالتصديق .

اما بعد: فانى قد طالعت حرفاً حرفاً هذه الصحيفة الملكوتية الملقبة بالحيلة الناجزة للحليلة العاجزة فوجدتها تروق النواظر وتجلو الخواطر، والحق اقول انها مذللة للصعاب ومسهلة لما أريد في هذا الباب ومخرجة للمظلومات من الظلمات ومنجية لهن من لجج المشكلات .مسائلها مشيدة المبانى ورصيفة المعانى، مستقيمة سمتا، لا ترى فيها عوجاً وامتاً، كيف لاو قدحققها وأتقنها وبصنوف التحقيقات والتدقيقات زينها شيخنا وشيخ الإسلام الحبر المقدام والبحر الطمطام .

بحر ولكن الطفاوة عنبر　　　مزن ولكن الغيوث جواهر

قدوة المحققين، عمدة الراسخين ،كاشف السر الخفي والجلى مولانا محمد اشرف على مد ظله العالى صاحب الانفاس القدسية والنفحات الانسية لا زالت انوار فيوضه مشرقة وبحار علومه متدفقة ولعمرى انها الحرية بان تسمى بالحيلة الناجزة لتحليته للحليلة العاجزة اذبها لم شعثها واصلاح رثها،

فاطال الله بقاء ه مدى الليالى والايام ،اذ وجوده وبقاء ه نعمة ونجاة للأنام، رأى تعليقهن وخلتهن فاظهر لهن سبيلاً للخلاص حين نادو ولات حين مناص، فياربنا هب له من لدنک رحمة انک انت الوهاب الرحيم، اللهم تقبل منا انک انت السميع العليم، وانا العبد المشتاق إلى رحمة ربه الخلاق محمد اسحق عفي عنه البردوانى موطنا والاشرفي تلمذاً والحنفي مذهباً.

مسائل المختارات كلها صحيحةً.

محمد اسحق البردوانى ٢٨ ربيع الاول سنة ١٣٥٣ الهجرية

رسالة حكم الازدواج صحيحة لامرية فيها

محمد اسحق البردوانى

الرسائل كلها صحيحة نافعة جدا

العبد محمدارشاد عفي عنه معلم العربية في الكلية الإسلامية بدكه

نحمدک يا من الهمت قلوب اولياءک ما وصلوا به لمرضاتک، واتحفتهم من الفقه عنک ما حازوابه أسرا رخصوصياتک، ونصلى ونسلم على سيدنا محمد القائل من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين وعلى آله واصحابه اجمعين امابعد فقد مرحت نظرى وطرحت فكرى في ثلث رسائل مبتكرة تحت عنوان الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة مع ضميمتها البديعة التى لم تنسخ على منوالها، فايم الله لوعاينها الامام الذى قيل في حقه من اراد التبحر في الفقه فهو عيال على ابى حنيفة لعاد قائلاً ان المؤلف قدكشف الغمة عن مهمات الامة، فان الحوائج البشرية قد تنوعت انواعاً لا تكاد تحصيها العقول ولا يحتوى على بعضها النقول، ولكن التفصى عن كل امر مسئول فكانت الحاجة ماسة إلى مثل هذه الرسائل الانيقه الباحثة عن المسائل البديعة العميقة، فجاء ت بحمد الله لا تكاد العيون ترى مثلها، وكيف لا وقد نسج بردها من حارت الافكار في ثنائه وتقامر العقول دون وصفه ولحقيق ان يقال:

بالله زدنى من حديث به — اصبحت نشواناً كحاسر المدام

من لى بمن قاسيت من هجره — شوقا جرى في مهجتى والعظام

الـجهبـذ الـغطريف مجر العلی　　　اشـرفـعـلـی الحبر عالی المقام

لا زال فـــي خيــــر وفـــي رفـعة　　　شمو علی السبع انطباق الفخام

المسود الفقير شمس الدين غفر له الحنفي مذهباً والديوبندی تلمذاً من اهالی ڈھاکه بنکاله .

۲۸ ربيع الاول سنة ۱۳۵۳

حضرت اقدس مدظلہ العالی بعد آداب وتسلیمات کے عرض ہے خدا حضور کو بخیریت رکھے، الحیلۃ الناجزۃ کو بندہ نے بغور ملاحظہ کیا، اس مجتہدانہ تحقیق سے کہ اس میں ہر پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور فروع کو اصول کے ساتھ مربوط رکھتے ہوئے جو حکیمانہ وحاکمانہ جواب تحریر فرمایا گیا ہے ہر لفظ پر کلمہ تحسین زبان سے نکالنے کو جی چاہتا تھا، اس کی بڑی ضرورت تھی کہ حضرت والا کے مبارک ہاتھ سے اس کو اللہ نے پورا فرمایا، جزاکم اللہ عن المسلمین خیر الجزاء۔

میں اس صحیفہ ملکوتیہ کی ہر بات سے متفق ہو، لیکن مجنون (۱) کی خلوت صحیحہ کے متعلق جو

(۱) حضرت اقدس دام مجدہم نے ارشاد فرمایا کہ مجنون بعض اوصاف میں مشابہ صغیر کے بھی ہے، اور بعض اوصاف میں نائم کے بھی، مگر دیکھنا یہ چاہیے کہ اس مقام پر کس وصف کو زیادہ دخل ہے، سو صغیر کی خلوت کو بوجہ عدیم الشھوۃ ہونے کی غیر صحیح قرار دیا گیا ہے، اور مجنون عدیم الشھوۃ نہیں كـمـا فـي الـشـامـية عـن الـبـحـر ، باب العنين تحت قول الدر فلوجب بعد وصوله إليها مرة اور نائم صاحب شہوت ہے، مگر نوم کی وجہ سے فاقد الشعور ہے، اور یہی حالت مجنون کی ہے، گو اتنا فرق ہے کہ نوم عادۃ ''سریع الزوال'' ہے، بخلاف جنون کے اور یہ فرق حکم میں مؤثر نہیں انتہی قولہ الشریف۔

اور مخاطب ومکلف ہونے نہ ہونے کو اس میں دخل نہیں کیونکہ مراہق کی خلوت صحیحہ ہے حالانکہ وہ مکلف نہیں، اور نائم کی خلوت صحیح ہونے میں جو اختلاف ہے یہ مضر نہیں، جو اس کی صحت کا قائل ہے اس کے قول پر قیاس ہوجائے گا اور اختلاف تو مجنون کے مانع خلوت ہونے میں بھی ہے، كـمـا قـال الـشـامـي تـحـت قـول الدر أو مجنوناً او مغمیٰ عليه وقيل يمنعان فتح قلت يظهر إلى المنع في المجنون لانه اقوى حالا من الكلب العقور تامل دراصل مبنی صحت وعدم صحت خلوت کا اس پر ہے کہ مانع عن الوطی ہے یا نہیں سو صغر مانع ہے لعدم الشھوۃ اور جنون مانع نہیں، اور نوم گو بظاہر مانع ہے مگر بوجہ سریع الزوال ہونے کے اس کو قول امام پر غیر مانع قرار دیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ جنون کو نوم پر قیاس کرنا بالکل درست ہے بلکہ زیادہ غور کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات نوم کو مانع کہتے ہیں ان کے قول پر بھی جنون کو مانع قرار دینا لازم نہیں کیونکہ نوم ظاہرا تو مانع ہے جنون ظاہرا بھی مانع نہیں گو عدم شعور میں ایک گونہ مشابہ نوم ہے۔ ہذا ما عندنا واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

حاشیہ ص ۴۵ میں مذکور ہے اس میں قدرے خلجان ہے اس لئے ادب سے استفادۃً عرض ہے کہ فقہاء کرام نے صغیر غیر قادر علی الجماع کے متعلق تصریح فرمائی ہے کہ اس کی خلوت صحیح نہیں ہے، **في الشامية ص ۵۲۳ وفي خلوة الصغير الذى لا يقدر على الجماع قولان، وجزم قاضيخان بعدم الصحة، فكان هو المعتمد ولذا قيد في الذخيرة، بالمراهق وكذا في مجمع الانهار،** ص ۳۴۹ اسی طرح وجود ثالث کے مانع خلوت ہونے سے **صغير لا يعقل** کو مستثنٰی کردیا۔

**في الدر المنتقى على حاشية مجمع الانهر بخلاف صغير لا يعقل الخ،** رہا مجنون سو اس کو دوسرے کی خلوت صحیحہ نہ ہونے کے لئے یا ہونے کے لئے ملحق اور مشابہ بالصغیر کیا گیا ہے، **في العالمگیریہ** ص ۴۲۹ (مطبوعہ کلکتہ) **والمجنون والمعتوه كالصبى فان كانا يعقلان فليست بخلوة، إن كانا لا يعقلان فهى خلوة، كذا في السراج الوهاج** اور جنون، صغر، نوم ہر چند عوارض سماویہ ہونے میں متساوی ہیں۔ لیکن نوم مؤخر خطاب ہے نہ مسقط، اور صغر اور جنون مسقط خطاب ہیں، اس لئے جنون صغر کے ساتھ اشبہ اور الصق ہے، اور عبارت عالمگیریہ بھی اسی طرف قریب قریب تصریح کر رہی ہے، پس جب جنون دوسرے کے خلوت کے مانع ہونے یا نہ ہونے میں مشابہ صغیر ہے تو خود اس کی عدم تحقق خلوت میں بھی اسی کے مشابہ ہوگا۔

**فكان شبه الجنون با لصغر اجلى واولى فلم تكن خلوته صحيحة،** ونیز تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے جنون کو کہیں مشابہ نوم نہیں فرمایا ہے، اور پھر نائم کی خلوت کو صحیح قرار دینا یہ بھی متفق علیہ نہیں ہے، **كما يفهم من العالمگيرية (كلكته)**

**ولو دخلت على زوجها وهو نائم وحده صحت الخلوة علم بدخولها اولم يعلم، وهذا الجواب محمول على قول ابى حنيفة ؒ لان عنده للنائم حكم اليقظان كذا في الظهيرية ،**

حضرت والا کی خدمت میں پیش کردیا، اب جو مرضی ہو، **ان صح فمن الله والافمن هذا العبد الضعيف الخويدم . محمد اسحق عفي عنه**

کارکن باڑی ڈھاکہ ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ

# آراء حضرات علماء بہار

## از امارت شرعیہ بہار

محترم المقام جناب مولانا محمد اشرف علی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا مرسلہ رسالہ مجموعۂ رسائل الحیلۃ الناجزۃ میری غیبت میں پہنچا، میں سفر میں تھا، اس لئے آج تک دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، جناب کا نہایت شکر گذار ہوں کہ آپ نے اس ناچیز کے پاس بھیج دیا۔

اس وقت جز دوم کا مقدمہ سرسری طور پر دیکھا، دارالکفر میں قضاء بین المسلمین کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ نے جو صورت تجویز فرمائی ہیں وہ نہ معلوم کیوں اس رسالہ میں مذکور نہ ہوئی، **یعنی یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین اور ان ینفقوا علی واحد یجعلونہ والیاً فیولی قاضیا الخ**۔

اور جب یہ صورت موجود ہے تو پنچایت کی صورت اختیار کرنا بلاضرورت مسئلہ غیر کا اختیار کرنا ہوگا، اس مسئلہ کی بابت شامی۔ بحر۔ نہر۔ فتح القدیر وغیرہ میں جو عبارتیں ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہ ہوں گی مگر سہولت کے لئے مولانا محمد علی صاحب مرحوم مونگیری کا خطبہ روانۂ خدمت کرتا ہوں جس میں وہ تمام عبارتیں مذکور ہیں، تاکہ جناب آسانی سے ان سب پر پھر غور کرسکیں، افسوس ہے کہ آج ہی چند گھنٹے کے بعد پھر باہر سفر میں جا رہا ہوں، ان شاءاللہ تعالیٰ اچھی طرح مطالعہ (۱) کے بعد جو کچھ عرض کرنا ہوگا عرض کروں گا۔

---

(۱) اس کے بعد خط میں **تقلد قضاء من الکافر** پر اشکال لکھ کر بھیجا ہے کہ یہ خلاف ہے نص قرآنی **لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلاً** کے اس کا جواب یہاں سے لکھا گیا کہ تقلد قضا من الکافر ولایت سلطانیہ کی بناء پر نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نصب قاضی کا فریضہ جو مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے وہ اس کو قوت تنفیذ ہاتھ میں نہ ہونے کے سبب ادا نہیں کر سکتے، مگر جب حکومت کافرہ نے کسی کو قاضی یا والی بنا دیا تو عدم قدرت کا مانع مرتفع ہوگیا، لہذا اس کی تعبیر یوں کی جاوے گی کہ سلطان یا والی کافر نے جو عہدۂ قضا وغیرہ سپرد کیا ہے دراصل وہ سپردگی اہل اسلام کے جانب سے ہے (جس پر عامہ مسلمین کا سکوت بھی دال ہوسکتا ہے مولانا) اور حکومت کافرہ صرف پیام رساں ہے اور اس ←

اس وقت جو بات نہایت اہم معلوم ہوئی اس کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوا، اگر جناب کے متبرک قلم سے حنفیہ کے اس مسلک کا بیان بھی اب بطور ضمیمہ اس رسالہ میں شامل ہو جائے تو بہتر ہوگا، اس مسئلہ کی ضرورت واہمیت کے علاوہ پنچایت کی عملی دقتیں بہت زیادہ ہیں(۱)، اوران شرائط کی نگاہ داشت بھی بہت مشکل ہوگی۔

والسلام فقط

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ ۲۵/ربیع الاول ۱۳۵۳ھ

---

(۱) ان عملی دقتوں کا ان سوالات میں تذکرہ تھا جن کا ابھی گذشتہ حاشیہ میں ذکر ہوا ہے، مگر مدینہ منورہ سے جواب آنے پر سب کا حل ہوگیا، اس لئے اس جواب کو شائع کردینا کافی سمجھا، واللہ الموفق۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ

← منظوری اور پیام رسانی کی شرط رفع مانع یعنی قوت تنفیذ حاصل ہونے کے واسطے ہے، حاصل یہ ہے کہ حکومت کافرہ کی طرف سے جو تقرر قاضی کا ہوا ہو وہ تولیت قضا نہیں، بلکہ تولیت قضا کی شرط ہے، پس اس تقریر سے اہل اسلام پر کفار کی ولایت کا شبہ بحمد للہ بالکل رفع ہوگیا، فتدبر وتشکر نیز یہاں کے جواب میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اس کی نظیر تقلد قضاء من الباغی المتغلب ہے، اوراس میں شمس الائمہ نے یہی توجیہ کی ہے، جو ابھی مذکور ہوئی، عبارت شمس الائمہ کی تتمہ رفاق کے حاشیہ(۱) میں مذکور ہے۔

(۱) ختم پر" من قوله والمعنى فيه (إلى قوله )وقد حصل "۔ملاحظہ فرمالیا جائے، بعدازاں مولانا سجاد صاحب غالباً جمادی الاولیٰ ۵۳ میں تھانہ بھون تشریف لائے، مولانا کفایت اللہ صاحب وغیرہ بھی ہمراہ تھے، اس وقت بھی مولانا سجاد صاحب نے نصب القاضی من العامۃ کو صحیح قرار دینے کی بہت سعی فرمائی اور تقلد قضا من الکافر پر اشکال مذکور کا اہتمام سے اعادہ فرمایا تو حضرت حکیم الامت مدظلہم نے احقر سے ارشاد فرمایا کہ غالباً یہاں سے کچھ جواب بھی تو لکھا گیا تھا، احقر نے تتمہ امدادالاحکام جلد دوم میں تلاش کر کے وہ جواب سنایا، جس میں ہر دو مسئلہ یعنی نصب القاضی من العامہ کی عدم صحت اور تقلد قضا من الکافر کی صحت پر کافی تقریر ہے، اس کو سنتے ہی مولانا حسین احمد صاحب نے فرمایا کہ اس باب میں اب کوئی اشکال نہیں رہا، مولانا کفایت اللہ صاحب نے اول تو اس فرمانے پر حیرت سے سوال کیا، پھر مختصر مکالمت کے بعد خود بھی تسلیم کرلیا۔ اس کے بعد احقر کو تکان ہوگیا، ان دنوں احقر بیمار تھا، اس لئے حضرت اقدس مدظلہم سے اجازت کے لئے عرض کیا، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وقت بھی کافی گذر چکا ہے، اور ضروری گفتگو بھی ہوچکی، اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو اشکالات ہوں ان کو قلمبند فرمادیا جائے اس پر اطمینان سے غور کیا جائے گا اس پر ان حضرات نے چند سوالات تحریر فرمادئے، ان میں سے بعض کا جواب تو ہو چکا تھا، اور بعض کو مدینہ منورہ بھیجنا مناسب خیال کیا گیا، اور وہاں سے جواب آنے پر تتمہ کی شکل میں شائع کردیا گیا، ملاحظہ فتاوی مالکیہ کے ختم پر عنوان الاستفتاء بالمرۃ الخامسۃ۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ

پانچواں رسالہ

# المرقومات للمظلومات

تالیف

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# المرقومات للمظلومات

## تینوں رسائل کا خلاصہ

**الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى اما بعد.**

زمانۂ موجودہ میں عورتوں کی مشکلات اور سوالات کی کثرت پر نظر کر کے تین رسالے تیار کئے گئے ہیں۔

(۱) ایک الحیلۃ الناجزۃ جس میں شادی بیاہ سے متعلق ایسے مسائل کو نہایت مکمل اور مفصل طریقہ پر یکجا جمع کر دیا ہے جن میں عورتوں کا ابتلائے عام ہے، اس رسالہ میں اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ اسلام نے مظلوم عورتوں کی رہائی کے لئے کوئی صورت تجویز نہیں کی، اور ایسی مظلوم عورتوں کیلئے رہائی کی تدبیر بھی بتلائی گئی ہے، اور اس رسالہ کے دو جزء ہیں۔

جزء اول- ان عورتوں کے لئے جن کا ابھی نکاح نہیں ہوا۔

جزء دوم- ان عورتوں کے لئے جن کا نکاح ہو چکا ہے۔

(۲) دوسرا رسالہ جو تتمہ ہے اصل رسالہ کے جزو دوم کا، جس کا نام المختارات ہے، اس میں حرمت مصاہرت اور خیار بلوغ اور خیار کفاءت کے احکام مفصل درج ہیں۔

(۳) تیسرا رسالہ جو اصل رسالہ کا ضمیمہ ہے ''حکم الازدواج'' اس میں میاں بیوی کے اختلاف مذہب کی سب صورتوں کے مفصل اور مدلل احکام بیان کئے گئے ہیں، لیکن یہ رسالے عام فہم نہ تھے، اس لئے ان کے مسائل کا خلاصہ جدا جدا بالترتیب لکھا جاتا ہے، اس خلاصہ میں مختصر طور پر بتلا دیا گیا ہے کہ نکاح سے قبل کیا صورت اختیار کرنا مناسب ہے، اور نکاح ہو چکا ہو تو کس کس موقع پر نکاح فسخ ہو سکتا ہے، اور کس طرح ہو سکتا ہے، طالبِ تفصیل کیلئے اگر وہ عالم ہے تو خود اور اگر عالم نہیں تو کسی عالم کی مدد سے اصل رسائل دیکھنا ضروری ہیں، جن میں ہر مسئلہ کی

دلیل بھی موجود ہے، امید ہے کہ اس رسالہ سے مظلوم عورتوں کو بہت مدد ملے گی۔

**تنبیہ**:- لیکن ان مسائل پر عمل کرنے کے وقت دو باتیں عمل کرنے والوں کے ذمہ ہیں۔

ایک یہ کہ محض اس رسالہ کو دیکھ کر اپنی قوت مطالعہ کے بھروسہ پر کوئی کاروائی نہ کریں، بلکہ کسی محقق عالم کے سامنے صورت واقعہ مع اس رسالہ کے پیش کر کے اس کی تجویز کے موافق اس طرح عمل کریں کہ ہر جزئی میں اس کی رائے معلوم کر کے اس کا اتباع کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ ہمیں موجودہ حکومت کے قانون سے واقفیت نہیں، اس لئے کارروائی کے موافق قانون یا مخالف قانون ہونے کو قانون داں وکلاء سے دریافت کر کے اپنی واقفیت اور ہمت کے بھروسہ پر عمل کریں، ہم اس کے ذمہ دار نہیں۔ **واللہ المستعان وعلیہ التکلان**۔

# خلاصہ

# الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة

(جس کے دو جزو ہیں)

جزءِ اوّل

نکاح کے وقت طلاق کی تفویض

از فقہ حنفی

# سوالات

سوال: آج کل ہندوستان میں قاضی شرعی نہ ہونے کی وجہ سے جو مشکلات عورتوں کو پیش آرہی ہیں محتاج بیان نہیں، کبھی مرد ظلم کرتا ہے اور بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا، نہ نان نفقہ دیتا ہے نہ طلاق، کبھی بیوی بچوں کو چھوڑ کر لاپتہ ہوجاتا ہے، کہیں مرد عورت کے قابل نہیں ہوتا، کہیں مجنون ہوجاتا ہے، اگر شرعی قاضی موجود ہوتے تو ان مشکلات کا حل سہل تھا، لیکن اب جو دشواریاں ہیں کسی سے مخفی نہیں لہذا دریافت طلب یہ ہے۔

(۱) کہ بعض جگہ ان مشکلات کا جو یہ علاج تجویز کیا گیا ہے کہ نکاح کے وقت کابین نامہ میں مرد سے کچھ شرطیں ایسی لکھوائی جائیں جن کی وجہ سے عورتوں کو ضرورت کے وقت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا خود اختیار حاصل ہوجائے یہ شرعاً صحیح اور معتبر ہے یا نہیں؟

(۲) اور کیا اس کابین نامہ کے نکاح سے پہلے اور نکاح کے بعد لکھوانے یا عین عقد نکاح کے وقت شرطوں کو زبانی کہلانے میں کوئی فرق ہے؟

# جوابات

## تفویض طلاق کا حکم

(۱) اس قسم کا کابین نامہ لکھوانا جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہو، اور ضرورت کے وقت اس سے کام لینا(۱) جائز ہے، اور اصطلاح فقہ میں اس اختیار دیدینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں۔

## تفویض کی بہترین صورت

(۲) اس تفویض طلاق کی کئی صورتیں ہیں جن کی تفصیل شرائط کے ساتھ اصل رسالہ

---

(۱) چونکہ طلاق میں جلدی کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے اس لئے عورت کو لازم ہے کہ اختیار مل جانے کے بعد بھی طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ سوچ سمجھ کر غصہ فرو ہونے کے بعد اپنے خیر خواہوں سے مشورہ اور سنت کے موافق استخارہ کرکے رائے قائم کرے ۱۲ منہ

الحیلۃ الناجزۃ میں مذکور ہے، اس جگہ وہ صورت ذکر کی جاتی ہے جو عوام کے لئے سب سے زیادہ آسان اور عورتوں کے لئے زیادہ مفید اور طرفین کے سب مصالح کی جامع ہے، اور وہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے ایک اقرار نامہ مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ مرد سے لکھوالیا جائے۔

یہ یاد رہے کہ اس اقرار نامہ کا ایک ایک لفظ غور کر کے شرعی قواعد کے موافق طرفین کے مصالح کی پوری رعایت رکھ کر لکھا گیا ہے، اس میں سے کوئی لفظ بدلا نہ جائے، ورنہ بعض صورتوں میں یہ اقرار نامہ بالکل بے کار و بے فائدہ ہو جائے گا، اور وہ اقرار نامہ بہ شکل کابین نامہ یہ ہے۔

# کابین نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد ۔ میں..................پسر.................. قوم..................

ساکن.................. ضلع..................کا ہوں، میرا نکاح مسماۃ..................

دختر..................قوم.................. ساکن.................. ضلع..................کے ساتھ

شرائط ذیل پر بعوض مہر روپیہ سکہ رائج الوقت کے قرار پایا ہے، لہٰذا ہوش و حواس کی سلامتی کے ساتھ کسی جبر و اکراہ کے بغیر مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھتا ہوں، تاکہ میں اس کا پابند رہوں، اور پابندی نہ کرنے کی صورت میں مسماۃ مذکورہ کے لئے رہائی کی صورت ہو سکے۔

پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جب تک وہ میرے نکاح میں رہے میں درج ذیل شرطوں کا پابند رہوں گا، اور بغرض اطمینانِ مسماۃ لکھتا ہوں کہ اگر میں مسماۃ مذکورہ سے نکاح کروں تو نکاح کرنے کے بعد جب کبھی اس کو اس نکاح میں رکھتے ہوئے شرائط ذیل میں سے کسی شرط کے خلاف کروں اور اس خلاف شرط ہونے کو مندرجہ ذیل اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم (۱) کرلیں تو اس کے بعد مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا خلاف شرط تسلیم ہونے

---

(۱) زیادہ احتیاط درکار ہو تو ''تسلیم کرلیں'' کے بعد یہ جملہ بھی لکھ دیا جائے ''اور دونوں صاحبان عورت کے لئے علیحدگی کو مناسب بھی قرار دیدیں ۱۲ منہ

سے ایک ماہ تک کسی وقت اگر چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے، اور جب کبھی کسی شرط کا خلاف وقوع پذیر ہو ہر بار ایک ایک ماہ کے لئے اختیار حاصل ہوتا رہے گا، مگر یہ اختیار ایک ہی نکاح تک محدود ہے، اگر کسی طرح فرقت و علیحدگی کے بعد نکاح کا اعادہ ہوا تو اس کے بعد یہ اختیار اور شرائط نہیں، بلکہ اس وقت جو کچھ دوبارہ طے ہو جائے اس کے موافق عملدرآمد ہوگا۔

وہ اشخاص (۱) یہ ہیں۔......................................................................

شرائط یہ ہیں (۲)...........................................................

اس کابین نامہ کو میں نے منظور کیا اور لکھوا کر دیکھنے/ سننے کے بعد آج بتاریخ.............

ماہ..............سنہ..............میں دستخط/ نشان انگشت کرتا ہوں۔

گواہ نمبر ۱ گواہ نمبر ۲

## اس کابین نامہ کا اثر

یہ کابین نامہ لکھنے کے بعد ایک مرتبہ خلاف شرط کرنے سے عورت کو صرف ایک ماہ کے لئے اختیار ملے گا اور مہینہ کے ختم پر اختیار ساقط ہو جائے گا، لیکن اس کے بعد اگر پھر کبھی کسی شرط کی خلاف ورزی ہوئی تو پھر مکرر اختیار ایک ماہ کے لئے مل جائے گا، اور ہر مرتبہ خلاف کرنے سے اسی طرح اختیار ملتا رہے گا، مگر ایک مرتبہ عورت طلاق واقع کرلے یا اور کسی طرح علیحدگی ہو جائے تو اس کے بعد دوبارہ نکاح ہونے پر شرط کے خلاف واقع ہونے سے اختیار حاصل نہ ہوگا۔

---

(۱) مناسب ہے کہ اس جگہ کم از کم دس آدمیوں کے نام طرفین کی باہمی رضامندی سے متعین کر کے لکھ دیئے جائیں ۱۲ منہ

(۲) جو شرائط طے ہوں ان میں اہل فہم اور تجربہ کار لوگوں سے مشورہ کرنا مناسب ہے، نیز وکلاء سے بھی کہ یہ شرائط قانون میں معتبر ہیں یا نہیں، اور کابین نامہ رجسٹری ہو جائے تو بہتر ہے، اور مرد کے حق میں ایک مفید بات یہ ہے کہ مہر معاف کرنے کی شرط لگالے اور کابین نامہ میں جو یہ جملہ ہے ''اپنے اوپر ایک طلاق واقع کرلے'' اس سے پہلے یہ لفظ لکھ دیئے جائیں ''مہر معاف کر کے اپنے اوپر'' الخ ۱۲ منہ

# جزءدوم

# بابت فسخ نکاح (۱)

## مقدمہ

نکاح ہو جانے کے بعد جو مشکلات عورتوں کو شوہر کے طرف سے
پیش آتی ہے، اور جن میں ابتلاء عام اور ضرر شدید ہے وہ چند ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ شوہر نامردی وغیرہ کی وجہ سے عورت کے قابل نہ ہو جس کو اصطلاح فقہ میں عنین کہتے ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ مرد مجنون ہو۔

(۳) تیسرے یہ کہ مفقود و لا پتہ ہو جائے۔

(۴) چوتھے یہ کہ موجود ہے اور نان نفقہ دینے پر قدرت بھی ہے، مگر ظلم کرتا ہے، نہ نان نفقہ دیتا ہے اور نہ طلاق۔

(۵) پانچویں یہ کہ لا پتہ تو نہیں، مگر بیوی بچوں کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا گیا، نہ نان نفقہ وغیرہ کا کچھ انتظام کرتا ہے، نہ خود آتا ہے، نہ ان کو اپنے پاس بلاتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے۔

ان سب صورتوں میں عورت کی رہائی کے لئے شرعی صورتیں جدا جدا ہیں جن کو تفصیل سے لکھا جائے گا لیکن ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ اس رہائی میں عورت یا اس کے اولیاء خود مختار نہیں بلکہ قاضی کا فیصلہ شرط ہے یعنی ضروری ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی کی عدالت میں دائر کرے، اور قاضی باقاعدہ شرعی تحقیق کے بعد تفریق وغیرہ کا حکم کرے، مگر ہندوستان میں موجودہ حالت میں چونکہ عموماً قاضی شرعی کا وجود نہیں، اس لئے اس کی شرعی تدبیر بتلانا سب سے مقدم ہے۔

(۱) اس جگہ اصطلاحی فسخ مراد نہیں، بلکہ میاں بیوی کے درمیان تفریق مراد ہے، خواہ اصطلاحی فسخ ہو، خواہ طلاق، خواہ حکم بالموت، عوام کی تفہیم کے لئے یہ عنوان اختیار کیا گیا ۱۲ منہ

# ہندوستان میں قاضی کے فیصلہ کی صورت

## موجودہ جج، مجسٹریٹ وغیرہ کا فیصلہ کن شرائط کے ساتھ معتبر ہوسکتا ہے

ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں تو معاملہ سہل ہے، لیکن گورنمنٹی علاقوں میں جہاں یہ صورت نہیں ان میں وہ حکام، جج وغیرہ جو گورنمنٹ کے طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قاضی کے فیصلہ کے قائم مقام ہوجاتا ہے، اور اگر مسلمان نہ ہوں تو ان کا فیصلہ کالعدم ہے حتی کہ اگر کئی ججوں یا ممبروں وغیرہ کی کمیٹی فیصلہ کرے تو ان سب کا مسلمان ہونا شرط ہے، اگر ایک جج یا ممبر وغیرہ بھی غیر مسلم ہوتو شرعاً فیصلہ معتبر نہیں۔

اور اگر کسی جگہ مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کا قانوناً اختیار نہ ہو یا مسلمان حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو، تو اس صورت میں مذہب حنفی کے مطابق عورت کی علیحدگی کے لئے سوائے شوہر کی طلاق یا خلع کے کوئی صورت نہیں۔

# جماعت مسلمین کا حکم

لیکن اگر شوہر طلاق اور خلع پر بھی کسی طرح راضی نہ ہو، یا مفقود یا مجنون یا نابالغ ہونے کی وجہ سے اس سے طلاق وخلع نہ ہوسکے تو اس وقت مذہبِ امام مالکؒ کے موافق جس کا اختیار کرنا شدید ضرورت میں حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے، مسلمانوں کی جماعت کا حکم بھی قاضی کے فیصلہ کے قائم مقام ہوجائے گا، اور اس کی صورت یہ ہے کہ محلّہ یا بستی کے دیندار (اور بااثر) مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے جن کی تعداد کم از کم تین ہو اپنا معاملہ پیش کیا جائے اور وہ جماعت واقعہ کی تحقیق کر کے شریعت کے موافق حکم کردے۔

# جماعت مسلمین کی شرائط

اس جماعت کو قاضی کے قائم مقام کرنے کے لئے چند شرائط ہیں جس جماعت میں یہ شرطیں موجود نہ ہوں وہ شرعاً معتبر نہ ہوگی۔

(۱) کم از کم تین آدمیوں کی جماعت ہو ایک یا دو آدمی فیصلہ کریں تو وہ معتبر نہیں۔

(۲) اس جماعت کے سب ارکان کا عادل ہونا شرط ہے، اور عادل وہ شخص ہے جو تمام کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغائر پر مصر نہ ہو، اور اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہو تو فوراً توبہ کر لیتا ہو، لہذا سود خور اور رشوت لینے والا، داڑھی منڈوانے والا، جھوٹ بولنے والا اور بے نمازی اس جماعت کا رکن نہیں بن سکتا، اگر بدقسمتی سے کسی جگہ کے بااثر لوگ دیندار نہ ہوں تو یہ تدبیر کر لی جائے کہ وہ بااثر اشخاص چند دینداروں کو اختیار دیدیں، تاکہ شرعاً فیصلہ کی نسبت دیندار جماعت کی طرف ہو، اور ان بااثر اشخاص کو کوشش کا ثواب حاصل ہو جائے۔

(۳) فیصلہ میں علماء کی شرکت لازم اور شرط ہے، صرف عوام کی جماعت کا فیصلہ قاضی کے فیصلہ کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، اس لئے اولاً یہ چاہئے کہ جماعت کے سب ارکان اہل علم ہوں، اور اگر یہ میسر نہ ہو تو کم از کم ایک معاملہ فہم عالم کو ضرور جماعت کا رکن بنائیں، اور دوسرے ارکان معاملہ کے تمام پہلوؤں کو ان عالم صاحب سے خوب سمجھ کر رائے قائم کریں، اور اگر کسی جگہ یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر یہ لازم ہے کہ جماعت کے ارکان معاملہ کی روداد مکمل کر کے علمائے محققین سے ہر ہر جزئی کا حکم دریافت کریں، اور جو ان کا فتوی ہو اس کے موافق فیصلہ کیا جائے، اگر ایسا نہ کیا بلکہ عوام نے اپنی رائے سے فیصلہ کر دیا تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا، اور فیصلہ بالکل بےکار اور غیر معتبر رہے گا اگرچہ وہ فیصلہ شریعت کے موافق بھی ہو۔

(۴) چوتھی شرط یہ کہ جماعت مسلمین کے سب ارکان متفقہ فیصلہ دیں، اگر رائے مختلف رہے اور کثرت رائے کی بناء پر فیصلہ کرنا چاہیں تو وہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا پس اگر ارکان میں اختلاف رہے تو مقدمہ خارج کر دیا جائے۔

**فائدہ-** اگراختلاف رائے کی وجہ سے کسی درخواست پرتفریق کاحکم نہ ہوسکا تھا،تو وہ درخواست ہمیشہ کے لئے مسترد نہ ہوجائے گی، بلکہ استغاثہ کرنے والی عورت کو اختیار ہوگا کہ معاملہ کی حالت بدل جائے یا ضرورت کی شدت بڑھ جائے تو دوبارہ درخواست پیش کرے،اور دوبارہ درخواست دینے پراگرارکان کی رائے متفق ہوجائے تو تفریق کردی جائے۔

# فسخ نکاح کے اسباب

اب ان اسباب کو بیان کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، اوراختیار ہونے کی جوشرطیں ہیں وہ سب لکھی جاتی ہیں، آجکل اکثر لوگ فسخ نکاح کا اختیار ہونے میں شرطوں کی خبرنہیں رکھتے ،اورشرائط پائے جائے بغیرنکاح فسخ کرالیتے ہیں،مگرایسے فسخ کا شرعاً بالکل اعتبارنہیں،اوردوسری جگہ جونکاح کیا جائے گا وہ سراسر باطل ہوگا، اس واسطےان کا خاص طورپردھیان رکھنالازم ہے۔

# عنین (نامرد) کی بیوی کاحکم

## سوالات

(۱) عنین اصطلاح فقہ میں کس کو کہتے ہیں؟

(۲) عنین کی بیوی کوفسخ نکاح کا اختیاردیا جائے گا یانہیں؟

(۳) اگراختیاردیاجائے تواس کی کیا صورت ہوگی اوراس کے لئے کیا شرائط ہیں؟

(۴) تفریق کے بعدعنین پرپورامہرواجب ہوگا یاآدھا، نیزعورت پرعدت لازم ہوگی یانہیں؟

# جـوابات

## عنین کس کو کہتے ہیں

(۱) فقہاء کی اصطلاح میں عنین اسکو کہتے ہیں جو باوجود (۱) عضو مخصوص ہونے کے عورت سے جماع کرنے پر قادر نہ ہو، خواہ یہ حالت کسی مرض کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو، یا ضعف کی وجہ سے، یا بڑھاپے کی وجہ سے، یا اس وجہ سے کہ اس پر کسی نے جادو کردیا، اور اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ بعض عورتوں سے جماع کرنے پر قادر ہو اور بعض عورتوں پر نہیں، تو جس سے ہم بستری پر قدرت نہ ہو اس کے حق میں یہ شخص عنین سمجھا جائے گا۔

(۲) عنین کی بیوی کو اپنے شوہر سے تفریق یعنی علیحدگی اختیار کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے، اور اس کے وہ شرائط ہیں جو جواب نمبر ۳ مندرجۂ ذیل میں ابھی آتے ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیں۔

## عنین کی بیوی کے بارے میں دعوی اور فیصلہ کا طریقہ

(۳) عنین کی بیوی کے لئے تفریق کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کرے، قاضی واقعہ کی تحقیق کرے یعنی اول شوہر سے دریافت کرے، اگر وہ خواہ اقرار کرے کہ بیشک میں اس عورت سے ہم بستری پر قادر نہیں ہوا تو اس کو علاج کرنے کے لئے ایک سال کی مہلت دیدے، اور اگر وہ اقرار نہ کرے بلکہ جماع کا دعوی کرے تو اس وقت یہ تفصیل ہے کہ اگر عورت باکرہ (کنواری) ہونے کا دعوی نہ کرتی ہو تب تو مرد سے حلف لیا جائے گا اور اگر اس نے حلف کرلیا تو عورت کو تفریق کا حق حاصل نہ ہوسکے گا، اور اگر شوہر نے حلف سے انکار کردیا تو اس کو ایک سال کی مہلت بغرض علاج دیدی جائے گی اور اگر عورت باکرہ (کنواری) ہونے کی مدعی ہو تو قاضی عورتوں سے اس کی بیوی کا معائنہ کرائے، ایک عادل تجربہ کار عورت کا معائنہ

---

(۱) اور جس شخص کا عضو کٹ گیا یا سرے سے ہی بالکل موجود نہ تھا اس کا حکم آگے آتا ہے ۱۲ منہ

بھی کافی ہے، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ دو عادل (۱) عورتیں معائنہ کریں، آگے معائنہ کے بعد دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ کہ عورتیں یہ بیان کریں کہ یہ عورت باکرہ یعنی کنواری نہیں رہی تب تو شوہر سے اس بات پر حلف لیا جائے گا کہ اس نے جماع کیا ہے، اگر وہ حلف کرلے تو اس کا قول معتبر ہو جائے گا، اور عورت کو تفریق کا حق باقی نہ رہے گا، اور اگر شوہر حلف سے انکار کردے تو تاجیل یعنی ایک سال کی مہلت کا حکم کردیا جائے گا۔

دوسری صورت یہ کہ عورتیں یہ بیان کریں کہ ابھی تک یہ لڑکی باکرہ (کنواری) ہے تو پھر قاضی بغیر کسی سے حلف لئے عنین شوہر کو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دیدے۔

خلاصہ یہ کہ جب کسی دلیل سے محقق ہو جائے کہ عورت باکرہ نہیں ثیبہ ہے، خواہ ثیبہ ہونا اس طرح معلوم ہو کہ وہ بیوہ ہو اور شوہر اول سے اولاد ہو چکی ہو، یا خود عورت کے اقرار سے یا عورتوں کے معائنہ سے، ان تینوں حالتوں میں مرد کا قول حلف کے ساتھ قبول کرلیا جائے گا کہ وہ ہمبستری کرچکا اور عورت کو علیحدگی کا حق نہ دیا جائے گا اور اگر ان تینوں حالتوں میں مرد حلف سے انکار کردے تو عورت کا دعوی درست مان کر مرد کو ایک سال کی مہلت دیدیں اور اگر عورتوں کے معائنہ سے بیوی کا باکرہ (کنواری) ہونا ثابت ہو تو بغیر حلف ہی ایک ماہ کی مہلت دے دی جائے اور اس مہلت کے لئے ظاہر الروایۃ میں تو قمری سال کا اعتبار کیا گیا ہے، لیکن روایت حسن میں شمسی سال کو لیا ہے، اور بعض اصحاب ترجیح نے احتیاطاً اسی کو اختیار کیا ہے، اور عموماً متاخرین نے اسی پر فتوی دیا ہے، اور اب بھی عام اہل فتوی کا یہی معمول ہے اور یہ سال حاکم کی مہلت دینے کے وقت سے شروع سمجھا جائے گا اس سے پہلے خواہ کتنی ہی مدت گذر گئی ہو معتبر نہ ہوگی پھر اس سال بھر کے عرصہ میں اگر شوہر کسی طرح علاج کر کے تندرست اور جماع پر قادر ہوگیا، اور ایک مرتبہ بھی ہم بستری کی تو عورت کو فسخ نکاح کا حق نہ رہا، بلکہ ہمیشہ کے لئے حق باطل ہو چکا، اب کبھی علیحدگی کا مطالبہ نہیں کرسکتی، اور اگر اس عرصہ میں ایک مرتبہ بھی جماع نہ کرسکا تو عورت کے دوبارہ درخواست کرنے پر قاضی تحقیق کرے، اگر خود شوہر نے اقرار کرلیا کہ بیشک

---

(۱) اس کو احتیاط کہنا اس وقت ہے جب کہ قاضی فیصلہ کرنے والا ہو، اور پنچایت فیصلہ کرے تو مالکیہ کا مذہب لینا لازم ہے، اور ان کا مذہب یہ ہے کہ دو عورتوں کا معائنہ ضروری ہے ایک عورت کافی نہیں ہے ۱۲ منہ

میں قادر نہیں ہوا تب تو عورت کا دعوی بلا غبار صحیح ہو گیا، اس صورت میں قاضی عورت کو اختیار دیدے کہ اگر علیحدگی درکار ہے تو طلب کرو، ورنہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کو گوارا کرو، اس پر اگر وہ اسی مجلس میں علیحدگی چاہے تو شوہر سے طلاق دلوادی جائے، اگر وہ انکار کرے تو قاضی تفریق کردے جیسا کہ آئندہ عنقریب آئے گا اور اگر شوہر اقرار نہ کرے بلکہ جماع ہو چکنے کا دعویٰ کرے تو اس وقت یہ تفصیل ہے کہ مہلت دینے کے وقت اگر عورت کا ثیبہ ہونا ثابت ہو چکا تھا یا اب عورت اقرار کرے کہ کسی طرح بکارت زائل ہو چکی ہے مگر ہمبستری نہیں ہوئی تب تو شوہر سے حلف لیا جائے اگر وہ قسمیہ کہہ دے کہ میں نے اس عورت سے جماع کیا ہے تو مرد کا قول معتبر ہوگا اور تفریق نہ ہو سکے گی، اور اگر شوہر نے اس وقت بھی حلف سے انکار کر دیا تو عورت کو طلب فرقت کا اختیار دے دیا جائے گا اور اگر مہلت دینے کے وقت معائنہ سے باکرہ ہونا ثابت ہوا تھا اور اب دوبارہ معائنہ میں بھی باکرہ ہونے کی تصدیق ہو تب بھی عورت سے حلف لئے بغیر قاضی عورت کو اختیار دیدے کہ شوہر کے نکاح میں رہے یا تفریق کا مطالبہ کرے اور جن صورتوں میں قاضی عورت کو اختیار دے چکا ان میں حکم یہ ہے کہ اگر عورت اسی مجلس میں تفریق چاہے تب تو تفریق ہو سکتی ہے ورنہ نہیں، پس اگر عورت نے اسی مجلس تخییر میں یہ کہدیا کہ میں اس شوہر سے علیحدہ ہونا چاہتی ہوں تو قاضی اس کے شوہر سے کہے کہ اس عورت کو طلاق دے دو، اس پر اگر شوہر نے طلاق دے دیا تو طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور اگر وہ اس عورت کو طلاق دینے سے انکار کردے تو قاضی خود تفریق کردے یعنی مثلاً یہ کہہ دے کہ میں نے تجھ کو اس کے نکاح سے الگ کردیا، یہ تفریق بھی شرعاً طلاق بائنہ کے قائم مقام ہو جائے گی۔

# عنین کی بیوی کے لئے شرائط تفریق

عنین کی بیوی کو اپنے شوہر سے علیحدگی کا اختیار چند شرائط کے ساتھ حاصل ہو سکتا ہے وہ شرائط یہ ہیں:

اوّل یہ کہ نکاح سے پہلے عورت کو اس شخص کے عنین (نامرد) ہونے کا علم نہ ہو، پس اگر اس وقت علم تھا اور باوجود معلوم ہونے کے نکاح کیا ہے، تو اب اس کو تفریق کا حق نہیں مل سکتا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کیا ہو، اور اگر ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع کر چکا ہے اور پھر عنین ہو گیا تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے اس وقت سے عورت نے اس کے ساتھ رہنے پر رضامندی کی صراحت نہ کی ہو، مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ جیسا بھی ہے اب تو میں اسی کے ساتھ بسر کروں گی، کیونکہ اگر وہ اپنی رضامندی (۱) کی تصریح کر چکی ہو تو پھر اس کو تفریق کے مطالبہ کا حق نہیں رہتا، ہاں محض خاموشی سے اس جگہ رضامندی نہ سمجھی جائے گی۔ (۲)

چوتھی شرط یہ ہے کہ جس وقت سال بھر کی مدت گذرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے، تو عورت اسی مجلس میں تفریق کو اختیار کر لے، پس اگر اس مجلس میں اس نے اپنے شوہر کے ساتھ رہنا پسند کر لیا یا اس قدر سکوت کیا کہ مجلس برخاست ہو گئی، خواہ اس طرح کہ عورت مجلس سے اٹھ گئی یا اس طرح کہ قاضی مجلس سے اٹھ گیا، تو اس کا اختیار باطل ہو گیا، اب کسی طرح تفریق نہیں ہو سکتی۔

نیز مجلس برخاست ہونے اور عورت کے جانے کے علاوہ اور صورتیں بھی ایسی ہیں جن سے مجلس بدل جاتی ہے اور اختیار باطل ہو جاتا ہے، مثلاً کوئی دوسری گفتگو کرنے لگی یا نماز پڑھنے لگی وغیر ذلک۔

پانچویں شرط۔ عنین کو سال بھر کی مہلت دینا اور سال گذرنے پر عورت کو اختیار دینا، اس کے بعد اگر شوہر طلاق سے انکار کرے تو تفریق کر دینا وغیرہ، یہ سب امور جن کا ذکر اوپر مفصل ہو چکا قاضی کے فیصلہ کے محتاج ہیں، بغیر قاضی کے از خود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں۔

اور جس جگہ قاضی نہ ہو اس کا مفصل حکم اس جزء دوم کے مقدمہ میں گزر چکا، وہاں دیکھ لیا جائے۔

---

(۱) یعنی زبان سے کہہ دیا ہو، خواہ تنہائی میں یا کسی کے سامنے، تاجیل (مہلت دینے) سے پہلے یا اس کے بعد ۱۲ منہ
(۲) بلکہ بوسہ دینا اور ہمبستری وغیرہ افعال بھی رضامندی کا موجب نہیں ۱۲ منہ

## جواب سوال نمبر۴

خلوت صحیحہ کی وجہ سے عنین پر پورا مہر واجب ہو چکا تھا، وہ تفریق کے بعد بھی ادا کرنا لازم ہے، اور عورت پر عدت بھی واجب ہے۔

## فـــائدہ

## مجبوب کا حکم

عنین کو ایک سال کی مہلت دینے کا حکم جو اوپر بیان کیا گیا ہے صرف اس شخص کے لئے ہے جس کو عرفاً عنین کہتے ہیں، لیکن وہ شخص کہ جس کا عضوتناسل کٹ گیا ہو جسکو اصطلاح میں مجبوب کہتے ہیں، اور اسی طرح وہ شخص جس کا عضوتناسل پیدائشی طور پر بہت کم، مثل نہ ہونے کے ہو اس کو سال بھر کی مہلت دینے کی ضرورت نہیں، بلکہ پہلی ہی درخواست پر مجبوب وغیرہ ہونے کی تحقیق کر کے عورت کو اختیار دے دیا جائیگا۔

## فائدہ کا تتمہ

اگر عورت دعوی کرے کہ میرا شوہر مجبوب وغیرہ ہے، اور مرد اس کا انکار کرے، اور بغیر معائنہ کے اس کا فیصلہ نہ ہو سکے، تو معائنہ بھی جائز ہے، پس قاضی کسی معتبر شخص کو کہہ دے کہ معائنہ کر کے بتلاؤ کہ عورت سچ کہتی ہے یا مرد سچا ہے۔

## ہدایات

یہ مختصر بیان بہ قدر ضرورت لکھا گیا ہے، اس کے سوا اور بھی بہت سی جزئیات ہیں جو کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں، بوقت ضرورت اہل فتوی علماء سے دریافت کرلیا جائے۔

# مجنون کی بیوی کا حکم

## سوالات

(۱) کیا مجنون کی بیوی کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ تفریق کا مطالبہ کرے اور مجنون کی زوجیت سے نکل جائے؟

(۲) اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے اور کیا شرائط ہیں؟

(۳) تفریق کے بعد مہر اور عدت کا کیا حکم ہے؟

## جوابات

## مجنون کی بیوی کے لئے خیار فسخ

(۱) جنون کی دو صورتیں ہیں.

ایک یہ کہ عقد نکاح کے وقت جنون موجود ہو، اور بے خبری میں نکاح ہو جائے.

دوسری یہ کہ عقد کے وقت جنون نہ تھا، مگر نکاح کے بعد لاحق ہو گیا، خواہ ہم بستری سے پہلے ہو گیا ہو یا بعد میں۔

ان دونوں صورتوں میں تفریق کا اختیار عورت کو ان شرائط کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے جو جواب نمبر۲ میں ابھی آتی ہیں، مگر پہلی صورت یعنی عقد کے وقت موجود جنون میں امام محمدؒ کے نزدیک بھی اختیار ہے، اور مالکیہ کے نزدیک بھی، اور دوسری صورت یعنی عقد نکاح کے بعد پیدا ہونے والے جنون میں صرف مالکیہ کے نزدیک اختیار ہوگا، اس لئے دوسری صورت میں ضرورت شدیدہ کے بغیر نکاح فسخ نہ کیا جائے۔

## دعویٰ اور تفریق کی صورت

(۲) تفریق کی صورت یہ ہے کہ مجنون کی عورت قاضی کی عدالت میں درخواست دے، اور شوہر کا خطرناک (۱) جنون ثابت کرے، قاضی واقعہ کی تحقیق کرے اگر صحیح ثابت ہو تو مجنون (۲) کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دیدے، اور اختتام سال کے بعد اگر بیوی پھر درخواست کرے اور شوہر کا جنون ابھی موجود ہو، تو عورت کو اختیار دیدیا جائے، اس پر اگر عورت اسی مجلس میں فرقت طلب کرے جس میں اس کو اختیار دیا گیا ہے تو قاضی تفریق کردے۔

اور یہ تفریق اگر اس جنون کی وجہ سے کی گئی ہے، جو عقد نکاح کے وقت موجود تھا تب تو طلاق نہیں، بلکہ فسخ ہے، اور اگر عقد نکاح کے بعد پیدا ہونے والے جنون کی وجہ سے کی گئی ہے تو اس میں طلاق ہونے کا احتمال ہے، علمائے مالکیہ سے تحقیق کی جائے اور جب تک تحقیق نہ ہو اس وقت تک طلاق قرار دینا چاہئے کہ اس میں احتیاط ہے۔

## تفریق کی شرطیں

اور مجنون کی بیوی کو خیار فسخ حاصل ہونے کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں، اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں تو تفریق کا حق نہیں، اس لئے ان کو غور سے سمجھ لینا لازم ہے۔

(الف) ایک شرط یہ ہے کہ عورت کی طرف سے رضامندی نہ پائی جائے، پس اگر نکاح سے پہلے جنون کا پتہ تھا، اور اس کے باوجود نکاح کیا گیا، تو خیار فسخ حاصل نہیں ہوتا، اور اگر نکاح کے بعد جنون ہوا ہو تو یہ شرط ہے کہ جنون کی خبر ہونے کے بعد اس کے نکاح میں رہنے پر

---

(۱) کیونکہ معمولی جنوں میں خیار فسخ نہیں ہے، بلکہ ایسا جنون شرط ہے جس کی وجہ سے اندیشہ ہو اور ناقابل برداشت ایذا پہونچتی ہو ۱۲ منہ

(۲) مگر خود مجنون کو حکم سنانا کافی نہیں بلکہ اگر اس کا ولی ہو تو ولی جواب دہی کرے گا، اور ولی ہی کو حکم مہلت کا اور مدت گزرنے کے بعد تفریق کا سنایا جائے گا، اور اگر ولی نہ ہو تو قاضی کسی کو مجنون کی طرف سے جواب دہی کے لئے اس کا مختار بنادے ۱۲ منہ

رضامندی ظاہر نہ کی ہو، اگر ایک مرتبہ بھی رضامندی ظاہر کر چکی، تو خیار فسخ باطل ہوگیا۔

(ب) دوسری شرط یہ کہ جنون کا پتہ لگنے کے بعد اپنے اختیار سے عورت نے جماع یا دواعی جماع کا موقع نہ دیا ہو، البتہ اگر مجنون نے جبر و اکراہ سے ہمبستری وغیرہ کرلی، تو اس سے خیار ساقط نہیں ہوتا۔

## دونوں شرطوں سے متعلق فائدہ

اگر رضامندی کا اظہار یا جماع وغیرہ کا موقع دینا ایسے جنون کے بعد پایا جائے جو خیار کو ثابت کرنے والا ہے تب تو خیار نہ رہے گا، لیکن اگر معمولی جنون کی حالت مین نکاح کرلیا، یا معمولی جنون میں منظور کرلیا تھا، یا ہم بستری وغیرہ کا موقع دیا تھا، اور بعد میں جنون بڑھ گیا تو اس رضامندی اور موقع دینے سے خیار فسخ ساقط نہ ہوگا، مگر اس گنجائش سے نفع حاصل کرنے میں کامل دیانت اور سخت احتیاط سے کام لینا لازم ہے۔

(ج) عنین کی بیوی کی طرح مجنون کی بیوی بھی اپنے شوہر سے علیحدہ ہونے میں خود مختار نہیں، بلکہ قاضی کا فیصلہ شرط ہے، اور جس علاقہ میں قاضی موجود نہ ہو، وہاں مسلمان حاکم سے استغاثہ کیا جائے، بشرطیکہ اس کو حکومت کی طرف سے ایسے معاملات کے تصفیہ کا حق دیا گیا ہو، اور شرعی طریقے پر فیصلہ کرتا ہو، ورنہ جماعت مسلمین سے درخواست کی جائے جس کی شرطیں مقدمہ میں گذر چکی ہیں ان کو ضرور دیکھ لیں۔

(د) جب مہلت کا سال گذر جانے کے بعد دوبارہ درخواست پر قاضی عورت کو اختیار دے، تو عورت کو فرقت کا اختیار اسی مجلس تک رہتا ہے، اگر مجلس برخاست ہوگئی یا عورت ازخود یا کسی کے اٹھانے سے اٹھ گئی یا اور کسی طرح مجلس (۱) بدل گئی تو خیار فسخ باطل ہوگیا۔

(۳) مہر اور عدت کا یہ حکم ہے کہ اگر خلوت صحیحہ سے قبل نکاح فسخ ہوگیا ہے، تب تو مہر بالکل ساقط ہوجائے گا، اور عدت کی بھی ضرورت نہیں، اور اگر عیب جنون معلوم ہونے سے پہلے خلوت صحیحہ ہوچکی تھی، بعد ازاں جنون کا پتہ لگنے پر فسخ نکاح کی نوبت آئی ہے، تو پورا مہر لازم رہے گا اور عدت بھی واجب ہوگی۔

---

(۱) تبدیل مجلس کا بیان عنین کے بیان میں گذر چکا ہے اس کو دیکھ لیا جائے ۱۲ منہ

# فائدہ

## شرائط نہ ہونے پر مجنون کی بیوی کے لئے ایک گنجائش

مجنون کی بیوی کے فسخ نکاح کے لئے جو شرائط اوپر مذکور ہوئے ہیں، اگر کسی جگہ وہ شرائط موجود نہ ہوں، تو جنون کی وجہ سے تفریق نہیں ہوسکتی، لیکن اگر یہ مجنون آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ رکھتا ہو، اور نہ کسب معاش پر قدرت ہو، اور بیوی کے لئے نفقہ کی کوئی دوسری سبیل بھی نہیں، تو ایسی صورت میں مفتی کے لئے عورت کے اضطرار کی پوری تحقیق ہو جانے اور چند علماء سے مشورہ کے بعد اس فتوی کی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کی بناء پر عدم نفقہ کی وجہ سے قاضی یا اس کا قائم مقام ان دونوں میں تفریق کردے، اور یہ تفریق طلاق رجعی کے حکم میں ہوگی۔

لیکن اس میں کامل تدبر سے کام لے کر مذہب مالکیہ کی تمام شرائط کی پابندی ضروری ہے، جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ عدم نفقہ کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ عقد نکاح سے پہلے اس کو شوہر کے فقیر و نادار ہونے کا علم نہ ہو، اور اگر ناداری کا علم ہوتے ہوئے عقد نکاح کیا گیا ہے، تو اب عدم نفقہ کی وجہ سے بھی اس کو مطالبہ تفریق کا حق نہ ہوگا، اور باقی شرائط اس مسئلہ کی بوقت ضرورت کتب مالکیہ کی مراجعت سے معلوم ہوسکتی ہے، جن کے نام اصل رسالہ کے دیباچہ میں مذکور ہیں۔

# مفقود کی بیوی کا حکم

## مفقود کے مسئلے میں ایک عام کوتاہی

عوام بلکہ بعض خواص بھی یہ سن کر یا دیکھ کر کہ مفقود کی بیوی کو امام مالکؒ چار سال کے بعد دوسری جگہ نکاح کی اجازت دیتے ہیں، مفقود کی بیوی کے معاملہ کو بہت ہی سہل سمجھ بیٹھے ہیں، مگر دراصل امام مالکؒ کے مذہب میں اس کے لئے چند شروط و قیود ہیں، جن کا لحاظ ضروری ہے، بغیر ان شرطوں کی رعایت کے کسی کے نزدیک بھی دوسری جگہ اس کا نکاح حلال نہیں ہوسکتا۔

## علماء مالکیہ سے استفتاء اور شروط و قیود کی تحقیق

لیکن اول تو یہاں فقہ مالکی کی کتابیں کم ہیں، دوسرے مالکی مذہب کے علماء نہیں، اس واسطے اس کی ضرورت ہوئی کہ علماء مالکیہ سے اس مسئلہ کو مفصل تحقیق کر کے شائع کیا جائے، تا کہ علمی اور عملی غلطیاں دور ہوں۔

اس بناء پر مدینہ منورہ کے علماء مالکیہ سے چند بار سوال کر کے اس مسئلہ کو خوب منقح کیا گیا، ان سب سوالوں کو مع جوابات ذیل میں درج کیا جاتا ہے، ضرورت کے وقت اس تفصیل کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔

# سوالات

## اوّل

جو شخص مفقود الخبر (لا پتہ) ہو، اور باوجود تحقیق و تفتیش کے اس کا حال معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا، کیا اس کی بیوی کو حق ہے کہ وہ کسی طرح اپنے کو اس کی زوجیت سے نکال کر دوسرا نکاح کر سکے، اگر یہ حق ہے تو کیا اس کو کچھ مدت انتظار کرنے کی ضرورت ہے، یا بلا مہلت اس کو اختیار دیدیا جائے گا؟

## دوم

اگر مہلت دی جائے گی تو اس کی ابتداء کب سے شمار ہو گی، مرافعہ اور مخاصمہ کے وقت سے، یا گم ہونے کے وقت سے، یا حکم حاکم کے بعد سے؟

## سوم

کیا مفقود کی بیوی فسخ (۱) نکاح میں خود مختار ہے، یا قاضی کا فیصلہ شرط ہے، اور فسخ کی صورت کیا ہو گی؟

## چہارم

اگر قاضی کا فیصلہ شرط ہے تو کیا قاضی پر بھی یہ بات لازم ہے کہ پہلے مفقود کی خود تفتیش و تلاش کرے، جب اس کو مایوسی ہو جائے اس وقت مفقود کی بیوی کو کوئی مہلت وغیرہ دے، یا عورت اور اس کے اولیا کا تلاش کر لینا کافی ہے؟

---

(۱) فسخ نکاح سے اس جگہ فسخ اصطلاحی مراد نہیں بلکہ محاورات ارود کے موافق فسخ کا لفظ اختیار کیا گیا، اور عوام کی تفہیم کے لئے اس رسالہ کے اکثر مواقع میں لفظ فسخ ہی کا اطلاق کیا گیا ہے ۱۲ منہ

## پنجم

جن ملکوں میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے ہندوستان وغیرہ، وہاں اس کی کیا صورت کی جائے؟

## ششم

مفقود کا حکم دار الحرب اور دار الاسلام میں یکساں ہے یا مختلف؟ اگر مختلف ہے تو پھر ہندوستان جیسے ممالک جن میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں وہ دار الاسلام سمجھے جائیں گے یا دار الحرب؟ (أعينونا أعانكم الله تعالى).

# جوابات

## پہلے سوال کا جواب

### مفقود کی بیوی کے دعوی اور دار الاسلام میں مفقود پر حکم بالموت کی صورت

مفقود کی بیوی کے لئے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دار الاسلام میں تو یہ صورت ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرے، اور شہادت شرعی کے ذریعہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا، (اگر نکاح کے عینی گواہ موجود نہ ہوں تو اس معاملہ میں شہادت بالتسامع بھی کافی ہے، یعنی شہرت عام کی بناء پر شہادت دی جا سکتی ہے) اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ولا پتہ ہونا ثابت کرے، اس کے بعد قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش اور تلاش کرے، اور جب پتہ ملنے سے مایوسی ہو جائے، تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے، پھر اگر ان چار سالوں کے اندر بھی مفقود کا کچھ پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جائے گا، نیز ان چار سالوں کے ختم ہونے کے بعد چار مہینہ دس دن عدت وفات گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔

اور اب چار سال گذرنے کے بعد قاضی کی عدالت میں دوبارہ درخواست دینا اور

عدتِ وفات کے لئے حکم حاصل کرنا مالکیہ کے نزدیک ضروری نہیں، بلکہ قاضی کا فیصلہ صرف پہلی بار انتظار کی مدت مقرر کرنے کے لئے ضروری ہے، مگر احتیاط اس میں ہے کہ جب وہ چار سال جو قاضی نے مقرر کئے تھے ختم ہوچکیں، تو دوبار درخواست دے کر قاضی سے حکم بالموت بھی حاصل کرلیا جائے، تاکہ مذہب حنفیہ کی حتی الوسع رعایت ہوجائے، لیکن جس جگہ قاضی وغیرہ کی طرف دوبارہ مرافعہ زیادہ دشوار ہو، وہاں دوسرے مرافعہ کے بغیر ہی عمل کرلینے میں بھی مضائقہ نہیں۔

یہ حکم مذکور تو دارالاسلام میں تھا، اور دارالحرب میں مفقود کی بیوی کا جمہور مالکیہ کے نزدیک تو وہی حکم ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے، یعنی جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں، اس وقت تک اس کی بیوی کے لئے اس کے نکاح سے جدا ہونے اور دوسرا نکاح کرنے کی صورت نہیں، مگر اشہبؒ نے (جو امام مالکؒ کے ممتاز شاگردوں میں ہیں اور فقہائے مالکیہ میں بلند پایہ رکھتے ہیں) دارالحرب میں بھی مفقود کی بیوی کا وہی حکم رکھا ہے جو دارالاسلام میں گذر چکا۔

## دوسرے سوال کا جواب

## چار سال کی میعاد حاکم کی تفتیش اور نا امیدی کے بعد ہوگی

حاکم جو چار سال کی مدت انتظار کے لئے مقرر کرے گا، اس کی ابتداء اس وقت سے کی جائے گی جس وقت حاکم خود بھی تفتیش کرکے پتہ چلنے سے مایوس ہوجائے، اور قاضی کی عدالت میں پہنچنے اور اس کی تفتیش سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گزر چکی ہو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

## تیسرے سوال کا جواب

## موت کا حکم لگانے کے لئے قاضی کے فیصلہ کی شرط

مفقود کی بیوی کسی صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے میں خود مختار نہیں، بلکہ ہر حال میں قضائے قاضی شرط ہے، اور مرافعہ اور فسخ کی شکل سوال اول کے جواب میں گذر چکی ہے۔

# چوتھے سوال کا جواب

## مفقود کی تفتیش کا طریقہ اور اس کے مصارف

ہاں قاضی پر بھی ضروری ہے کہ صرف عورت اور اس کے اولیاء کی تفتیش اور ان کے بیان پر اکتفاء نہ کرے، بلکہ خود بھی تلاش کرائے، اور تلاش کرنے کی صورت یہ ہے کہ قاضی اور حاکم کو جہاں جہاں مفقود کے جانے کا غالب گمان ہو، وہاں وہاں آدمی بھیجا جائے، اور جس جگہ جانے کا گمان غالب نہ ہو، صرف احتمال ہو، وہاں اگر خط کو کافی سمجھے تو وہاں خطوط بھیج کر تحقیق کرے، اور اگر اخبار میں شائع کردینے سے خبر ملنے کی امید ہو تو یہ بھی کرلے، الغرض تفتیش میں پوری کوشش اور جہد بلیغ کرے، **کما لا یخفی** .

اور جب تلاش کے بعد پتہ ملنے سے مایوسی ہوجائے، اس وقت مذکورہ بالا طریقہ پر چار سال کے مزید انتظار کا حکم کرے۔

اور تفتیش کے مصارف کی بابت فقہائے مالکیہ میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ عورت کے ذمہ ہے، اور بعض نے کہا کہ بیت المال کے ذمہ، اور بعض کے نزدیک یہ تفصیل (۱) ہے کہ اگر بیوی کے پاس مال ہے تو تفتیش کے مصارف اس کے ذمہ ہوں گے، ورنہ بیت المال کے ذمہ (اور جس جگہ بیت المال نہ ہو جیسے ہندوستان وغیرہ، اگر وہاں حکومت مصارف برداشت کرے تو بہتر ہے ورنہ مسلمانوں سے چندہ کرلیا جائے)۔

# پانچویں سوال کا جواب

## شرعی قاضی نہ ہو تو اس کا قائم مقام کون ہوسکتا ہے؟

جن ملکوں میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے اسلامی ریاستوں کے علاوہ ہندوستان کے تمام شہروں کا حال ہے، تو وہاں وہ حکام جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات کا تصفیہ

---

(۱) اور یہ تفصیل تمام اقوال میں سب سے معتدل ہے ۱۲ منہ

کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں، اور فیصلہ شریعت کے موافق کریں، تو ان کا فیصلہ بھی قاضی کے فیصلہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس جزءدوم کے مقدمہ میں مفصل گذر چکا ہے، اور مسلمان حاکم موجود نہ ہو، یا اس کی عدالت سے فیصلہ شریعت کے مطابق نہ ہوتا ہو، تو پھر مذہب مالکیہ کے موافق دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت کر کے حسب بیان مذکور تحقیق کرے، اور تحقیق کامل کے بعد شرعی فیصلہ صادر کر دے، تو یہ فیصلہ بھی قاضی کے فیصلہ کے حکم میں ہو جائے گا، لیکن پنچایت کا ان شرائط کے موافق ہونا ضروری ہے جو مقدمہ میں گذر چکی ہیں، وہاں دیکھ لیا جائے۔

## اس جواب کا تتمہ

اگر مفقود کی بیوی ایسی جگہ چلی جائے جہاں قاضی شرعی یا مسلمان حاکم موجود ہو، اور اس کے پاس مقدمہ دائر کرے، تو اس کا فیصلہ بھی مفقود کی بیوی کے لئے کافی ہے، (۱) لیکن مجنون کی بیوی یا عنین کی بیوی تنہا کسی قاضی کے علاقہ میں چلی جائے تو قاضی کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا، بلکہ ضروری ہے کہ مجنون وعنین بھی اس قاضی کے علاقہ میں ہوں۔

## چھٹے سوال کا جواب

## ہندوستان وغیرہ مفقود کے مسئلہ میں دارالاسلام کے حکم میں ہیں

مفقود کا حکم دارالحرب اور دارالاسلام میں مختلف ہے، جیسا کہ سوال اول کے جواب میں مفصل گذر چکا، مگر علماء مالکیہ کے فتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان ومصر وشام وغیرہ ممالک کہ جن میں باوجود حکوت کافرہ مسلط ہو جانے کے شعائر اسلام اب تک قائم ہیں ان

---

(۱) اگر کوئی شبہ کرے کہ مفقود الخبر جس جگہ کا باشندہ ہے وہاں کے قاضی کی ولایت اس وقت تو اس پر ثابت نہیں ہے، مگر پہلے اس پر ولایت تھی، اس لئے ولایت اصلیہ کی بنا پر وہاں کے قاضی کا فیصلہ نافذ ہو سکتا ہے، اور جس قاضی کی ولایت میں شروع ہی سے نہ تھا اس کا فیصلہ نافذ نہ ہونا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ فیصلہ نافذ ہونے کے لئے موجودہ ولایت شرط ہے، سابقہ ولایت معتبر نہیں، پس سب جگہ کے قاضی مفقود کے بارے میں یکساں شمار ہوں گے۔ ۱۲ منہ

سب میں مفقود کا حکم وہی ہے جو دارالاسلام میں ہے، بلکہ جس دارالحرب میں شعائر اسلام بھی موجود نہ ہوں مگر وہاں مسلمانوں کو صلح وغیرہ کی وجہ سے آنا جانا اور تفتیش کرنا ممکن ہو تو اس دار الحرب میں بھی وہی حکم ہے جو دارالاسلام میں، پس اصل بنیاد امکان تفتیش ہے، اس لئے ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں علماء کا جو اختلاف ہے اس کا اس مسئلہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اور مفقود کی بیوی کو ان ممالک میں چار سال کی مہلت کے بعد عدت وفات گذار کر نکاح ثانی کا اختیار دے دیا جائے گا۔

# مفقود کی واپسی کے احکام

## سوالات

(۱) اگر مفقود موت کے حکم کے بعد یا نکاح ثانی کے بعد صحبت سے پہلے واپس آجائے ، یا دوسرے شوہر سے صحبت وغیرہ ہو چکنے کے بعد واپس آجائے ، تو مفقود کو عورت ملے گی یا نہیں ، اور سب صورتوں کا ایک ہی حکم ہے یا مختلف؟

(۲) دوسرے شوہر سے صرف نکاح یا نکاح اور صحبت دونوں ہوجانے کے بعد مفقود کے واپس آنے پر اگر بیوی اس کو مل جاتی ہو تو اس کے متعلق چند سوالات درج ذیل ہیں:

(الف) کیا پہلے شوہر کو تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی یا ویسے ہی پہلا نکاح قائم سمجھا جائے گا؟

(ب) تجدید نکاح کی صورت میں مہر کی بھی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

(ج) اس صورت میں دوسرے شوہر کی عدت بھی واجب ہوگی یا نہیں؟ اور اگر واجب ہوگی تو کتنے ایام تک، اور یہ عدت دوسرے شوہر کے مکان پر گذاری گی یا شوہر اول کے؟

(د) دوسرے شوہر کے ذمہ جو مہر تھا اس کا ادا کرنا واجب رہے گا یا نہیں؟

(ہ) اگر دوسرے شوہر سے اولاد ہو چکی ہو یا تفریق کے بعد زمانہ عدت میں ہو جائے تو اس اولاد کا نسب کس سے ثابت ہوگا، پہلے شوہر سے یا دوسرے سے؟

# جوابات

(۱) وہ مفقود جس پر مرافعہ اور تفتیش کے بعد چار سال تک انتظار کر کے قاضی نے موت کا حکم کر دیا ہے، اگر حکم بالموت کے بعد واپس آجائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ دوسرے شوہر کے ساتھ خلوت صحیحہ ہونے سے پہلے پہلے آجائے، خواہ عدت وفات کے اندر یا اس کے بعد، اور خواہ نکاح ثانی سے پہلے یا اس کے بعد۔

اور دوسری یہ ہے کہ ایسے وقت واپس آئے جب کہ عدت وفات گذارنے کے بعد عورت دوسرے مرد سے نکاح کر چکی اور خلوت صحیحہ بھی ہو چکی ہو۔

ان میں سے پہلی صورت کا حکم بالاتفاق یہ ہے کہ بیوی شوہر اول ہی کے نکاح میں بدستور سابق رہے گی، دوسرے شوہر کے پاس نہیں رہ سکتی۔

اور دوسری صورت میں مالکیہ کا تو مشہور مذہب (۱) یہی ہے کہ بیوی دوسرے شوہر کے پاس رہے گی، شوہر اول کا اب اس سے کوئی تعلق نہیں رہا، لیکن امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا مذہب اس بارے میں یہ ہے کہ اگر مفقود حکم بالموت کے بعد بھی واپس آجائے، تو اس کی عورت ہر حال میں اسی کو ملے گی، خواہ عدت وفات کے اندر آجاوے یا عدت گذرنے کے بعد، اور خواہ نکاح ثانی اور خلوت وصحبت کے بعد آئے یا پہلے، اور حنفی کے لئے غیر حنفیہ کے مذہب پر فتوی دینا سخت ضرورت کے وقت جائز ہے، جیسے تاجیل زوجہ مفقود وغیرہ کی صورتیں، لیکن مفقود کی واپسی کی صورت میں دوسرے مذہب پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں، لہٰذا دوسری صورت میں بھی یعنی جب کہ مفقود کی واپسی سے قبل شوہر ثانی خلوت صحیحہ بھی کر چکا ہو تب بھی بیوی اپنے شوہر سابق ہی کے نکاح میں رہے گی، شوہر ثانی کے پاس رہنا جائز نہیں،

---

(۱) ایک ضروری بات قابل تنبیہ یہ ہے کہ مالکیہ کے مذہب مشہور میں بھی دوسرے شوہر سے ہمبستری کے بعد پہلے شوہر کا حق فوت ہو جانے کی ایک شرط ہے وہ یہ کہ دوسرے شوہر کو اس بات کی خبر نہ ہو کہ اس عورت کا شوہر لاپتہ ہے، اور اگر خبر ہو کہ اس کا شوہر لاپتہ ہے تو پھر شوہر ثانی کے دخول اور ہمبستری کے بعد واپس آنے پر بھی شوہر اول کا نکاح باقی رکھا جائے گا اور اسی کو مل جائے گی ۱۲ منہ

کیونکہ شوہراول کی واپسی سے نکاح ثانی باطل قرار دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) اس سوال کے پانچ اجزاء ہیں، سب کے جوابات نمبروار درج ہیں۔

(الف) پہلا نکاح قائم رہے گا، تجدید نکاح کی ضرورت نہیں، اگر چہ دوسرے شوہر سے صحبت بھی ہو چکی ہو،

(ب) ظاہر ہے کہ جب تجدید نکاح نہیں تو پھر تجدید مہر کہاں۔

(ج) دوسرے شوہر کی عدت گذارنا واجب ہے، جب تک عدت ختم نہ ہو اس وقت تک شوہر اول کو اس کے پاس جانا ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ پوری احتیاط لازم ہے، اور عدت میں جو تفصیل دوسرے مواقع میں ہے وہ یہاں بھی ہوگی، یعنی اگر حاملہ ہے تو وضع حمل ورنہ تین حیض، باقی رہا زمانہ عدت کہاں گذارے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر اول کے یہاں گذارے گی۔

(د) اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہے، تو پورا مہر جو بوقت نکاح مقرر کیا گیا تھا ادا کرنا واجب ہوگا، اور اگر خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں مہر کا حکم صراحۃً نظر سے نہیں گذرا، مگر قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں مہر بالکل نہ ملے گا۔

(ھ) اس اولاد کا نسب دوسرے شوہر سے ثابت ہوگا۔

# فائدہ

## اندیشۂ ابتلاء کے وقت مفقود کی بیوی کے لئے ایک مزید وسعت

مفقود کی بیوی کے لئے چار سال کے مزید انتظار کا حکم اس صورت میں تو بالاتفاق ضروری ہے جب کہ عورت اتنی مدت تک صبر وتحمل اور عفت کے ساتھ گذار سکے، لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یعنی عورت اندیشۂ ابتلاء ظاہر کرے، اور اس نے ایک عرصۂ (۱) دراز تک مفقود

(۱) اور عرصۂ دراز کی تعیین حاکم کی رائے پر ہے، یعنی قاضی یا جماعت مسلمین مدعیہ کے خاص حالات میں غور کر کے قرار دیں کہ مقدمہ پیش ہونے سے پہلے اس نے کافی انتظار کیا ہے یا نہیں، اگر معمولی انتظار کے بعد مقدمہ دائر کر دیا ہے، تب تو احکام گذشتہ کے موافق چار سال مزید انتظار کا حکم دیا جائے، اور اگر کافی انتظار کر کے مقدمہ پیش کیا ہے تو اس گنجائش کے موافق فیصلہ کی اجازت ہے ۱۲ منہ

کا انتظار کرنے کے بعد مجبور ہوکر اس حالت میں درخواست دی ہو، جب کہ صبر سے عاجز ہوگئی ہو، تو اس صورت میں اس کی بھی گنجائش ہے، کہ مذہب مالکیہ کے موافق چار سال کی میعاد میں تخفیف کردی جائے، کیونکہ جب عورت کے ابتلاء کا شدید اندیشہ ہوتو ان کے نزدیک کم از کم ایک سال (۱) صبر کے بعد تفریق جائز ہے۔

مگر علمائے سہارنپور دونوں صورتوں میں چار ہی سال کی مدت کے مزید انتظار کو شرط فرماتے ہیں، اور ایسا کرنا ظاہر ہے کہ زیادہ احتیاط کی بات ہے، لیکن جہاں قوی قرائن سے زنا میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہوتو ایک سال کے قول پر بھی حاکم کو حکم کردینے کی گنجائش ہے، مگر معاملہ اللہ تعالی کے ساتھ ہے، بہانہ تلاش نہ کیا جائے۔ (اشرف علی)

## اس فائدہ کا تتمہ

اگر تفریق اس قاعدہ کے موافق کی جائے تو اس بات کا خیال ضروری ہے کہ یہ تفریق طلاق رجعی ہوگی، اور اس صورت میں مفقود کی بیوی کو بجائے عدت وفات کے عدت طلاق تین حیض گذارنے ہوں گے، اور اگر مفقود اس صورت میں تفریق کے بعد واپس آ گیا، تو اس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر عدت کے اندر اندر آ کر رجعت کرلے تو رجعت صحیح ہوجائے گی، اور بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہے گی، اور اگر عدت کے بعد آیا یا پہلے ہی آ گیا مگر عدت کے اندر رجعت قولی یا فعلی نہ کی، تو اب اس کی بیوی پر طلاق بائنہ ہوکر وہ خود مختار ہوگئی، خواہ دوبارہ اسی سے نکاح کرلے یا کسی دوسرے سے۔ واللہ اعلم۔

(۱) لیکن یہ بات کہ یہ سال غائب ہونے کے وقت سے شروع سمجھا جائے گا یا قاضی کے پاس مرافعہ کے وقت سے؟ اس کی تصریح فتاوی مالکیہ میں نہیں ہے، اور جس قدر کتب مالکیہ یہاں موجود ہیں ان میں دستیاب نہیں ہوئی، اور ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ مرافعہ کے بعد سے انتظار کے سال کا شمار ہو ۱۲ منہ

# متعنت فی النفقة کی بیوی کا حکم

## متعنت کی تعریف

متعنت: اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو باوجود قدرت کے بیوی کے حقوق نان و نفقہ وغیرہ ادا نہ کرے، اس کا حکم بھی ضرورت شدیدہ کے وقت ستم رسیدہ مستورات کی رہائی کے لئے مالکیہ کے مذہب سے لیا گیا ہے، جو ذیل کے سوال وجواب میں مذکور ہے۔

## سوالات

(۱) جو شخص باوجود قدرت کے اپنی بیوی کے حقوق نان ونفقہ ادا نہ کرتا ہو، کیا اس کی بیوی کو حق ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو اس کی زوجیت سے نکال سکے، اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟

(۲) اگر قاضی ان میں تفریق کرسکتا ہو تو جب قاضی اس متعنت کی بیوی پر طلاق واقع کرچکے، جو نان ونفقہ نہ دیتا ہو اس وقت یا اس کے بعد پھر کسی وقت متعنت اپنی حرکت سے باز آجائے اور نفقہ وغیرہ حقوق ادا کرنے کا وعدہ کرے تو کیا وہ عورت پھر اس کو مل جائے گی؟ اور اگر اس کو مل سکتی ہے تو عدت سے پہلے اور عدت کے بعد میں، نکاح ثانی سے پہلے اور نکاح ثانی کے بعد میں کچھ فرق ہوگا یا نہیں؟۔

# جــــوابات

## دعویٰ اور تفریق کی صورت

(۱) متعنت کی بیوی پر اول تو لازم ہے کہ کسی طرح شوہر سے خلع وغیرہ کرلے، لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ ان کے نزدیک متعنت کی بیوی کو تفریق کا حق مل سکتا ہے۔

اور سخت مجبوری کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہو سکے، یعنی نہ کوئی شخص عورت کے خرچ کا بندوبست کرتا ہو، اور نہ خود عورت حفظِ آبرو کے ساتھ کسب معاش پر قدرت رکھتی ہو، اور دوسری صورت مجبوری کی یہ ہے کہ اگرچہ سہولت یا دقت سے خرچ کا انتظام ہو سکتا ہے، لیکن شوہر سے علیحدہ رہنے میں گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔

اور تفریق کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اوران کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت (۱) مسلمین کے سامنے پیش کرے، اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے، اور اگر عورت کا دعوی صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا، تو اس کے شوہر سے کہا جائے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کر دیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے، تو قاضی یا جو شرعاً اس کے قائم مقام ہو اس کی بیوی پر طلاق واقع کر دے، اس میں کسی مدت کے انتظار و مہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں۔

## متعنت اپنے ظلم سے باز آجائے تو کیا حکم ہے؟

(۲) متعنت اگر اپنی حرکت سے اس وقت باز آئے جبکہ حاکم اس کی بیوی پر طلاق واقع کر چکے، اور عدت بھی گذر چکے، تو اب اس کا کوئی اختیار بیوی پر نہیں رہتا، کیونکہ عدت گذرنے کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا، (گو طلاق رجعی ہی ہو، البتہ طرفین کی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے)

اور اگر عدت گذرنے سے پہلے پہلے اپنی حرکت سے باز آجائے، اور نفقہ دینے پر آمادہ ہو جائے، تو اس بارے میں مالکیہ کے مذہب میں صریح روایت نہیں اس لئے ارباب فتوی کے نزدیک دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ اس تفریق کو طلاق رجعی قرار دیا جائے، اور عدت کے اندر اندر

---

(۱) جماعت مسلمین نیز حاکم کا مفصل بیان اس جزء دوم کے مقدمہ میں گذر چکا ہے اس کا ملاحظہ ضروری ہے ۱۲ منہ

رجعت کو صحیح کہا جائے، دوسرا یہ کہ طلاق بائنہ قرار دیا جائے، اور رجعت کا حق شوہر کو نہ دیا جائے، لیکن علامہ صالح نے احتمال اول کو اقرب لکھا ہے، اور ہم کو بھی علامہ صالح کی رائے ان کے فتوی میں غور کرنیکے بعد درست معلوم ہوتی ہے، اس واسطے ہمارے نزدیک فتوی یہی ہے کہ عدت کے اندر اندر تعنت سے باز آجانے کی صورت میں عورت کو اس کے پاس رہنا پڑے گا، خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو، کیونکہ رجعت (۱) میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں، مگر احتیاطاً تجدید نکاح ہو جائے تو بہتر ہے۔

---

(۱) جب رجعت صحیح ہوگئی تو عورت کے لئے دوسری جگہ نکاح کرنا حرام ہے، اور اسی مرد کے پاس رہنا ضروری ہے اس لئے عورت کے لئے بھی لازم ہے کہ تجدید نکاح کرلے، لیکن اگر عورت اپنی بیوقوفی سے تجدید نکاح نہ کرے تو مرد کے لئے جائز ہے کہ تجدید کے بغیر رکھ لے ۱۲ منہ

# غائب غیر مفقود کی بیوی کا حکم

یہ حکم بھی فقہ مالکی سے لیا گیا ہے تا کہ ضرورت شدیدہ کے وقت مظلومہ کو نجات حاصل ہو سکے.

## سوالات:

(۱) جو شخص غائب ہو جائے، اور پتہ اس کا معلوم ہے، لیکن نہ وہ خود آتا ہے، نہ بیوی کو اپنے پاس بلاتا ہے، نہ اس کے خرچ وغیرہ کا انتظام کرتا ہے، اور نہ طلاق دیتا ہے، اس وجہ سے عورت تنگ اور پریشان ہے، تو کیا اس کی عورت کے لئے کوئی سبیل ہے کہ اس غائب کی زوجیت سے اپنے آپ کو الگ کر لے، اور جائز طور پر دوسری جگہ نکاح کر سکے؟

(۲) تفریق جائز ہونے کی صورت میں اگر تفریق کے بعد نکاح ثانی سے پہلے یا نکاح ثانی کے بعد وہ شخص واپس آجائے اور نان ونفقہ کا انتظام کرنے پر آمادہ ہو، تو کیا بیوی اس کو مل جائے گی، اور اگر واپس مل جاتی ہے تو کن شرائط اور کس تفصیل کے ساتھ ملتی ہے؟

## جـــوابات

## تفریق کی صورت اور اس کی شرطیں

(۱) اس عورت کی رہائی کے واسطے جو صورت باتفاق ائمہ صحیح ہے وہ تو یہ ہے کہ اس کے شوہر کو خلع پر راضی کیا جائے، اور اگر وہ سنگدل خلع پر بھی راضی نہ ہو، تو پھر اگر یہ عورت صبر کر کے اپنا زمانہ عفت میں گذار سکے، تو بہتر ہے، ورنہ جب گذارہ اور نان ونفقہ کی کوئی صورت ممکن نہ ہو، تو سخت مجبوری میں یہ بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق درج ذیل صورت اختیار کر کے رہائی حاصل کر لے۔

وہ صورت یہ ہے کہ اولاً قاضی (۱) کے پاس مقدمہ پیش کر کے گواہوں سے اس غائب کے ساتھ اپنا نکاح ہونا ثابت کرے پھر یہ ثابت کرے، کہ وہ مجھ کو نفقہ دے کر نہیں گیا، اور نہ وہاں سے اس نے میرے لئے نفقہ بھیجا، نہ یہاں کوئی انتظام کیا، اور نہ میں نے نفقہ معاف کیا، غرض نفقہ کا وجوب بھی اس کے ذمہ ثابت کرے، اور یہ بھی کہ وہ اس واجب میں کوتاہی کر رہا ہے اور ان باتوں پر حلف بھی کرے۔

## غائب کے پاس حکم بھیجنے کی ضرورت اور اس کا طریقہ

اس کے بعد اگر کوئی عزیز قریب یا اجنبی اس کے نفقہ کی کفالت (۲) کر لے تو خیر، ورنہ قاضی اس شخص کے پاس حکم (۳) بھیجے کہ یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو، یا اس کو بلا لو، یا وہیں سے کوئی انتظام کرو، ورنہ اس کو طلاق دیدو، اور اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہ کی، تو پھر ہم خود تم دونوں میں تفریق کر دیں گے، اس پر بھی اگر شوہر کوئی صورت قبول نہ کرے تو قاضی ایک مہینہ کے مزید انتظار کا حکم دے، اس مدت میں بھی اگر اس کی شکایت رفع نہ ہوئی تو اس عورت کو اس غائب کی زوجیت سے الگ کر دے۔

اور یہ ظاہر ہی ہے کہ تفریق کے لئے عورت کی طرف سے مطالبہ شرط ہے، پس اگر اس غائب کا جواب آنے کے بعد عورت مطالبہ ترک کر دے تو پھر تفریق نہ کی جائے گی۔

## تنبیہ ضروری

قاضی جو اس غائب کے پاس حکم بھیجے تو بذریعہ ڈاک وغیرہ بھیجنا کافی نہیں، بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ حکم نامہ دو ثقہ آدمیوں کو سنا کر ان کے حوالہ کر دے، کہ اس کو غائب کے پاس لے جاؤ، یہ دونوں شخص غائب کو حکم نامہ پہونچا کر اس سے جواب طلب کریں، اور جو کچھ جواب تحریری یا زبانی نفی یا اثبات میں دے، اس کو خوب محفوظ رکھیں (بلکہ زبانی جواب کو بھی احتیاطاً لکھ لیں) تا کہ

---

(۱) اور جہاں قاضی نہ ہو وہاں کا حکم مقدمہ میں مفصل گذر چکا ہے اس کو ضرور دیکھ لیا جائے ۱۲ منہ

(۲) اگر کسی نے اس وقت نفقہ کی کفالت کر لی لیکن پھر چھوڑ دیا تو عورت کو مکرر مرافعہ کا حق ہو گا

(۳) یعنی دو ثقہ آدمیوں کے ذریعہ جس کا ذکر تنبیہ میں آتا ہے ۱۲ منہ

واپس ہو کر اس پر شہادت دے سکیں، اور اگر کچھ جواب نہ دے تو اسی کی شہادت دیدیں۔
الغرض قاضی جو حکم کرے ان دونوں کی شہادت پر کرے محض خط کو کافی نہ سمجھے۔

## فائدہ

## غائب شخص اگر دور دراز کے ممالک میں ہو تو حکم بھیجنا شرط نہیں

اگر غائب شخص کسی دور دراز ملک میں ایسی جگہ پر ہو، جہاں پوری جد وجہد اور امکانی کوشش کرنے کے باوجود بھی آدمی بھیجنے کا کوئی انتظام ممکن نہ ہو، تو مذکورہ بالا مجبوری کے وقت اس کی گنجائش ہے کہ بغیر آدمی بھیجے ہوئے حاکم یا قائم مقام حاکم واقعہ کی مذکورہ قاعدہ کے مطابق تحقیق کے بعد تفریق کا حکم کردے۔

## غائب اگر واپس آجائے تو کیا حکم ہے؟

(۲) اگر یہ غائب طلاق کے فیصلہ کے بعد واپس آجائے تو اس کی دوصورتیں ہیں۔
ایک یہ کہ عدت کے اندر اندر واپس آجائے، اور باقاعدہ خرچ وغیرہ دینے پر آمادہ ہو اس صورت میں تو اس کو رجعت کا حق ہے، اگر رجعت کرلے گا تو صحیح ہوجائے گی، اور اگر رجعت نہ کرے تو عدت کے بعد نکاح ٹوٹ جائے گا۔
دوسری صورت یہ ہے کہ عدت ختم ہوجانے کے بعد واپس آیا ہو، اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس نے عورت کے دعوی کے خلاف کوئی بات ثابت کردی، مثلاً یہ کہ میں نے اس کو پیشگی خرچ دیدیا تھا، یا یہ کہ وہاں سے بھیجتا رہتا تھا، یا یہ کہ عورت نے نفقہ معاف کردیا تھا، تب تو اس کو ہر حال میں عورت مل جائے گی، یعنی خواہ وہ عورت عدت کے بعد نکاح ثانی بھی کرچکی ہو، حتی کہ اگر شوہر ثانی سے اولاد بھی ہوچکی ہو تب بھی شوہر اول ہی کا نکاح باقی سمجھا جائے گا، اور شوہر

ثانی کا نکاح اب باطل قرار دیا جائے گا۔

اور اگر شوہر نے عورت کے دعوی کے خلاف کوئی بات ثابت نہ کی تو عورت اس کو نہ ملے گی، کیونکہ عدت ختم ہونے کے بعد رجعت کا حق نہیں رہتا۔

اور دوسری صورت کی پہلی شق میں جب شوہر اول کو عورت ملے گی تو اس کو نہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے نہ تجدید مہر کی، البتہ دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو عدت واجب ہے، یعنی عدت گذرنے سے پہلے شوہر کے لئے جماع اور اس کے دوائی کا ارتکاب جائز نہیں۔

اور شوہر ثانی کے ذمہ مہر واجب ہونے میں وہی تفصیل ہے جو مفقود کے بیان میں گذر چکی، یعنی اگر اس سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہے، تو پورا مہر واجب ہے ورنہ بالکل ساقط ہو جائے گا نیز احکامِ مفقود میں یہ بھی گذر چکا ہے کہ عدت شوہر اول کے مکان میں گذارے گی۔ واللہ اعلم۔

حیلہ ناجزۃ کا خلاصہ ختم ہوا۔ اب المختارات کا خلاصہ شروع ہوتا ہے۔

# خلاصہ
# المختارات
# فی مهمات التفریق والخیارات

بعد حمد وصلوۃ گذارش ہے کہ مذکورہ پانچ مسائل کے علاوہ تین صورتیں اور بھی ہیں، جن میں بکثرت فسخ نکاح کی ضرورت پیش آتی ہے، اور قاضی نہ ہونے کی وجہ سے دقت کا سامنا ہوتا ہے، اس لئے ان صورتوں میں بھی گنجائش ہے کہ جس جگہ قاضی نہ ہو، اور نہ کوئی مسلمان حاکم حکومت کی طرف سے اختیار رکھتا ہو یا باوجود اختیار کے مطابق شرع فیصلہ نہ کرتا ہو، وہاں کم از کم تین عادل اور ثقہ لوگوں کی پنچایت میں معاملہ پیش کر کے نکاح فسخ کرالیا جائے، پنچایت کی شرطیں اور اس کے متعلق ضروری مسائل جو حیلہ ناجزہ کے جزء دوم کے مقدمہ میں گذر چکے ہیں ان کو دیکھ لینا ضروری ہے۔

وہ تین صورتیں یہ ہیں، حرمت مصاہرت، خیار بلوغ، خیار کفاءت۔

اب ان کی بقدر ضرورت تفصیل لکھی جاتی ہے، پورے احکام بوقت ضرورت علماء کتب فقہ میں دیکھ لیں، اور عوام علمائے کرام سے دریافت کرلیں۔

# حرمت مصاہرت

## حرمت ثابت ہونے کے اسباب وشرائط

اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کر بیٹھے،(۱) یا شہوت کے ساتھ اس کو صرف ہاتھ لگائے، یا شہوت سے بوسہ لے، یا شرم گاہ کے اندرونی حصہ کو شہوت سے دیکھ لے، تو ان سب صورتوں میں حرمت مصاہرت قائم ہو جاتی ہے، یعنی اس مرد پر اس عورت کی بیٹی اور ماں وغیرہ سب اصول وفروع نسبی ورضاعی حرام ہو جاتے ہیں، اور اس عورت پر اس مرد کا بیٹا اور باپ وغیرہ سب اصول وفروع نسبی ورضاعی حرام ہو جاتے ہیں، اسی طرح عورت کسی مرد کو شہوت سے ہاتھ لگا دے یا شہوت سے اس کا بوسہ لے لے یا عضو مخصوص پر شہوت سے نظر ڈالے تب بھی مصاہرت کا رشتہ قائم ہو کر مرد پر عورت کے تمام اصول وفروع نسبی ورضاعی اور عورت پر مرد کے تمام اصول وفروع نسبی ورضاعی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں۔

حرمت مصاہرت کے لئے ان افعال کا قصداً کرنا شرط نہیں، بلکہ اگر کسی سے بے خبری میں بھی کوئی فعل سرزد ہو جائے مثلاً بیوی سمجھ کر خوشدامن کو شہوت کی نظر سے ہاتھ لگا دیا تب بھی بیوی حرام ہو جاتی ہے، اس لئے شوہر کو بیوی کے اصول وفروع سے، اور عورت کو مرد کے اصول وفروع مذکرہ سے سخت احتیاط لازم ہے، کہ ان کو بشہوت ہاتھ لگانے وغیرہ

---

(۱) لمس وتقبیل (یعنی چھونے اور بوسہ لینے) کے وقت اگر مرد کو شہوت نہ تھی مگر عورت کو ہوگئی تب بھی یہی حکم ہے، اسی طرح اگر عورت نے ہاتھ لگایا ہے یا تقبیل کی ہے تب بھی دونوں میں سے ایک کو شہوت ہونا کافی ہے، البتہ نظر کے موجب حرمت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو دیکھے اس کو شہوت ہو صرف دوسرے کی طرف سے ہونا موجب حرمت نہیں، نیز لمس اور تقبیل میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ایسا کپڑا حائل نہ ہو جو بدن کی گرمی محسوس ہونے کو روک دے، پس اگر کسی نے باوجود ایسا کپڑا حائل ہونے کے کپڑے کے اوپر سے لمس کیا یا بوسہ لیا ہے تو وہ حرمت مصاہرت کا موجب نہیں ہے، نیز ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان افعال کی وجہ سے انزال نہ ہو گیا ہو پس اگر لمس وتقبیل ونظر سے انزال ہو جائے تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی ۱۲ منہ

میں علاوہ معصیت شدیدہ کے یہ بڑی خرابی ہے کہ میاں بیوی میں حرمت مصاہرت کا رشتہ ہو جاتا ہے، یعنی اگر شوہر سے اپنی بیوی کے اصول یا فروع مؤنثہ میں سے کسی کے ساتھ کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے، یا بیوی کے مونث اصول وفروع میں سے کسی نے مرد کے ساتھ ایسے افعال میں سے کسی فعل کا ارتکاب کیا ہو جو حرمت مصاہرت کا موجب ہے، مثلاً شہوت کے ساتھ خوشدامن کو ہاتھ لگ جائے، یا بیوی اپنے شوہر کے مذکر اصول وفروع مثلاً خسر کے ساتھ کوئی فعل موجب حرمت مصاہرت کر بیٹھے، یا خسر وغیرہ نے اس قسم کے فعل کا ارتکاب کیا ہو، تو ان سب صورتوں میں یہ بیوی اس شوہر پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے، خواہ کسی نے یہ افعال دانستہ کئے ہوں، خواہ بھول چوک سے ہو گئے ہوں، ہر حال میں ایک ہی حکم ہے، جیسا کہ ابھی گذر چکا۔

## حرمت ثابت ہونے کے بعد شوہر کا چھوڑنا یا قاضی کے ذریعہ تفریق شرط ہے

اگر کوئی واقعہ ایسا ہو جائے تو عورت کو بھی لازم ہے کہ اپنے شوہر کے پاس ہرگز نہ رہے، اور مرد کے ذمہ بھی واجب ہے کہ فوراً اس عورت کو الگ کر دے، اور زبان سے بھی کہہ دے کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا یا لفظ طلاق کہہ دے، اور اس کہنے کے بعد عدت گذرنے پر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے، لیکن اگر شوہر بددینی اختیار کرے اور عورت کو الگ نہ کرے، تو جس طرح ممکن ہو عورت کو اس کے پاس سے چلا جانا نہایت ضروری ہے، کیونکہ اس کے ساتھ میاں بیوی کا تعلق رکھنا حرام ہو چکا، مگر جب تک شوہر زبان سے نہ کہدے کہ میں نے الگ کر دیا ہے، یا قاضی تفریق نہ کر دے، اس وقت تک دوسری جگہ بھی اس عورت کا نکاح درست نہیں ہوسکتا، پس عورت اگر دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو قاضی کے پاس نالش کر کے تفریق کا حکم حاصل کرے، اور جس علاقہ میں قاضی نہ ہو وہاں اگر کوئی مسلمان

حاکم حکومت وقت کی جانب سے ایسے معلاملات میں تفریق کا اختیار رکھتا ہے، تو اس کے پاس مقدمہ پیش کرے، ورنہ مسلک مالکیہ کے مطابق جماعت (۱) مسلمین سے رجوع کیا جائے، اور جماعت مسلمین کا مفصل بیان اصل رسالہ (یعنی حیلہ ناجزہ) کے جزء دوم میں گذر چکا ہے اس سب کو غور کے ساتھ دیکھ لینا ضروری ہے۔

# فیصلہ کا طریقہ

جب عورت دعوی کرے کہ میرے اور شوہر کے اصول وفروع میں سے فلاں مرد کے درمیان یا شوہر اور میرے اصول وفروع میں سے فلاں عورت کے درمیان ایسا ایسا (۲) واقعہ پیش آیا ہے، جو حرمت مصاہرت کا موجب ہے، لہذا مجھ کو میرے شوہر سے الگ کر دیا جاوے تو قاضی یا اس کا قائم مقام اولاً شوہر سے بیان لیں، اگر اس نے عورت کے بیان کی تصدیق کر دی، تب تو تفریق کا حکم کر دیا جائے، شوہر نے اس دعوی کی تصدیق نہ کی تو عورت سے گواہ طلب کئے

---

(۱) ہم اصل رسالہ کے دیباچہ میں حاشیہ پر یہ مضمون واضح کر چکے ہیں کہ جب دو عمل جداگانہ ہوں، تو تلفیق جائز ہے، مگر ہم نے مزید احتیاط کے لئے اصل رسالہ میں ایسا نہیں لیا، جس میں تلفیق خارق اجماع لازم آجائے، اور تتمہ کے تین مسئلوں میں سے بھی دو مسئلوں میں اس کی رعایت موجود ہے، مگر صرف ایک مسئلہ یعنی حرمت مصاہرت میں جماعت مسلمین کا فیصلہ ایسا ہے جس میں بہ ظاہر تلفیق خارق اجماع لازم آتی ہے، یعنی مذہب حنفیہ میں جماعت مسلمین کا فیصلہ تو معتبر نہیں، اور مالکیہ کے مشہور ومختار مذہب کی بناء پر بعض خاص صورتوں میں شہوت کے ساتھ چھونے وغیرہ سے حرمت مصاہرت متعلق نہیں ہوتی، گو بعض صورتوں میں قول معتمد ومشہور کے موافق اور بعض میں ایک قول پر ان کے مذہب میں بھی اس کا اعتبار کیا گیا ہے، مگر ہم ان کو عمل واحد خیال نہیں کرتے، بلکہ جماعت مسلمین کو قاضی کے حکم میں سمجھنا ایک مستقل مسئلہ ہے، اور حرمت مصاہرت کو تفریق کا سبب کہنا دوسرا مستقل مسئلہ ہے، جیسے وضو جداگانہ عمل ہے اور نماز جدا، اور توضیح اس کی اصل رسالہ کے دیباچہ میں حاشیہ پر کر دی گئی ہے اس لئے تلفیق کی یہ صورت ہمارے، نزدیک جائز ہے، تاہم عمل کے وقت احتیاط یہ ہے کہ عمل کرنے والا جواز تلفیق کے بارے میں کسی اپنے معتقد فیہ عالم محقق سے رجوع کر کے ان کے فتوی پر عمل کرے۔ واللہ اعلم ۱۲ منہ

(۲) ایک بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ اگر واقعہ زنا کا پیش آیا ہو تو دعوی میں زنا کو صراحۃً ظاہر نہ کیا جائے کیونکہ زنا کے دعوی پر چار گواہ نہ پیش ہو سکے تو حد قذف کا اندیشہ ہے، بلکہ صرف مباشرت فاحشہ وغیرہ بیان کرے، یعنی یہ کہے کہ شرمگاہ کو شرمگاہ سے بغیر حائل کے ملایا گیا ہے ۱۲ منہ

جائیں، اگر گواہ پیش نہ ہوں یا ان میں شرائط شہادت موجود نہ ہوں، تو شوہر سے حلف لیا جائے، اگر وہ حلف کر لے تو مقدمہ (۱) خارج کر دیا جائے، یعنی نہ تفریق کی جائے اور نہ یہ حکم کیا جائے کہ عورت بدستور شوہر کے ساتھ رہے، اور اگر قاضی نے عورت کو اس کی زوجیت میں رہنے کا حکم دے دیا، تو اس کا حکم مسئلہ دوم میں عنقریب آتا ہے، اور اگر وہ حلف سے انکار کر دے تو تفریق کر دی جائے۔

## حلف اور تصدیق اور شہادت کے متعلق ضروری توضیح

اگر دعوی شوہر کے فعل پر ہو، مثلاً یہ کہ اس نے بیوی کے اصول وفروع میں سے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ پکڑا ہے، تب تو شوہر سے حلف اس بات پر لیا جائے کہ اس نے یہ فعل ہرگز نہیں کیا، یا شہوت سے نہیں کیا، اور اگر دوسرے کے فعل پر دعوی تھا مثلاً عورت یوں کہے کہ مجھے خسر (۲) نے شہوت سے پکڑا ہے، تو شوہر سے اس طرح حلف لیا جائے گا کہ خدا کی قسم میرا زیادہ تر (۳) خیال یہ ہے کہ عورت اس دعوی میں سچی نہیں، اور اس واقعہ کا ہونا یا شہوت کے ساتھ ہونا میرے دل کو نہیں لگتا۔ (۴)

اور گواہی میں یہ تفصیل ہے کہ دہن اور رخسار پر بوسہ دینے اور شرم گاہ یا عضو مخصوص چھونے اور پستان چھونے کے دعوے میں تو صرف ان افعال کی شہادت دینے سے حرمت

---

(۱) اور اس صورت میں اس شوہر کے ساتھ رہنا اور اپنے نفس پر قدرت دینا جائز ہے یا نہیں اس کا حکم عنقریب مسئلہ دوم میں آتا ہے ۱۲ منہ

(۲) ثبوت حرمت کے لئے پکڑنا اور ہاتھ لگانا وہی معتبر ہوگا، جس کی تفصیل گذر چکی ہے مطلقا پکڑنا یا ہاتھ لگانا معتبر نہیں، ص ۲۶۔ ۱۲ منہ

(۳) شامی وغیرہ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ غلبۂ ظن اور اکبر رائے کی نفی پر حلف لیا جائے، ہمارے محاورہ میں یہ الفاظ اس کا ترجمہ ہیں، اگر کسی جگہ کا عرف اس کے خلاف ہو تو اہل عرف سے تحقیق کر کے وہاں کے مناسب الفاظ تجویز کر لئے جائیں ۱۲ منہ

(۴) یعنی اس صورت میں قاضی تفریق نہ کریں گا، یہ دوسری بات ہے کہ عورت کے لئے شوہر کو قابو دینا جائز نہ ہو جب کہ دعوی فی نفسہ صحیح ہو، جیسا کہ مسئلہ دوم میں آتا ہے ۱۲ منہ

مصاہرت ثابت ہو جائے گی، شہوت کا انکار نہ سنا جائے گا، اور تفریق کا حکم کر دینا لازم ہوگا، اور پیشانی یا سر وغیرہ پر بوسہ دینے اور باقی بدن چھونے میں اگر یہ شہادت ہو کہ یہ افعال شہوت کے ساتھ ہوئے تھے (اور اس کا علم قرائن سے دونوں گواہوں کو ہو سکتا ہے) تو اس گواہی سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، ورنہ صرف افعال پر شہادت دینا کالعدم ہے، اس کی بناء پر تفریق کا حکم نہ کیا جائے گا، بلکہ شوہر سے حلف لیا جائے کہ یہ افعال شہوت سے نہیں تھے، اگر حلف کر لے تو خیر ورنہ تفریق کا حکم کر دیں گے۔

## ایک ضروری فائدہ

یہ تو ظاہر ہے کہ حرمت مصاہرت جن واقعات سے ثابت ہوتی ہے، ان میں میاں بیوی کے ساتھ ایک اور کی شرکت ہوتی ہے، اور واقعہ کی صحت وعدم صحت نیز شہوت کے وجود وعدم کا اس کو بھی علم ہوتا ہے، لیکن باوجود سعی بسیار کہیں یہ جزئیہ نہیں ملا کہ مقدمہ میں اس سے بیان لیا جائے گا یا نہیں اور اگر اس کا بیان ہو تو وہ کیا حیثیت رکھتا ہے، لیکن قواعد میں غور وخوض کے بعد رجحان اس طرف ہوا ہے کہ وہ مدعا علیہ نہیں، اس واسطے اس کو مدعا علیہ بنا کر بیان پر مجبور نہ کیا جائے، بلکہ اس کو ایک شاہد سمجھا جائے، اور اس کی شہادت معتبر ہونے نہ ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ شخص اپنے دوسرے افعال واقوال کے اعتبار سے عادل ہو اور اس واقعہ میں بھی کسی ایسے فعل کا اقرار نہیں ہے جو عدالت کو ساقط کرنے والا ہو (مثلاً وطی بالشبہ وغیرہ کا بیان دے) تب تو اس کی شہادت مقبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور اگر کوئی ایسا فعل بیان کرے جس سے اس کا فسق ثابت ہوتا ہو، تو اس کی شہادت معتبر ہوگی یا نہیں، اس میں بعض وجوہ سے تردد ہے، بوقت ضرورت کتب مذہب اور علماء سے تحقیق کر لی جائے۔

البتہ اگر یہ مرد ہو تو اس نے جو شہادت دی ہے، وہ خود اس کے حق میں اقرار ہے اگر آئندہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جو اس عورت کے اصول وفروع میں سے ہو، یا پہلے سے کوئی ایسی عورت اس کے نکاح میں ہو، تو اپنے اقرار کی وجہ سے ماخوذ ہوگا۔ کما لا یخفی والله أعلم بالصواب .

# مسئلہ اوّل

اگر شوہر کو غالب گمان ہو کہ ایسا واقعہ ضرور ہوا ہے جس سے حرمت مصاہرت متحقق ہوگئی، تو اس کے لئے انکار کرنا حرام ہے، اگر اس نے جھوٹا حلف کرلیا، اور اس پر قاضی نے فیصلہ کر دیا، تو اس کی تفصیل ابھی مسئلہ دوم میں آتی ہے۔

# مسئلہ دوم

اگر عورت کا دعوی صحیح تھا، مگر معتبر شہادت پیش نہ ہو سکی، اور شوہر نے حلف کرلیا، اس واسطے قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا، یعنی نہ تفریق کی نہ زوجیت میں رہنے کا حکم دیا، تو اس عورت کے لئے جائز نہیں کہ اپنے اختیار سے شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دے، بلکہ خلع وغیرہ کے ذریعہ اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرے، اور اگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہو، تو جب تک اپنا بس چلے، اس شوہر کو پاس نہ آنے دے، اور اگر قاضی نے عورت کا دعوی رد کرنے کے ساتھ یہ حکم بھی کر دیا کہ بدستور شوہر کی زوجیت میں رہے تو اس صورت میں عورت کو تمکین جائز ہے یا نہیں، اس کے متعلق نہ تو کوئی جزئیہ ملا، اور نہ قواعد سے کچھ احقر کی فہم ناقص میں آیا، لیکن حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ اس صورت میں بھی عورت کو تمکین جائز نہیں، نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مجھکو اس میں شرح صدر ہے، کچھ تردد نہیں، اور مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند نے بھی اس میں موافقت فرمائی، مگر احقر کو ہنوز شرح صدر نہیں ہوا۔

ہاں یہ ظاہر ہے کہ جب تک کسی جزئیہ سے یا قواعد سے شرح صدر کے ساتھ جوازِ تمکین ثابت نہ ہو، اس وقت تک حضرت والا کے ارشاد پر عمل واجب ہے۔

# خیار بلوغ

## باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کا لازم ہونا اور اس کی شرطیں

نا بالغ لڑکے اور لڑکی کا سب سے مقدم ولی (۱) باپ ہے، اگر باپ نا بالغ کا نکاح کر دے تو وہ نکاح لازم ہو جاتا ہے، یعنی بلوغ کے بعد بھی لڑکے لڑکی کو اس کے فسخ کرانے کا اختیار نہیں رہتا، خواہ کفو (۲) میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں، اور مہر مثل مقرر ہوا ہو یا مہر میں غبن فاحش کیا ہو (غبن فاحش لڑکی کے بارے میں تو یہ کہ اس کے مہر مثل سے اتنی کمی کر دی ہو جتنی کمی عموماً گوارا نہیں ہو سکتی، اور لڑکے کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا نکاح جس لڑکی سے ہوا ہے اس لڑکی کے مہر مثل سے اتنا زیادہ مہر مقرر کیا ہو کہ اس زیادتی کو عموماً ناگوار سمجھا جاتا ہو) مگر غیر کفو کے ساتھ اور غبن فاحش پر نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔

اول یہ کہ وہ شخص نکاح کرنے کے وقت ہوش وحواس سالم رکھتا ہو، پس اگر نشہ کی حالت میں ایسا کیا تو نکاح بالکل ہی باطل ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ معروف بسوء الاختیار نہ ہو، یعنی اس کے قبل کوئی ایسا واقعہ نہ ہوا ہو جس کی بناء پر عموماً خیال ہو جائے کہ یہ شخص معاملات میں لالچ وغیرہ کی وجہ سے مصلحت اور انجام بینی کو مد نظر نہیں رکھتا، پس اگر کوئی شخص لالچ یا ناعاقبت اندیشی کے سبب بدتدبیری میں مشہور ومعروف ہو، وہ اگر نابالغ بیٹے یا بیٹی کا نکاح غیر کفو سے کر دے، یا مہر میں غبن فاحش کرے تو وہ نکاح بھی بالکل باطل ہے، اور جو فاسق متہتک یعنی بے باک اور بے غیرت ہو وہ بھی سیٔ الاختیار کے حکم میں ہے، اس کو خوب یاد رکھیں اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں، اور ان دونوں شرطوں کا حاصل یہ ہے کہ جب اس

(۱) اگر کوئی بااولاد عورت یا مرد مجنون ہو جائے تو اس کا سب سے مقدم ولی بیٹا ہے، اور بیٹے کا کیا ہوا نکاح سب احکام میں اس نکاح کے برابر ہے جو باپ نے کیا ہے ۱۲ منہ

(۲) یہ حکم جب ہے جب نکاح کرنے کے وقت باپ کو غیر کفو ہونے کا علم ہو اور اگر اس نے شوہر یا شوہر کے ولی کے بیان کی بنا پر کفو سمجھ کر کیا تھا اور بعد میں ثابت ہوا کہ کفو نہیں تو اس کا حکم خیار کفاءت میں معلوم ہوگا

نے نکاح کیا ہے اس وقت اس کی ظاہری حالت سے کم از کم خیر خواہی کی توقع ہوسکتی ہو۔

اور جب باپ نہ ہو تو دادا ولی ہوتا ہے، اور دادا جو نکاح کردے اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو باپ کے متعلق گذر چکی (۱)، یعنی مذکورہ دو شرطیں اگر پائی جائیں تب تو نکاح لازم ہو جاتا ہے، ورنہ بالکل باطل ہے،

## باپ دادا کے علاوہ اور اولیاء کا حکم

اور دادا کے بعد بھائی چچا وغیرہ کو بہ ترتیب (۲) حق ولایت پہنچتا ہے مگر وہ باپ دادا کے برابر نہیں، بلکہ ان کا جدا حکم ہے، یعنی اگر باپ دادا کے سوا کوئی دوسرا ولی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا غیر کفو میں نکاح کردے، یا مہر غبن فاحش کے ساتھ مقرر کردے، تب تو نکاح بالکل ہی نہیں ہوتا، خواہ اس نے نہایت ہی خیر خواہی سے ایسا کیا ہو۔

## خیار بلوغ حاصل ہونے کی صورت

اور اگر کفو کے ساتھ مہر مثل پر کیا ہو تو اس وقت نکاح صحیح تو ہو جاتا ہے، لیکن لازم نہیں ہوتا، یعنی لڑکے لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار ہوتا ہے کہ اس نکاح کو باقی رکھیں یا فسخ کرالیں (۳) جس کی شرط ابھی آتی ہے، اور اختیار کو خیار کو بلوغ کہا جاتا ہے۔

## خیار بلوغ کے لئے قاضی کے فیصلہ کی ضرورت

اور خیار بلوغ میں نکاح فسخ ہونے کے لئے قاضی کا فیصلہ ہر حال میں شرط ہے، قضائے

---

(۱) اگر باپ دادا خود نکاح پڑھادیں تب بھی یہی حکم ہے اور اگر مقدار مہر معین کر کے کسی شخص سے نکاح پڑھانے کے لئے کسی کو وکیل بنادیا ہے تب بھی یہی حکم ہے لیکن اگر کسی شخص کو مہر کی مقدار اور شوہر کی تعین کئے بغیر ہی وکیل بنادیا کہ میری لڑکی کا کسی جگہ نکاح کردو تو اس وکیل کو غیر کفو سے اور غبن فاحش پر نکاح کرنے کا اختیار نہیں، اگر کردیا تو باطل ہے ۱۲ منہ

(۲) شریعت نے خاص ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے ولایت کا حق بہت لوگوں کو دیا ہے جس کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم ہوسکتی ہے، ۱۲ منہ

(۳) یعنی چاہے لڑکا بالغ ہو کر فسخ کا خواہاں ہو یا لڑکی ۱۲ منہ

قاضی کے بغیر کسی حال میں نکاح فسخ نہیں ہوسکتا، اور جہاں قاضی نہ ہو وہاں مسلمان حاکم یا پنچایت (جس کے شرائط حیلۂ ناجزہ جزء دوم کے مقدمہ میں مذکور ہیں) علی الترتیب فسخ کر سکتی ہے۔

## تنبیہ ضروری

بالغ ہونے پر فسخ نکاح کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس میں اس امر کا خیال رکھنا بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ کب تک باقی رہتا ہے، اور کس کس وجہ سے نکاح لازم ہو کر فسخ کا اختیار باطل ہو جاتا ہے؟ لہذا اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے، تاکہ عمل کے وقت اس کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔

تفصیل یہ ہے کہ جو لڑکی بالغ ہونے پر نکاح تڑوانا چاہتی ہے، اگر وہ باکرہ (۱) ہو تو اس کو اختیار فسخ حاصل ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ جس وقت آثار بلوغ (۲) ظاہر ہوں اسی وقت فوراً بلا کسی تاخیر کے زبان سے یہ کہہ دے کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں، چاہے اس وقت کوئی اس کے پاس موجود ہو یا نہ ہو، ہر حال میں فوراً زبان سے کہنا شرط ہے، البتہ اگر کھانسی یا چھینک وغیرہ کی وجہ سے فوراً بولنے کی قدرت نہ ہوئی یا کسی نے منہ جبراً بند کر دیا ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے جو تاخیر ہو جائے، اس کے باعث خیار فسخ باطل نہیں ہوتا، بشرطیکہ مجبوری رفع ہوتے ہی فوراً کہہ دیا ہو، اور بغیر کسی مجبوری کے اگر زبان سے کہنے میں ذرا بھی دیر کی تو یہ اختیار باطل ہو گیا، اور فسخ کرانا جائز نہ رہا، اگر غلط بیانی کر کے فسخ کرا لے گی تو سخت گنہگار ہوگی، نیز باکرہ کو اس کی بھی ضرورت ہے کہ زبان سے کہنے پر کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالے، تاکہ قاضی

---

(۱) باکرہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ نہ اس شوہر سے ہمبستری کی نوبت آئی ہو نہ اس سے قبل کسی اور شوہر سے ۱۲ منہ

(۲) یہ جب کہ پندرہ سال سے قبل آثار بلوغ ظاہر ہو جائیں ورنہ جس وقت پورے پندرہ سال کی عمر ہو جائے اس وقت کا اعتبار ہوگا، مثلاً کوئی لڑکی رمضان ۴۰ھ میں ۷ تاریخ کو عین طلوع آفتاب کے وقت پیدا ہوئی اور رمضان ۵۵ھ تک کوئی علامت بلوغ کی نہ پائی گئی تو ۷ رمضان ۵۵ھ کو ٹھیک طلوع آفتاب کے وقت اس کو شرعاً بالغ سمجھا جائے گا، پس اگر اس باکرہ نے اسی وقت فوراً زبان سے نکاح فسخ کر دیا تو تب تو اس کا اعتبار ہوگا ورنہ اگر ذرا بھی تاخیر کی تو خیار بلوغ باطل ہو گیا، اور اسی طرح ثیبہ نے یا لڑکے نے وقت مذکورہ کے بعد قولاً یا فعلاً رضامندی ظاہر کر دی، تو نکاح لازم آجائے گا، اور یہ بھی یاد رکھیں کہ عمر کا حساب قمری سال سے کیا جائے، انگریزی وغیرہ کا اعتبار نہیں ۱۲ منہ

وغیرہ کے پاس معاملہ پیش ہونے پر کام آئیں، اور گواہ بنانے کا تفصیلی حکم عنقریب بہ عنوان ''فائدہ موعودہ'' آئے گا، اس کو ضرور دیکھ لیا جائے۔

اور اگر وہ لڑکی ثیبہ(۱) ہے تو پھر اس کو فوراً کہنا ضروری نہیں، بلکہ جب تک رضامند نہ ہوگی اس وقت تک منظور رکھنے نہ رکھنے کا اختیار باقی رہتا ہے، چاہے کتنا ہے زمانہ گذر جائے، صرف خاموش رہنے کی وجہ سے ثیبہ کا خیار بلوغ باطل نہیں ہوتا، البتہ اگر بلوغ کے بعد زبان سے کہہ دے گی کہ نکاح منظور ہے یا کوئی کام (۲) ایسا کرے گی جس سے رضامندی پائی جائے تو اختیار باطل ہو جائے گا۔

اور لڑکے کا حکم بھی یہی ہے جو ثیبہ کا ہے، یعنی بالغ ہوتے ہی فوراً زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ جب تک قولاً یا فعلاً منظور نہ کرے، اس وقت تک اختیار باقی رہتا ہے، پس اگر کسی لڑکے یا ثیبہ لڑکی نے بلوغ کے بعد ایک مرتبہ بھی زبان سے کہہ دیا کہ یہ نکاح منظور ہے تو اب فسخ کا مطالبہ حرام ہے، خواہ اس منظوری کو بالکل تنہائی میں یا آہستہ کہنے کی وجہ سے کسی نے بھی نہ سنا ہو، اسی طرح اگر بلوغ کے بعد بوسہ لینے وغیرہ کی نوبت آئی ہو، تب بھی خیار فسخ نہیں رہتا۔

اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ جب کہ بلوغ سے پہلے ان کو نکاح کی اطلاع ہو چکی ہو، اور اگر کسی کو بلوغ سے پہلے نکاح کی خبر ہی نہ ہوئی ہو، تو جب خبر ملے تب خیار بلوغ حاصل ہوگا، اور لڑکی لڑکے کے واسطے اختیار باقی رہنے نہ رہنے کی جو تفصیل ابھی گذری ہے اس سب کا لحاظ خبر ملنے کے وقت سے کیا جائے گا۔

---

(۱) ثیبہ وہ ہے جس سے ہمبستری ہو چکی ہو، خواہ اس شوہر سے یا اس سے پہلے کسی اور شوہر سے ۱۲ منہ
(۲) مثلاً اس کی رضامندی سے شوہر نے بوسہ وغیرہ لے لیا یا ہمبستری کر لی ۱۲ منہ

# فائدہ موعودہ

# باکرہ کے لئے خیار بلوغ میں گواہ بنانے کی ضرورت اور اس کی تفصیل

باکرہ لڑکی بالغ ہونے پر جب نکاح نامنظور کرے، تو اس کو نامنظوری پر گواہوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، لیکن وہ مختصر تھا اس واسطے تفصیل لکھی جاتی ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ اشہاد (یعنی گواہ بنانے) کی دو صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ جس وقت بالغ ہوئی ہے اس وقت اگر اس کے پاس گواہ موجود ہیں، تب تو اس وقت اس کو کہہ دینا چاہئے کہ میں اب بالغ ہوئی ہوں، اور اس نکاح کو فسخ کرانا چاہتی ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس وقت گواہ پاس نہ ہو، اس صورت میں زبان سے فوراً نامنظور کر کے گواہوں کو بلا لیا جائے یا خود ان کے پاس چلی جائے، اور گواہ چاہے جلدی مل جائیں یا دیر میں، بہر دو صورت ان کے سامنے یہی کہنا چاہئے کہ اب میں بالغ ہوئی ہوں، اور نکاح فسخ کرانا چاہتی ہوں، یہ ہرگز ظاہر نہ کرے کہ تھوڑی دیر ہوئی بالغ ہو چکی ہوں، حتی کہ اگر گواہ صراحۃ بھی دریافت کریں کہ تو کب بالغ ہوئی ہے؟ تب بھی مفصل واقعہ ذکر نہ کرے، بلکہ یہی جواب دے کہ میں اب بالغ ہوئی ہوں، یا صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے بالغ ہوتے ہی نکاح کو توڑ دیا ہے، کیونکہ اگر مفصل واقعہ گواہوں سے ظاہر کر دے گی تو ان کو گول مول گواہی دینا جائز نہ ہوگا، اور تفصیلی شہادت دی تو یہ شہادت اس کے حق میں مفید نہ ہوگی، اور مجمل واقعہ سن کر گواہی دینا جائز ہے، ان کو نہ اس کی ضرورت ہے کہ تفصیل دریافت کریں نہ اس کا حق ہے۔

# پھر قاضی کے یہاں درخواست دینے کی تین صورتیں ہیں (۱)

## اوّل

اگر قاعدہ کے موافق گواہ ہو چکے ہیں، تب تو قاضی یا اس کے قائم مقام کی عدالت میں یوں درخواست پیش کرے کہ میں فلاں روز بالغ ہونے پر نکاح کو نامنظور کر چکی ہوں، اور نامنظوری کے فلاں فلاں گواہ ہیں، اس واسطے میرا نکاح فسخ کر دیا جائے، اس درخواست پر شہادت کے بعد تفریق ہو جائے گی۔

## دوم

اگر کسی کو معتبر گواہ میسر نہ ہوں، یا گواہوں سے اس قسم کی تفصیل ظاہر کر دی جس سے ان کے لئے مفید گواہی دینا جائز نہ رہا، تو پھر یہ صورت ہے کہ حتی الوسع جلد درخواست پیش کرے، اور درخواست میں یہ ظاہر نہ کیا جائے کہ کب بالغ ہوئی ہے، بلکہ صرف اتنا کہے کہ میں نے بالغ ہوتے ہی نکاح فسخ کر دیا ہے، لہذا فسخ کا حکم دیدیا جائے، اگر قاضی دریافت بھی کرے کہ کب بالغ ہوئی ہے تب بھی نہ بتلاوے، اگر بتلا دیا تو پھر تفریق نہ ہو سکے گی، اور ایسی درخواست پر صرف حلف لے کر نکاح فسخ کرا دیا جائے گا۔

## سوم

ایک صورت درخواست کی یہ ہے کہ صاف کہہ دے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں، اور یہ نکاح

(۱) ایک امر قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت میں یعنی جب گواہ ہو چکے ہوں تو اس سے ایک ماہ تک درخواست کی مہلت ہے، اگر ایک ماہ گذر گا تو خیار فسخ جاتا رہا اور دوسری صورت میں حتی الوسع جلدی کرنا لازم ہے، لیکن اس کی تعجیل کی کوئی خاص تحدید کتب فقہ میں باوجود تلاش کے نہیں ملی، البتہ خلاصۃ الفتاوی کی ایک روایت سے اتنا معلوم ہوتا کہ چند روز تک مقدمہ پیش نہ ہوا تو خیار ساقط ہو جائے گا، اور تیسری صورت کا حکم بھی قواعد سے وہی معلوم ہوتا ہے جو دوسری صورت کا ہے۔ **تنبیہ** چونکہ اس حاشیہ کا یہ سب مضمون قواعد سے لکھا گیا ہے، اس لئے عمل کے وقت احتیاطاً اپنے کسی معتقد فیہ محقق عالم سے بھی دریافت کر لینا ضروری ہے ۱۲ منہ

مجھے منظور نہیں، اس واسطے فسخ کرانا چاہتی ہوں، اس صورت میں نہ کسی گواہ کی حاجت ہے نہ حلف کی، بلکہ شہادت اور حلف کے بغیر ہی قاضی اس درخواست کو قبول کر کے نکاح فسخ کر دے۔(۱)

## شرط مفقو ہونے پر مکرر تنبیہ

اگر حقیقۃ بالغ ہوتے ہی فوراً زبان سے کہہ دیا ہے کہ میں اس نکاح کو فسخ کرتی ہوں، تب تو اس کے لئے جائز ہے کہ گواہوں سے یا قاضی سے اصل واقعہ چھپا کر یہ کہہ دے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں، اور اگر بلوغ کے بعد اس کہنے میں ذرا بھی دیر کر دی تھی تو خیار فسخ باطل ہو گیا، اب اس کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ شہادت اور درخواست کے قبول ہونے کا حیلہ کرے، اگر حیلہ کرے گی تو سخت گنہگار ہوگی۔

## خیار کفاءت

غیر کفوء میں نکاح ہونے کی کئی صورتیں ہیں، بعض میں نکاح بالکل باطل ہے، اور بعض میں صحیح اور لازم ہو جاتا ہے، یعنی فسخ کا اختیار بھی نہیں رہتا، اور بعض میں صحیح تو ہو جاتا ہے مگر لازم نہیں ہوتا، بلکہ فسخ کا اختیار رہتا ہے، یہاں اصل مقصود تو انہیں صورتوں کا بیان کرنا ہے جن میں خیار فسخ ہو، کیونکہ قاضی کے فیصلہ کی ضرورت صرف انہیں میں پڑتی ہے، مگر ہم فائدہ مکمل کرنے کے لئے سب صورتیں درج کرتے ہیں، اور ہر ایک کا جداگانہ حکم لکھتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

## پہلی صورت

یہ کہ بالغ عورت ولی عصبہ (۲) کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے، اس صورت میں فتوی اس پر ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوتا، بلکہ بالکل باطل ہے، حتی کہ اگر نکاح کے بعد ولی عصبہ جائز بھی رکھے، تب بھی صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ نکاح سے قبل اجازت کا ہونا شرط ہے لہذا

(۱) رہا یہ کہ اگر قاضی نے اس کی دروغ بیانی پر دھوکہ کھا کر نکاح فسخ کر دیا تو کیا حکم ہوگا، اس کی تحقیق اصل رسالہ میں خیار بلوغ کے ختم پر موجود ہے علماء کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہے ۱۲ منہ

(۲) اور اگر عصبہ نہ ہونے کی حالت میں کسی اور کو ولایت نکاح پہنچتی ہو تو بالغہ کو غیر کفو سے نکاح کرنے میں اس کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے ۱۲ منہ

عورت کو لازم ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرے، اگر کرے گی تو نکاح کالعدم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ معصیت میں مبتلا رہے گی۔

## فائدہ

اسی سے اس صورت کا حکم بھی معلوم ہوگیا جس میں عورت کو شوہر کے غیر کفو ہونے کا علم نہ ہو، اور کفو ہونے کی شرط کر کے یا بلا شرط نکاح کیا ہو، اور بعد میں معلوم ہو جائے کہ وہ شخص کفو نہیں ہے، تو عورت پر واجب ہے کہ معلوم ہوتے ہی اس سے الگ ہو جائے، کیونکہ قول مفتی بہ کے موافق غیر کفو سے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا، تو جس وقت اس کا غیر کفو ہونا ظاہر ہو گیا اس وقت ثابت ہو گیا کہ نکاح شروع ہی سے باطل تھا۔

## دوسری صورت

دوسری صورت یہ کہ باپ دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نابالغ کا نکاح غیر کفو میں کر دیا ہو، یا باپ، دادا نے کیا مگر وہ معروف بسوء الاختیار یا فاسق متہتک (۱) ہو یا نشہ کی حالت میں نکاح کیا ہو اس صورت میں بھی نکاح بالکل باطل ہے۔

## تیسری صورت

تیسری صورت یہ کہ باپ دادا نے ہوش وحواس درست ہونے کی صورت میں نابالغ کا نکاح غیر کفو میں کیا ہو، اور وہ باپ دادا نہ فاسق متہتک ہوں، نہ معروف بسوء الاختیار، اس صورت میں نکاح لازم ہو جاتا ہے، اس نکاح کو فسخ کرانے کا بھی اختیار نہیں ہے۔

اور یہ حکم عام ہے، خواہ باپ دادا کو نکاح کے وقت عدم کفاءت کا علم تھا، یا نہ تھا بہر دوصورت نکاح صحیح اور لازم ہو جاتا ہے، البتہ اگر دوسری صورت یعنی عدم علم کی صورت میں کفاءت کی شرط پر نکاح کیا ہو، تو اس کا حکم الگ ہے، جو صورت ششم میں آتا ہے۔

---

(۱) معروف بسوء الاختیار اور فاسق متہتک کے معنی خیار بلوغ کے بیان میں مفصل گذر چکے ہیں، وہاں دیکھ لئے جائیں ۱۲ منہ

## چوتھی صورت

چوتھی صورت یہ ہے کہ بالغہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت سے عدم کفاءت کا علم ہوتے ہوئے غیر کفو میں ہوا، اس کا حکم یہ ہے کہ نکاح صحیح اور لازم ہوجاتا ہے اور کسی کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا، یہ حکم سب اولیا کے لئے عام ہے، خواہ باپ، دادا ہوں یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا ولی ہو، لیکن فرق اتنا ہے کہ اگر لڑکی باکرہ ہے، اور باپ دادا کی ولایت سے نکاح ہوا ہے تو اجازت کیلئے محض اس کا سکوت کافی ہوگا، اور اگر لڑکی ثیبہ ہے یا باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی کی ولایت میں نکاح ہوا ہے، تو اجازت صریحہ کی ضرورت ہے، محض سکوت کافی نہیں ہے۔

## پانچویں صورت

پانچویں صورت یہ کہ بالغہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت سے کسی ایسے شخص سے ہوا جس کی کفاءت کا حال معلوم نہ تھا، لیکن نکاح کے وقت کفاءت کی شرط کرلی تھی، یا صراحۃً شرط تو نہ کی تھی، مگر شوہر کی طرف سے کفو ہونا ظاہر کیا گیا تھا، اور اس پر اعتماد کرکے نکاح کردیا ہو، پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا، اور ثابت ہوا کہ کفو نہیں ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ عورت کو بھی خیار فسخ حاصل ہوگا، اور اسکے ولی کو بھی، لیکن اگر یہ عورت ابھی باکرہ ہو تو اس کا خیار سکوت سے باطل ہوجائے گا، یعنی اگر اطلاع حال کے بعد فوراً کہہ دیا کہ مجھے اس سے نکاح رکھنا منظور نہیں، تب تو اختیار باقی رہے گا اور حاکم مسلم کے ذریعہ فسخ کراسکے گی، ورنہ اگر نامنظوری ظاہر کرنے میں ذرا بھی تاخیر کی، تو خیار فسخ باقی نہ رہے گا۔

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ لڑکی ابھی باکرہ ہو، اور اگر ثیبہ ہوچکی ہے تو اس وقت سکوت سے خیار باطل نہیں ہوتا، بلکہ جب تک صراحۃً یا دلالۃً (۱) رضا نہ پائی جائے اس وقت تک اختیار باقی رہے گا۔

---

(۱) مثلاً شوہر لمس وتقبیل وغیرہ کرلے، یا مہر ونفقہ ادا کردے، اور بیوی اس کو لمس وتقبیل وغیرہ پر قدرت دے دے، یا مہر وغیرہ قبول کرلے تو یہ دلالۃً رضامندی ہے اور مہر کا قبول کرنا دلیل رضا اس وقت ہے جبکہ بلوغ سے پہلے خلوت صحیحہ نہ ہوچکی ہو ۱۲ منہ

اور یہی حکم ولی کا بھی ہے کہ اس کا خیارِ فسخ بھی محض سکوت سے باطل نہیں ہوتا، بلکہ صراحۃً یا دلالۃً رضا کی ضرورت ہے، اور دلالۃ رضا کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ولی مہر وغیرہ پر قبضہ کر لے۔

## چھٹی صورت

یہ ہے کہ بالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح اس کے (۱) باپ یا دادا نے ایسے شخص سے کیا جس کو اس کے بیان کی بناء پر کفو سمجھا گیا تھا، یا کفو ہونے کی شرط کر لی گئی تھی، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ غیر کفو ہے اس صورت میں یہ تفصیل (۲) ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے تو صرف باپ دادا کو اختیار ہے، اگر اس نے فسخ کرا دیا تو فسخ ہو جاویگا، اور اگر حقیقت ظاہر ہونے کے بعد نکاح منظور رکھا تو لازم ہو جائے گا، اور اگر باپ دادا نے سکوت کیا تو صرف اس کے سکوت سے اختیار باطل نہ ہوگا، بلکہ باپ دادا کو بھی اختیار رہے گا اور بالغ ہونے پر لڑکے لڑکی کو بھی اختیار حاصل ہو جائے گا اس لئے بالغ ہونے کے بعد نکاح لازم ہونے کے واسطے دونوں کی رضامندی شرط ہے، باپ دادا کی بھی اور لڑکے یا لڑکی کی بھی، پس بلوغ کے بعد لڑکے یا لڑکی اور باپ یا دادا میں سے ایک بھی چاہے تو نکاح فسخ ہو سکتا ہے، اگر چہ دوسرا ابقائے نکاح پر رضامند ہو جائے۔ **واللہ أعلم وعلمه أتم وأحكم.**

بحمدہ تعالیٰ تتمہ کا خلاصہ ختم ہوا، اب ضمیمہ کا خلاصہ آتا ہے۔

---

(۱) اسی طرح مجنون و مجنونہ کا بیٹا ان احکام میں باپ کے برابر ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ۱۲ منہ

(۲) اگر کفاءت کی شرط نہ کی تھی اور نہ زوج نے اپنا کفو بیان کیا تھا، بلکہ باپ دادا نے محض اپنے گمان سے کفو سمجھ کر نکاح کر دیا تھا، پھر ظاہر ہوا کہ کفو نہیں تو اس صورت میں خیار کفاءت ہونے یا نہ ہونے میں باوجود تتبع اور مراجعت علماء کے کوئی امر منقح نہ ہو سکا، اور ہمیں قواعد سے رجحان اس کا معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں خیار فسخ نہ دیا جائے مگر عمل کے وقت اہل علم ان جزئیات کو دیکھ کر جن کا حوالہ اصل تتمہ کے حاشیہ پر درج ہے کسی جانب کو خود ترجیح دیں ہماری ترجیح پر نہ رہیں ۱۲ منہ

# خلاصة
# حکم الازدواج
# مع اختلاف دین الأزواج

## تمہید

مياں بیوی کے مذہب کے اختلاف کی دوصورتیں ہیں۔

(۱) ایک یہ ہے کہ اختلاف نکاح سے پہلے ہی موجود ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ اختلاف نکاح کے بعد پیدا ہو جائے۔

## اختلاف مذہب کی پہلی صورت کا حکم

پہلی صورت میں مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے کسی حال میں جائز نہیں، خواہ کفر کی کوئی قسم ہو، اسی طرح مسلمان مرد کا نکاح بھی کسی کافر عورت سے جائز نہیں، البتہ اگر عورت کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ وغیرہ ہو، تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

اول یہ کہ وہ عام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی یا یہودی اور درحقیقت لامذہب دہریہ نہ ہو، بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی ہو، اگرچہ عمل میں اس کے خلاف بھی کرتی ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ اصل سے ہی یہودیہ نصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہو کر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو۔

جب یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں، تو اس سے نکاح صحیح و منعقد ہو جاتا ہے، لیکن بلا ضرورت شدیدہ اس سے بھی نکاح کرنا مکروہ اور بہت مفاسد پر مشتمل ہے،

اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں کے نکاح سے منع فرمادیا تھا، اور جب عہد فاروقی میں کہ زمانہ خیر تھا، ایسے مفاسد موجود تھے، تو آج کل جس قدر مفاسد ہوں کم ہیں، بالخصوص موجودہ اقوام یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات ازدواج تو بالکل ہی ان کے دین دنیا کو تباہ کردینے والے ہیں، جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے۔

## دوسری صورت کے احتمال اول ودوم کا حکم

دوسری صورت یعنی نکاح کے بعد میاں بیوی کا یا ان میں سے کسی ایک کا مذہب بدل جائے اس کے چار احتمال ہیں:

پہلا احتمال یہ ہے کہ دونوں کافر تھے پھر ایک ساتھ دونوں مسلمان ہوگئے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں مسلمان تھے، پھر معاذ اللہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہوگئے۔

ان دونوں احتمالوں (۱) میں نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ بعینہٖ قائم رہتا ہے **کما صرح به في نكاح الكافر من التنوير وسائر المتون ۔**

## تیسرے احتمال کے جزء اول کا حکم

تیسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی مسلمان ہوجائے، اور دوسرا بدستور کفر پر باقی رہے، اس کے دو جز ہیں۔

ایک یہ ہے کہ مرد مسلمان ہوجائے اور عورت کفر پر رہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت کتابیہ ہے (۲) تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بحالہ قائم رہے گا، اگرچہ وہ اہل کتاب کا ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا اختیار کرلے، مثلاً یہودیہ سے نصرانیہ ہوجائے یا اس کے برعکس، اسی طرح اگر ایسا ہو کہ جس وقت مرد مسلمان ہوا ہے اسی وقت مجوسیہ بیوی نے اہل کتاب کا مذہب قبول کرلیا اس صورت میں بھی نکاح پر اثر نہ پڑے گا۔ البتہ اگر اس کا عکس ہوا، یعنی شوہر کے اسلام لانے کے

---

(۱) اگرچہ ان دو احتمالوں میں اختلاف مذہب صادق نہیں آتا مگر استیعاب احکام کے لئے ان کو بھی بیان کردیا گیا ۱۲ منہ

(۲) بشرطیکہ وہ اصل سے کتابیہ ہو پس اگر اسلام سے پھر کر کتابیہ ہوگئی تھی تو بغیر اسلام لائے اس عورت سے دوبارہ بھی نکاح نہیں ہوسکتا ۱۲ منہ

بعد کتابیہ بیوی نے مجوسیت اختیار کر لی تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔

اور اگر عورت غیر کتابیہ مثلاً ہندو یا مجوسیہ وغیرہ ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ یہ واقعہ دارالاسلام (۱) میں ہوا ہے تو قاضی اس کی عورت پر اسلام پیش کرے، وہ بھی اسلام قبول کر لے تو نکاح بحالہ قائم رہے گا، اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کرے، یا سکوت کرے تو نکاح فوراً فسخ کر دیا جائے، اور اگر یہ واقعہ دارالحرب میں ہوا ہے، تو وہاں عورت پر تین حیض گذر جانا ہی اسلام سے انکار کر دینے کے قائم مقام ہو جاتا ہے، یعنی اگر عورت مسلمان نہ ہو، اور تین حیض اسی حالت پر گذر جائیں تو نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

## دوسرے جزء کا حکم

دوسرا جزء یہ ہے کہ عورت مسلمان ہو جائے اور شوہر کفر پر باقی رہے، تو خواہ یہ کافر کتابی ہو یا غیر کتابی، ہر حال میں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر واقعہ دارالاسلام کا ہے تو قاضی اس کے شوہر پر اسلام پیش کرے، اگر وہ مسلمان ہو جائے تو نکاح بحالہ قائم رہے گا، اور اگر اسلام قبول نہ کرے یا سکوت کرے تو قاضی ان دونوں میں فوراً تفریق کر دے، اور اگر یہ واقعہ دارالحرب کا ہے تو عورت کو تین حیض گذر جانا ہی انکارِ اسلام کے قائم مقام ہو جائے گا، اور تین حیض گذر جانے کے بعد عورت بائنہ ہو جائے گی۔

---

(۱) یعنی میاں بیوی دونوں دارالاسلام میں ہوں، اور اگر ایک دارالاسلام میں ہو اور دوسرا دارالحرب میں تو قاضی کے ذریعہ تفریق نہیں ہو سکتی بلکہ تین حیض گذرنے پر بینونیت ہو جائے گی یعنی خود بخود نکاح جاتا رہے گا
۱۲ منہ

# عدت کا حکم

## میاں بیوی میں سے ایک کے اسلام لانے کی صورت میں

اگر بیوی اور شوہر دونوں دارالاسلام میں ہوں، اور اسلام پیش کرنے کے بعد تفریق کی گئی ہے، تب تو بالاتفاق عدت واجب ہے، اور اگر ان میں سے ایک یا دونوں دارالحرب میں ہیں، اس لئے اسلام پیش نہ کیا جاسکا، بلکہ تین حیض گذر جانے کی وجہ سے بائنہ ہوئی ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر شوہر مسلمان ہوا ہے تو بالاتفاق عدت واجب نہیں (۱) اور اگر عورت مسلمان ہوئی ہے تو صاحبین کے نزدیک اس پر ان تین حیض کے علاوہ دوسرے تین حیض تک عدت گذارنا واجب ہے، اور امام صاحب کے نزدیک واجب نہیں، (۲) اور احتیاط اسی میں ہے کہ صاحبین کے قول پر عمل کیا جاوے، امام طحاویؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

چوتھا احتمال یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی معاذ اللہ مرتد ہو جائے، اس کے دو جزء ہیں: ایک شوہر کا مرتد ہو جانا، دوسرے بیوی کا مرتد ہونا، دونوں کے احکام جدا جدا درج ذیل ہیں، اور اس چوتھے احتمال کے احکام پر اکابر علماء کے تصدیقی دستخط بھی ثبت ہیں۔

### فائدہ

میاں بیوی کے اختلاف مذہب کی پہلی صورت میں اور دوسری صورت کے چار احتمالوں میں سے اول کے تین احتمالوں کے احکام میں تو کوئی خفا اور اختلاف نہ تھا، اس لئے ان کا مسودہ سب حضرات کے سامنے پیش نہیں کیا گیا، بلکہ صرف حضرت حکیم الامت دام مجدہم اور چند حضرات کے ملاحظہ پر اکتفا کیا گیا، اور چوتھے احتمال کی بعض صورتوں کے حکم

(۱) یعنی اس کے لئے اسلام کے بعد اس بیوی کی ہمشیرہ وغیرہ سے فوراً نکاح کر لینا جائز ہے، اگر عدت واجب ہوتی ہے تو عدت گذرنے سے قبل ہمشیرہ وغیرہ سے نکاح جائز نہ ہوتا ۱۲ منہ

(۲) البتہ اگر یہ عورت حاملہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی وضع حمل سے قبل اس سے نکاح جائز نہیں۔

میں کچھ خفا و اختلاف تھا، اس لئے صرف اس احتمال کو پیش کر کے سب حضرات کے دستخط حاصل کئے گئے ہیں۔

## شوہر کے مرتد ہونے کا حکم

اگر کسی عورت کا شوہر معاذ اللہ اسلام سے پھر جائے اور مرتد ہو جائے، تو باجماع ائمہ اربعہ و باتفاق جمہور فقہاء اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے، قاضی کے فیصلہ اور حاکم کے حکم کی بھی کوئی ضرورت نہیں، اور یہ ارتداد شوہر اگر خلوت صحیحہ سے پہلے ہوا ہے، تو نصف مہر شوہر کے ذمہ ہے، اور عورت پر عدت واجب نہیں، اور اگر خلوت صحیحہ کے بعد ارتداد ہوا ہے تو پورا مہر لازم ہے، اور عورت پر عدت بھی واجب ہے، نیز اس مرتد پر عدت کا نفقہ بھی لازم ہے۔

## بیوی کے مرتد ہونے کا حکم

بعض لوگوں نے مسائل نہ جاننے کے سبب علی الاطلاق یہ سمجھ رکھا ہے کہ اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تب بھی نکاح فسخ ہو جائے گا، اور اسی بناء پر محض ناواقفیت سے تمام روایات فقہیہ کے خلاف یہ تفریع کر بیٹھے کہ اس نالائق کو تجدید اسلام کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، یہاں تک کہ بعض کمبخت عورتوں نے اس کو شوہر سے رہائی حاصل کرنے کا سہل علاج سمجھ لیا، اور ارتداد کی بلاء عظیم میں مبتلاء ہو کر اپنی عمر بھر کے اعمال صالحہ برباد کر دیے، حالانکہ شرعی طور پر پھر بھی ان کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس صورت میں دوسرے شخص سے نکاح کی ہرگز اجازت نہیں، بلکہ یہ لازم ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح کر کے پہلے ہی شوہر کے ساتھ رہے، جیسا کہ تفصیل ذیل سے معلوم ہوگا۔

## روایات کی تفصیل

وہ تفصیل یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں مذہب حنفیہ میں تین قول ہیں۔

(۱) ایک ظاہر الروایۃ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح تو فوراً فسخ ہو جائیگا، لیکن پھر اس کو حبس و قید کر کے تجدید اسلام پر اور اس پر بھی مجبور کیا جائے

گا کہ وہ اپنے پہلے ہی شوہر سے تجدید نکاح کرے، جیسا کہ قاضی خان اور عالمگیری، درمختار وشامی میں اس کی تصریح ہے کہ ظاہر الروایۃ جس میں فسخ نکاح کا حکم دیا گیا ہے اس کی ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ عورت کو تجدید اسلام اور شوہر اول سے تجدید نکاح پر بزور حکومت مجبور کیا جائے گا، خواہ اس کے مرتد ہونے کی غرض شوہر اول سے علیحدہ ہونا ہی ہو یا حقیقۃ اس کے عقائد بدل گئے ہوں دونوں صورتوں میں اس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے۔(۱) (کما صرح به البنامی)

(۲) دوسرا قول مشائخ بلخ وسمرقند اور بعض مشائخ بخارا اسمٰعیل زاہد اور ابوالنصر دبوسی اور ابوالقاسم صفار وغیرہم کا فتوی ہے کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا بلکہ بدستور یہ عورت شوہر سابق کے نکاح میں رہتی ہے.

(۳) تیسرا قول وہ نوادر کی روایت ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے کہ یہ عورت دارالاسلام (۱) میں بھی کنیز بنا کر رکھی جائے گی اور اس کے شوہر کا قبضہ اس پر بدستور سابق باقی رہے گا۔

حاصل یہ ہے کہ اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس کے نکاح کے بارے میں حنفیہ کے تین قول ہوئے۔

ایک یہ کہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے لیکن تجدید اسلام کے بعد اس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا، کسی دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار نہ دیا جائیگا۔

دوسرا یہ کہ نکاح فسخ ہی نہ ہوگا، بلکہ وہ دونوں بدستور زن وشوہر ہی رہیں (۲) گے

تیسرا یہ کہ عورت کو کنیز بنا کر رکھا جائے گا۔

---

(۱) تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر عورت مرتد ہو کر دارالحرب میں چلی جائے یا دارالحرب میں ہی مرتد ہو تو اس کو کنیز بنانے پر ظاہر الروایۃ بھی متفق ہے، نوادر اور ظاہر الروایۃ کا اختلاف صرف اس میں ہے کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے بھی کنیز بن سکتی ہے یا نہیں ۱۲ منہ

(۲) لیکن اس روایت پر فتویٰ دینے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح سے قبل شوہر کو استمتاع یعنی صحبت وغیرہ کی اجازت نہ دی جائے جیسا کہ متن میں بھی ''بعض مسائل ضروریہ'' کے عنوان کے تحت عنقریب آتا ہے ۱۲ منہ

## تمام روایات کا متفق علیہ حکم

ان تینوں اقوال میں اگر چہ کچھ اختلاف ہے، لیکن اتنی بات پر تینوں متفق ہیں کہ عورت کو کسی طرح یہ حق نہ دیا جائے گا کہ وہ اپنے پہلے شوہر کے نکاح سے علیحدہ ہوکر دوسری جگہ نکاح کرلے، اس لئے یہ بات متفق علیہ ہوگئی کہ عورت کو دوسری جگہ نکاح کا ہرگز اختیار نہ ہوگا۔

اب ہندوستان میں بحالت موجودہ اس متفق علیہ حکم پر عمل کرنا پہلی روایت کو اختیار کرتے ہوئے غیر ممکن ہے، کیونکہ فسخ نکاح کا حکم دیدینے کے بعد پھر تجدید نکاح پر مجبور کرنے والی قوت مسلمانوں کے پاس موجود نہیں، اور جہاں موجود ہوتی ہے وہاں بھی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، اسلئے پہلے قول یعنی ظاہر الرویۃ پر عمل کرنا ہندوستان میں بحالت موجودہ غیر ممکن ہوگیا، کیونکہ اسکے ایک جزو پر عمل کرنا اگر چہ اختیار میں ہے، لیکن دوسرا جزء یعنی تجدید اسلام اور تجدید نکاح پر مجبور کرنا قطعاً اختیار میں نہیں۔

اور نوادر کی روایت پر عمل کرنا تو ظاہر الروایۃ سے بھی زیادہ مشکل بلکہ بحالت موجودہ غیرہ ممکن ہے، اسلئے اب بجز اس کے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کو اختیار کرکے اسی پر فتوی دیا جائے کوئی چارہ نہ رہا۔

اور صاحب نہر کو اگر چہ ان مشکلات کا سامنا نہیں تھا جو آج ہم پر گذر رہی ہیں، مگر وہ اپنے وقت میں اسی روایت پر فتوی دینے کو تجویز فرماتے ہیں، اور اس کے خلاف کرنے کو سخت مشکل میں ڈالنا قرار دیتے ہیں۔

اور علامہ شامی بھی اس فتوی کی مخالفت نہیں کرتے، اور جو کچھ فرمایا ہے وہ روایت نوادر پر قدرت ہونے کے وقت فرمایا ہے، اور جب اس پر قدرت نہ ہوتو ان کے نزدیک بھی مشائخ بلخ وسمرقند کے قول پر فتوی دینا متعین ہے، اسی طرح دوسرے فقہاء بھی اس قول کو نقل کرکے تردید نہیں کرتے۔

پس ہندوستان میں بحالت موجودہ کہ حکومت مسلمانوں کی نہیں اس کے سوا مذہب حنفی پر عمل کرنا غیر ممکن ہے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کے موافق ہی فتوی دیا جائے کہ عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا بلکہ بدستور باقی رہتا ہے۔

# بعض مسائل ضروریہ

## مسئلہ نمبر (۱)

مشائخ بلخ(۱) کے قول کے موافق جبکہ بقاء نکاح کا فتوی دیا جائے تو ساتھ ہی اس امر کالحاظ رکھنا ضروری ہے کہ تجدید اسلام کے قبل شوہر کے لئے اس مرتدہ سے استمتاع یعنی جماع اور اسکے دواعی مثلاً تقبیل ولمس بالشہوۃ وغیرہ کو جائز نہ کہا جائے، کیونکہ آیت کریمہ **لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن** سے کافر عورتوں کے ساتھ نکاح اور استمتاع کا حرام ہونا ظاہر ہے ،اور اس پر اجماع بھی ہے،اور کتابیہ کا استثناء جو آیت **والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب** میں وارد ہوا ہے اس سے کتابیہ اصلیہ مراد ہے،وہ مرتدہ اس میں داخل نہیں جس نے اہل کتاب کا مذہب اختیار کرلیا ہو۔

اور قول مذکور پر بقاء نکاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ حالت کفر میں صحبت و جماع اور دواعی جماع بھی جائز رہیں، فقہ احناف میں ایسے نظائر موجود ہیں کہ باوجود صحت نکاح و بقاء نکاح کے جماع و دواعی جماع حرام ہوتے ہیں، جیسے موطوءہ بالشبہ کہ اس کا نکاح بدستور سابق قائم ہے،مگر انقضاء عدت تک اس سے ہم بستری وغیرہ بالکل حرام ہے،اسی طرح حاملہ من الزنا اگر غیر زانی سے نکاح کرلے تو گو نکاح صحیح ہوجاتا ہے،مگر شوہر کے لئے صحبت جائز نہیں ہوتی۔

## مسئلہ نمبر (۲)

حلت استمتاع کے لئے تجدید اسلام کا شرط ہونا آیت مذکورہ اور اجماع وغیرہ سے مسئلہ اولی میں ثابت ہوچکا ہے، پھر تجدید اسلام کے بعد ظاہر الروایۃ کے موافق تو تجدید نکاح بھی ضروری ہے، بغیر اس کے استمتاع جائز نہیں، مگر مشائخ بلخ کے قول پر تجدید نکاح شرط نہیں لیکن

---

(۱) اسی طرح روایات نوادر یعنی استرقاق کی صورت میں بھی گو قبضۂ مالکانہ شوہر کا اس پر ہوجائے گا لیکن استمتاع جائز نہ کہا جائے گا جیسا کہ مشترکہ باندی سے باوجود قبضۂ مالکانہ کے استمتاع جائز نہیں ۱۲ منہ۔

اس خاص جزو میں ظاہر الروایۃ کوترک کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں، لہذا تجدید نکاح کو بھی ضروری کہا جائے گا کہ اسی میں احتیاط ہے۔

## مسئلہ نمبر (۳)

صورت مذکورہ میں تجدید نکاح کے لئے انقضائے عدت ضروری نہیں، (کما ہو ظاہر) لیکن تھوڑا سا مہر جدید ضروری ہے جو دس درہم سے کم نہ ہو جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں مصرح ہے، اور مہر سابق کا بدستور واجب فی الذمہ رہنا ظاہر ہی ہے، البتہ اگر قبل خلوت صحیحہ مرتد ہوگئی ہوتو مہر سابق ساقط ہو جاتا ہے۔

## خلاصہ فتوی

اس مجموعہ سے خلاصہ اس فتوی کا یہ حاصل ہوا کہ عورت بدستور سابق اسی شوہر کے قبضہ میں رہے گی، کسی دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں۔

لیکن جب تک تجدید اسلام کرکے تجدید نکاح نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ جماع اور دواعی جماع کو جائز نہ کہا جائے گا۔ **واللہ سبحانہ وتعالی أعلم وهو المستعان وعليه التكلان.**

## خاتمۃ الخلاصۃ

یہ رسالہ حیلۂ ناجزہ اور اس کے تتمۃ المختارات اور ضمیمہ حکم الازدواج کا خلاصہ ہے، اب ان علمائے کرام کی تصدیقات تینوں رسالوں کے متعلق جدا جدا ذیل میں درج کی جاتی ہیں جو اصل رسالہ مذکورہ کی ترتیب وتہذیب اور تصحیح وتنقیح میں شریک رہے ہیں۔

# تصدیقات

مہر مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

## از مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، وبعد فقد طالعت هذه الرسالة الفريدة،وملأت عيني بأنوار تلك اللآلي النضيدة فوجدتها فريدة في الباب، ودرة يتيمة اخرجت من لجة العباب.

منها الحيوة لكل حق ميت  منها الممات لكل قول زور
منها البياض لكل قلب أسود  منها السواد لكل عين ضرير

ولله در شيخنا، فقد بالغ في التحقيق و التنقير،وبذل جهده في التسهيل على الأمة المظلومة والتيسير، جعل الله هذا السعي مشكورا، وهذا العمل مقبولاً مبروراً، وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله واصحابه وأجمعين .

كتبه بقلمه أذل الخدم وأحقر الغلمان

ظفر احمد التهانوي تغمده الله بالغفران والرضوان

۲۶/ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

بعد حمد وصلوۃ گذارش ہے کہ اس رسالہ فیض مقالہ کا نہایت ضروری ہونا بھی ظاہر ہے، اور اس کا جامع مانع اور بے حد مفید ہونا بھی محتاج بیان نہیں، اس کو سرسری نظر سے دیکھنے والا بھی بیساختہ کہہ اٹھتا ہے

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم    کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

درحقیقت امت مرحومہ کی اس اہم مشکل کا حل حضرت اقدس ہی جیسے مجمع کمالات کا محتاج تھا، آپ نے جس انتہائی غور وخوض کو ایک عرصہ دراز تک اس کی تحقیق وتصنیف میں مبذول فرمایا ہے اس کا کچھ اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو زمانہ تألیف میں حاضری کی دولت نصیب ہوئی ہو، حضرت والا نے بارہا ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اتنی مشقت عمر بھر کسی کام میں نہیں ہوئی، حق تعالی حضرت والا دامت برکاتہم کے سایۂ رحمت کو ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اب اہل ضرورت سے صرف اس قدر گذارش ہے کہ رسالہ ہذا میں جو قیود وشرائط درج ہیں وہ نہایت درجہ ضروری ہیں، عمل کے وقت ان کو خوب پیش نظر رکھیں، اور پوری طرح ان کی پابندی کریں، محض ضرورت کا بہانہ بنا لے کر اتباع ہوا میں مبتلاء نہ ہوں، نیز حضرات ارباب فتوی کی خدمت فیض درجت میں التماس ہے کہ فتوی کے وقت تمام شرائط کو بخوبی ملحوظ رکھنا ضروری تصور فرمائیں، وهو الموفق للخير . والعاصم عن كل ضير۔

الملتمسان

سراج احمد غفرلہ

مدرس مدرسہ خانقاہ امدادیہ ۲۶/ رمضان مبارک ۱۳۵۲ھ

کمترین خدام، کہترین غلام احقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۶/ رمضان ۱۳۵۲ھ

## مہر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

# از مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**حامداً و مصلیاً امابعد.**

ہم نے بامعان نظر وخوض تام اس فتوی الحیلۃ الناجزۃ کو تقریباً سوا ماہ تک مسلسل مرۃ بعد مرۃ دیکھا اور سنا، ہم یقین کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ مولانا تھانوی دامت برکاتہم جیسے فقیہ کو جو علاوہ ظاہری و باطنی علوم کی مہارت تامہ کے احوال زمانہ ومشکلات حاضرہ سے بخوبی واقف ہیں، یقیناً یہ حق حاصل ہے کہ فتوی کے لئے کسی دوسرے امام کے مذہب کو اختیار فرمالیں، کیونکہ بوقت ضرورت شدیدہ دوسرے اماموں کے مذہب کو اختیار کرنا بھی فقہ حنفی کا ایک حکم ہے، بناء علیہ گذارش ہے کہ گو حضرت اقدس کا فتوی ہم جیسوں کی تائید وتصحیح کا اصلاً محتاج نہیں، لیکن تحصیلا للخیر والثواب ان مسائل کی تائید وتصحیح سے افتخار حاصل کرتے ہیں۔

حضرت اقدس دام ظلہ العالی نے اس فتوی میں جس تحقیق وتدقیق واحتیاط سے کام لیا ہے، وہ منت کش بیان نہیں، ہم صمیم قلب سے جناب باری عز اسمہ میں دست بدعاء ہیں کہ وہ حضرت اقدس کو بایں فیوض وبرکات تادیر مسترشدین کے رؤس پر سلامت رکھے، آمین ہم یقین کرتے ہیں کہ حضرت اقدس کی مساعی جمیلہ تاقیامت امت مرحومہ میں مشکور رہیں گی۔

**فجزاهم الله أحسن الجزاء عنا وعن سائر المسلمين۔**

عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم ۸/محرم ۱۳۵۲ھ ہجری

بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ (مدرس اول) مدرسہ مظاہر علوم ۸/محرم ۱۳۵۲ھ ہجری

محمد زکریا (کاندھلوی) عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

محمد اسعد اللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

مہر دارالافتاء جامعہ اسلامیہ یوبند

# از دارالعلوم دیوبند

ہم سبھوں نے رسالہ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ کو بغور وتدبر سنا، یقیناً ہمارے دیار ہندیہ میں موجودہ حالات کے ماتحت بجز اس کے کوئی چارہ نہیں معلوم ہوتا کہ علماء مذہب حنفی رسالۂ ہذا کے مسائل مندرجہ کو معمول بہا قرار دیں، اور اس پر فتوی دیں، اور قرون سابقہ میں بھی علماء حنفیہ نے مسئلہ مفقود وغیرہ میں ضروریات وقتیہ کی بناء پر یہی طرز اختیار کیا ہے۔

حضرت مؤلف دامت برکاتہم اور ان کے معاونین کی مذکورہ بالا مسائل میں مساعی بلیغہ اور انتہائی جدوجہد بے شک وبلاشبہ قابل ہزار ہا ہزار تشکر وتحسین ہیں، اللہ تعالی ان کو ہر دو جہاں میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

العبد ننگ سلاف حسین احمد غفرلہ
(صدر مدرس)

العبد احقر العباد محمد طیب
(مہتمم)

العبد مسعود احمد عفی عنہ
دارالعلوم دیوبند (نائب مفتی)

العبد عبدالسمیع غفرلہ
(مدرس)

العبد محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ
(مدرس)

العبد بندہ سید مبارک عفی عنہ
نائب مہتمم

العبد بندہ محمد شفیع غفرلہ
خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

العبد ریاض الدین عفی عنہ
(مدرس)

العبد بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ
(مدرس)

العبد بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ
(مدرس حدیث)

العبد محمد اعزاز علی امروہی (شیخ الفقہ والأدب)

۸/ جمادی الأولی ۱۳۲۵ ہجری

# المختــــارات

# فى

# مهمات التفريق والخيارات

## کی تصدیقات

## تصدیق

(١) نظرنا فى التتمة فوجدنا ها صحيحة .

أشرف على الحنفى عفى عنه للحادى عشر من رمضان سنة ١٣٥٢ هجـ

(۲) العبد الضعیف محمد شفیع غفرلہ خادم دار الافتاء بدیوبند

(۳) العبد النحیف سراج احمد غفرلہ مدرس خانقاہ امدادیہ

## تصدیق

(۴) لقدتشرفت بمطالعة هذه التتمة فوجدتها درة يتيمة وحسناء وسيمة، فلله در من اخرجها واستخرجها وزينها ووشحها وبهجها، جزاه الله تعالى عنى وعن سائر المسلمين خير الجزاء واحسنه، ورزقنى واياه عيشة مرضية وعاقبة حسنة

وانا العبد المذنب ظفر احمد عفا الله عنه ۲۹/ رمضان سنہ ۱۳۵۲

# حکـــم الازواج
# مع
# اختلاف دین الازواج
## کی تصدیقات
### از مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

(۱) الأحکام کلها صحیحة .
اشرف علی ۶/ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۲
(۲) الجواب صواب سراج احمد امروہی مدرس خانقاہ امدادیہ

(۳) عورت کے مرتد ہونے سے فسخ نکاح نہ ہونے پر جو کچھ جناب مفتی صاحب مدفیوضہم نے تحریر فرمایا ہے وہ بالکل درست ہے اس تحقیق انیق کی خاص جامعیت اور ضرورت کو دیکھ کر بیساختہ دل سے نکلتا ہے لـلـه در المـجیـب حیث أجاد و أصاب فیما أفاد و أجاب۔

کمترین خلائق احقر عبدالکریم گمتھلی عفی عنہ
مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون مؤرخہ ۲۶/ رمضان ۱۳۵۲ھ

(۴) طالعت هذه الضميمة الفخيمة ، وتشرفت بتوسم هذه الدرة اليتيمة، فلله در من أخرجها من الصدف الأنيق واستخرجها من البحر العميق، وأنا موافق لجميع ما في الباب ومسرور بضم هذه الضميمة بأصل الكتاب . والله أعلم بالصواب

حرره بقلمه العبد المذنب ظفرأحمد

۲۶/ رمضان ۱۳۵۲ الهجرية

# تصدیقات

## از مدرسہ دارالعلوم دیوبند

| | |
|---|---|
| (۱) بالکل صحیح ودرست ہے | فقیر سید اصغر حسین عفا اللہ عنہ ۱۵ ر جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ |
| (۲) الجواب صحیح | مسعود احمد عفا اللہ عنہ |
| (۳) الجواب صحیح | حسین احمد غفرلہ |
| (۴) المجیب مصیب | ریاض الدین عفی عنہ |
| (۵) الجواب صحیح | بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ |
| (۶) احقر العباد | محمد طیب غفرلہ |
| (۷) الجواب صحیح | محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ |
| (۸) | بندہ سید مبارک علی غفرلہ |
| (۹) الجواب صحیح | عبد السمیع عفی عنہ |

# تصدیقات

## از مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

(۱) الجواب صحیح عبداللطیف عفا اللہ عنہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم

(۲) الجواب صواب بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم

(۳) الجواب صحیح محمد زکریا کاندھلوی، مدرس مدرسہ مظاہر علوم

(۴) بندہ محمد اسعد اللہ عفا عنہ

**الراقمون وهم الذين لخصوا الرسائل الثلث**

(۱) اشرف علی

(۲) احقر عبدالکریم عفی عنہ

(۳) بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔

چھٹا رسالہ

# رفاق المجتہدین للنظر في وفاق المجتہدین

تالیف

حضرت مولانا عبد الکریم گمتھلوی رحمہ اللہ

[redacted]

# رفاق المجتهدین للنظر فی وفاق المجتہدین

ایک رسالہ وفاق المجتہدین نظر سے گذرا، جس میں مفقود کے متعلق ایک سوال کا اجمالی جواب دینے کے بعد مفصل جواب کے لئے مجیب نے آٹھ جز قرار دئے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

اب چاہتا ہوں کہ سوال کے بعض اجزاء کا تفصیلی جواب دوں، مگر قبل جواب کے اجزائے سوال کو شمار کر لیجئے:

فہرست یہ ہے

۱۔ عاجزانہ مفلسانہ زندگی بسر کرتی ہے۔

۲۔ حرام کاری کا قوی اندیشہ ہے۔

۳۔ ساٹھ ستر برس گذرنے پر عورت شادی کے لائق نہ رہے گی، پھر طویل مدت کیوں مقرر کی گئی؟

۴۔ جب مذہب (حنفیہ) میں میرے لئے جگہ نہیں تو (اس) مذہب میں رہ کر کیا کروں؟

۵۔ مذہب حنفیہ پر تشدد کا الزام۔

۶۔ مؤطا امام مالکؒ کی روایت کی تحقیق۔

۷۔ علمائے حنفیہ کا ضرورت کے وقت غیر مذہب پر فتوی دینے کی حقیقت۔

۸۔ مذہب حنفی کا اصلی حکم اور اس کی پوری تحقیق۔

بعد ازاں سب اجزاء کا نمبر وار جواب لکھا ہے، اور اصلی مدعا رسالہ ہذا کا یہ ہے کہ علمائے احناف مسئلہ مفقود میں جو مالکیہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے ہیں یہ درست نہیں، چونکہ یہ مدعا تصریحات فقہ کے خلاف ہے، اور اس پر جو دلائل قائم کئے گئے ہیں وہ مخدوش ہیں، اس واسطے مختصر طور پر اس رسالہ کا جواب دینا ضروری معلوم ہوا، لہذا معروض ہے کہ پانچویں جزء تک کے جواب کا تو یہ حاصل ہے کہ امام صاحب کا مذہب قوی ہے سو اس میں کوئی شک نہیں، امام صاحب کا قول یقیناً راجح اور احتیاط پر مبنی ہے، لیکن قول مالکیہ کے اختیار کرنے کی یہ بناء نہیں ہے کہ مذہب امام کو ضعیف سمجھا گیا ہو، بلکہ باوجود اس کو قوی اور راجح سمجھنے کے ضرورت کی وجہ سے خروج عن المذہب کی گنجائش دی گئی ہے۔

چھٹے جزء کے جواب میں مجیب نے اہم اشکال یہ بیان کیا ہے کہ رجوع کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب تو یہ ہے غالباً امام مالک علیہ الرحمۃ رجوع کو تسلیم نہ کرتے ہوں گے، جیسا کہ امام احمد علیہ الرحمۃ رجوع کی روایت کو نہایت سختی سے رد کرتے ہیں چنانچہ المغنی میں ہے

**قال الأثرم: قيل لأبي عبد الله (إلى أن قال) قلت: فروى من وجه ضعيف أن عمر رضي الله عنه قال بخلاف هذا، قال: لا إلا أن يكون إنسان يكذب** (ص۱۲۳ج۹) اور جن محققین نے رجوع کی روایت کو صحیح فرمایا ہے ان کے نزدیک اس کے راوی ثقہ ہوں گے، پس اختلاف کا منشا دراصل توثیق رواۃ میں اختلاف ہوگا، اور اس کے نظائر بہت ہیں، اور چونکہ روایت رجوع کی سند کہیں نظر سے نہیں گذری، اس واسطے مفصل حال رواۃ کا اور ان میں اختلاف کا معلوم نہیں ہوسکتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عثمان اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے، جیسا کہ مولانا لکھنویؒ نے ہدایہ کے حاشیہ میں بحوالہ ابن ابی شیبہ نقل کیا ہے، اور ان سے رجوع مروی نہیں، پس رجوع عمر رضی اللہ عنہ کے بعد بھی اس قول کو ان حضرات کی اتباع میں اختیار کرسکتے ہیں۔

ساتویں جزو کے جواب میں تین امور کی تحقیق ہے۔

(اول) حنفیہ کے نزدیک دوسرے مذہب پر فتوی دینے کے ضوابط و شرائط کیا ہیں۔

(دوم) جن لوگوں نے دوسرے مذہب پر فتوی دینا جائز بتایا ہے وہ قابل اعتماد ہیں یا نہیں۔

(سوم) مالکیہ کا اصل مذہب کیا ہے؟

امر اول میں فقہاء کی چار عبارتیں درج ہیں۔

اول- **لا يفتي بغير الراجح في مذهبه، فإذا سئل عن حكم لا يجب إلا بما هو صواب عنده، فلا يجوز أن يجيب بمذهب الغير** (از شامی)

دوم- **لو قيل لحنفي: ما مذهب الإمام الشافعي في كذا؟ يقول: قال أبو حنيفة كذا** (از درمختار)

سوم- **فإن القاضي المقلد إذا خالف مشهور مذهبه، لا ينفذ حكمه في**

الأصح (از در مختار) لأن المعتمد أن القاضي لا يصح قضاء ه بغير مذهبه خصوصا قضاة زماننا (از شامی)

چہارم-والتقليد وإن جاز بشرط فهو للعامل لنفسه، لا للمفتي للغير ، فلا يفتي بغير الراجح في مذهبه (از شامی)

ان سے یہ ثابت کیا ہے کہ مذہب غیر پر فتوی دینا اور فیصلہ کرنا جائز نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی عبارت تو چوتھی عبارت کا جزو ہے پس اس کا جواب چوتھی عبارت کے جواب سے معلوم ہو جائے گا جو عنقریب آتا ہے، اور دوسری عبارت یعنی لو قيل لحنفي الخ ایک قول ضعیف پر مبنی ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق علامہ شامی نے تصریح کی ہے، هذا مبني على قول بعض الأصوليين لا يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل ۔

اور مقدمہ میں ابن حجر سے تصریح نقل کی ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔

”حيث قال ثم اعلم أنه ذكر في التحرير وشرحه أيضا أنه يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل، وبه قال الحنفية والمالكية وأكثر الحنابلة والشافعية، وفي رواية عن أحمد وطائفة كثيرة من الفقهاء لا يجوز، ثم قال بعد أسطر : وقد رأيت في آخر فتاوى ابن حجر الفقهية التصريح ببعض ذلك ، فإنه سئل عن عبارة النسفي المذكورة (أي المذكورة في المتن عن الأشباه إذا سئلنا الخ)

”ثم حرر أن قول أئمة الشافعية كذلك، ثم قال: إن ذلك مبني على الضعيف من أنه يجب تقليد الأعلم دون غيره، والأصح أنه يتخير تقليد أي شاء لو مفضولاً ، وإن اعتقده كذلك“ .

پس یہ قول حجت نہیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو تیسری اور چوتھی عبارت کی طرح اس کو بھی عدم ضرورت پر محمول کیا جائے گا، اور تیسری عبارت کے جواب میں شامی کی پوری عبارت نقل کر دینا ہی کافی ہے، لہذا ذیل میں وہ عبارت درج ہے، درمختار میں دوسری عبارت کے بعد جو اوپر مذکور ہوئی لکھا ہے:

نعم لو قضى مالكي بذلك ، نفذ كما في البحر والنهر وقد نظمه شيخنا الرملي الخ، اس پر اول تو شامی نے یہ لکھا ہے:

" (نفذ) لأنه مجتهد فيه، وهذا كله رد على ما في البزازية: قال العلامة والفتوى في زماننا على قول مالک ، وعلى ما في جامع الفصولين، لو قضى قاض بانقضاء عدتها (أى الممتدة الطهر ) بعد مضى تسعة أشهر نفذ" لأن المعتمد أن القاضي لا يصح قضائه بغير مذهبه خصوصاً قضاة زماننا".

پھر چند سطروں کے بعد فرمایا ہے:

"قلت : لكن هذا ظاهر إذا أمكن قضاء مالكي به أو تحكيمه، أما في بلاد لا يوجد فيها مالكي يحكم به، فالضرورة متحققة و كأنّ هذا وجه ما مر عن البزازية وجامع الفصولين ، فلا يرد قوله في النهر أنه لاداعي إلى الإفتاء بقول نعتقد أنه خطاء يحتمل الصواب مع إمكان الترافع إلى مالكي يحكم به " تأمل .ولهذا قال الزاهدى : وقد كان بعض أصحابنا يفتون بقول مالک في هذه المسئلة للضرورة " ثم رأيت ما بحثه ذكره محشى مسكين عن السيد الحموى "الخ.

اس میں علامہ شامی نے خود تصریح فرمائی ہے کہ مذہب غیر پر فیصلہ کے بارے میں جو "لا يصح" کا حکم ہے وہ عدم ضرورت کے ساتھ خاص ہے، اور صاحب نہر کے قول "لا داعی" اور "مع إمكان الترافع الخ" سے بھی واضح ہے کہ اگر ضرورت داعی ہو، اور مالکی قاضی کے یہاں مقدمہ لے جانا ممکن نہ ہو تو مذہب غیر پر فتویٰ دینے پر ان کو کوئی اشکال نہیں۔ اور عبارت کا جواب اسی جواب سے معلوم ہو گیا، کیونکہ فتوی اور قضا اس باب میں ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔ درمختار اور رسم المفتی میں ہے

" وحاصل ما ذكره العلامة قاسم في تصحيحه أنه لا فرق بين المفتي والقاضي" قلت أى في اتباع ما رجحوه كما صرح به الشامي.

علاوہ ازیں مذکورہ بالا عبارت میں فتوی اور قضاء دونوں کی اجازت کی صراحت ہے، مثلاً بزازیہ کی عبارت میں فتوی کی تصریح اور جامع الفصولین کی عبارت میں قضا کی تصریح ہے۔

امر دوم کی جو تحقیق لکھی ہے کہ إفتاء بمذهب الغير کی ابتداء غیر معتمد مشائخ سے ہوئی ہے، اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ جب معتمد مشائخ نے اس کو قبول کر لیا، تو وہ قول معتمد ہو گیا، کما لایخفی ، دوسرا جواب یہ ہے کہ زاہدی وغیرہ سے اصل مسئلہ کی ابتداء نہیں ہوئی، ان سے ابتدا صرف اس کی ہوئی ہے کہ خاص ان جزئیات میں إفتاء بمذهب الغير (مذہب غیر پر فتوی دینے) کو نقل کیا ہے ورنہ اصل

مسئلہ **إفتاء بمذهب الغير** کاان کی نقل پر موقوف نہیں، کیونکہ اصل مسئلہ تو متقدمین اورمتاخرین کی تصریحات سے ثابت ہے، چنانچہ تعلیم قرآن پراجیر رکھنے کے جواز پر متاخرین میں سے صاحب ہدایہ وقاضی خاں اورصاحب کنز وغیرہ سب محققین فتوی دیتے ہیں، اور متقدمین میں سے امام فضلی اورفقیہ ابواللیث نے بھی فتوی دیا تھا(جس کی تفصیل حیلۂ ناجزہ باب دوم کے مقدمہ میں موجود ہے)۔

اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتوی دینے کے جواز پر مشائخ کا اتفاق ہے، اس کے بعد کسی خاص مسئلہ میں بالتخصیص فتوی منقول ہونے کی ضرورت نہیں رہتی، پس اگر زاہدی وغیرہ کی نقل نہ ہوتی، تب بھی اصل مسئلہ ثابت ہونے کے بعد ضرورت متحقق ہونے کے وقت زیر بحث مسئلہ میں فتوی دے سکتے تھے، اور اب ان کی نقل سے تائید ہوگئی، خاص کر جب محققین نے ان کی نقل کو قبول کرلیا، غرض زاہدی وقہستانی کا ضعف اس مسئلہ کی نقل میں مضر نہیں، کیونکہ وہ نقل صرف تائید کے واسطے ہے، اصل مدار ان پر نہیں، بلکہ مشائخ محققین یعنی امام فضلی وغیرہ پر ہے، بلکہ مسئلہ ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر پر فتوی دینے کی اصل خود امام یوسفؒ سے بھی منقول ہے، چنانچہ شامی نے رسم المفتی میں بزازیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے "**إنه صلى الجمعة مغتسلاً من الحمام ، ثم أخبر بفارة ميتة في بير الحمام ، فقال: نأخذ بقول إخواننا من أهل المدينة إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثاً**" اوراس کے بعد صاحب رسالہ نے ابن شحنہ سے بزازیہ کے حوالہ سے مسئلہ مفقود میں مذہب غیر کو اختیار کرنے پر ان الفاظ میں اعتراض نقل کیا ہے **لكنه اعترض على الناظم بأنه لا حاجة للحنفي إلى ذلك لأن ذلك خلاف مذهبنا، فحذفه أولى.**

چونکہ اس اعتراض میں خود یہ لفظ موجود ہے "**لا حاجة للحنفي إلى ذلك**" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن شحنہ وغیرہ ضرورت کے تحقق میں کلام کررہے ہیں، نہ کہ تحقق ضرورت کے بعد فتوی اور مذہب غیر پر فیصلہ کے جواز میں۔

اس کے بعد اسی امر دوم کے ختم کے قریب رسالہ کے ص ۳ پر جو لکھا ہے کہ لوگ بہت تعجب کریں گے جب علامہ شامی مذہب کے خلاف فتوی دینا منع کرتے ہیں اور زاہدی وقہستانی کو غیر معتبر بھی کہتے ہیں پھر بعض مسائل جیسے مفقود اور ممتدۃ الطہر وغیرہ کے بارے میں حرج اور ضرورت کے وقت امام مالکؒ کے قول پر عمل کرنا کیوں جائز لکھتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ شامی نے رفع حرج کے لئے مسئلہ کو ظاہر کردیا ہے، مگر خود نہ فتویٰ دیا اور نہ فتویٰ کی اجازت، بلکہ

یہاں تک احتیاط کیا کہ بجائے لفظ" یفتی" کے" یحکم" لکھا چنانچہ لکھتے ہیں۔

**"حیث لم یوجد مالکی یحکم به".**

اس میں یہ دعوی ہے کہ شامی نے رفع حرج کے لئے مسئلہ ظاہر کردیا، مگر خود نہ فتوی دیا، نہ فتوی کی اجازت، یہ نہایت ہی عجیب ہے کہ کیونکہ وہ تو موضع ضرورت میں فتوی اور مذہب غیر پر فیصلہ کی صاف تائید فرمارہے ہیں، چنانچہ ممتدۃ الطہر کے بارے میں ان کا جو قول ہے وہ تیسری عبارت کے جواب میں گذر چکا، اور زوجۂ مفقود کے بارے میں بھی اسی طرح صاف تائید کی ہے جیسا ابھی آتا ہے، اور اس کے بعد جو لکھا ہے بلکہ "یہاں تک احتیاط کیا کہ بجائے "یفتی" کے "یحکم" لکھا، اس جملہ کا کوئی صحیح مفہوم ہی معلوم نہ ہوسکا، جو اس پر کچھ کلام کیا جاتا، البتہ اتنی بات واضح ہے کہ اس جملہ سے شامی کا مقصود مذہب غیر پر قضاء وفتوی کی تائید وحمایت ہے، کیونکہ انہوں نے اول زوجۂ مفقود کے بارے میں مذہب مالک پر فتوی دینے کی تائید بزازیہ وغیرہ سے نقل کی ہے پھر لکھا ہے:

**" واعترض في النهر وغيره بأنه لا داعي إلى الإفتاء بمذهب الغير، لإمكان الترافع إلى مالكي يحكم بمذهبه"۔**

اس کے بعد جواب میں لکھا ہے:

**" لكن قدمنا أن الكلام عند تحقق الضرورة حيث لم يوجد مالكي يحكم به".**

پس سمجھ میں نہیں آتا کہ مؤلف رسالہ اپنے دعوی پر اس سے استدلال کس طرح کرنا چاہتے ہیں؟ اس عنوان کے بعد حاصل تحریرات کے اخیر میں جو درج ہے کہ اگر مالکی مذہب کے قاضی اور مفتی نہ ہوں تو مجبوراً مذہب مالکیہ کے پورے احکام کی پابندی کرتے ہوئے احناف خود عمل کرسکتے ہیں، اس میں اول تو سخت اشکال یہ ہے کہ یہ اجازت دینا بھی فتویٰ ہے، جس سے صاحب رسالہ دوسروں کو منع کررہے ہیں، کیا فتوی کے لئے خاص لفظ فتوی کی شرط ہے؟ دوسرے یہ کہ خود عمل کیسے ممکن ہے؟ جب کہ مذہب مالکیہ میں قاضی کا فیصلہ شرط ہے، اور قاضی کو مذہب غیر پر فیصلہ سے صاحب رسالہ منع کرتے ہیں، تیسرے یہ ہے کہ عامی کو از خود تو اپنے مذہب کی ضعیف روایت پر بھی عمل کی اجازت نہیں، جو مذہب غیر پر عمل کرنے سے اہون ہے، چنانچہ شامی نے علامہ بیری سے نقل کیا ہے:

**هل يجوز للإنسان العمل بالضعيف من الرواية في حق نفسه؟ نعم، إذا كان له رأي، أما إذا كان عاميا فلم أره، لكن مقتضى تقييده بذي الرأي أنه لا يجوز**

**للعامی ذلک، قال فی خزانة الروایات: العالم الذي يعرف معنى النصوص والأخبار وهو من أهل الدراية يجوز له أن يعمل عليهاو إن كان مخالفاً لمذهبه.**

پھر مذہب غیر پر عمل کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟

چوتھے عامی کو مذہب غیر معلوم کیسے ہوگا؟ جبکہ اہل علم کو اس رسالہ میں بتلانے تک سے بھی منع کیا گیا ہے، گو پھر خود بتلا بھی رہے ہیں، اور اس پر عمل کی اجازت بھی دے رہے ہیں۔

امر سوم کی تحقیق میں مختلف روایات نقل کر کے جو اضطراب ظاہر کیا گیا ہے اس کا مختصر حل یہ ہے کہ ابن ابی شیبہ کی روایت ''کہ حاکم امر کند ولی فقید را بہ طلاق زن باین رفتہ مالک'' کتب مالکیہ بلکہ خود مدونہ امام مالکؒ کی تصریحات کے خلاف ہونے کے سبب قابل اعتماد نہیں، اور مسک الختام کی عبارت (اگر زن بست سال ماندہ رفع بحاکم کند اجل برائے اواز سرنو گیرند واگر صغیرۃ یا آئسہ یا زوج او صغیر است ہمیں چار سال باشد) کا محمل غلط ٹھہرا کر یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ چار سال کی مدت صرف صغیرہ اور آئسہ یا زوجۂ صغیر کے لئے ہے، اس لئے شبہ میں پڑ گئے، ورنہ اس کا تو صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ صغیرہ اور آئسہ کے لئے بھی وہی چار سال کی مدت ہے جو کبیرہ حائضہ کے لئے، جو اس سے پہلے بیان ہوئی، نہ معلوم اس کے یہ معنی کس طرح قرار کر لیے کہ صغیرہ کا اور حکم ہے اور کبیرہ کا اور؟

اور اب رہ گئیں درمختار اور فتح الباری کی روایتیں سو اِن میں اجمال اور تفصیل کا فرق ہے اور یہ اضطراب نہیں کہلاتا، اور گو فتح الباری سے کسی قدر تفصیل معلوم ہوگئی، مگر دراصل فتح الباری کی روایت بھی مجمل بلکہ موہم ہے، اگر پوری تحقیق اور صحیح تفصیل مطلوب ہو تو حیلۂ ناجزہ ملاحظہ فرمایا جائے، اس میں مدینہ منورہ کے علمائے مالکیہ سے مبسوط اور مدلل فتاوی حاصل کر کے شائع کئے گئے ہیں۔ فقط **الله أعلم**۔

آٹھویں جزء میں خدشہ تو کئی مقدمات پر ہے، مگر ہم بغرض اختصار صرف اصل مقصد پر کلام کرتے ہیں، جیسا کہ دوسرے اجزاء میں بھی ضروری امور پر کلام کیا گیا ہے، اس جزءِ ہشتم کا اصل مقصد یہ ہے کہ حاکم کی رائے کے سپرد کرنے کا قول جو فقہ حنفی میں موجود ہے، اس میں زوجۂ مفقود کے لئے کافی رعایت موجود ہے، اس واسطے دوسرے امام کا مسلک اس باب میں اختیار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، غالباً مؤلف نے تفویض کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ حاکم کو کلی اختیار ہے کہ جب چاہے مفقود پر موت کا حکم لگائے، اسی واسطے اس بارے میں مؤلف نے احسن المقال کے عنوان میں تفویض الی رأی الإمام کا

یہ ترجمہ کیا ہے کہ مفقود کا معاملہ قاضی اسلام کے حوالہ کردیا جائے، لیکن دراصل اس قول کا یہ مطلب نہیں ،اس واسطے اس قول سے کوئی سہولت اور رعایت نہیں نکل سکتی، اصل مطلب اس قول کا یہ ہے کہ مفقود پر موت کا حکم لگانے کے لئے مشائخ مذہب سے جو مختلف مدتیں منقول ہیں ان پر مدار رکھنے سے بہتر یہ ہے کہ حاکم خود مفقود کے حالات میں غور کرے، اور جب اس کی موت کا ظن غالب ہوجائے اس وقت موت کا حکم لگائے، چنانچہ شامی نے شرح وہبانیہ سے تفویض کی یہ تفسیر نقل کی ہے:

**"أن ينظر ويجتهد ويفعل ما يغلب على ظنه فلا يقول بالتقدير، لأنه لم يرد به الشرع بل ينظر في الأقران والزمان والمكان ويجتهد".**

اس کے بعد زیلعی کا قول لکھا ہے:

**"لأنه يختلف باختلاف البلاد، وكذا غلبة الظن تختلف باختلاف الأشخاص، فإن الملك العظيم إذا انقطع خبره يغلب على الظن في أدنى مدة أنه قدمات"**

پھر خود تحریر فرماتے ہیں:

**" ومقتضاه أنه يجتهد ويحكم القرائن الظاهرة الدلالة على موته، وعلى هذا يبتنى ما في جامع الفتاوىٰ حيث قال: إإذا فقد في المهلكة فموته غالب، فيحكم به، كما إذا فقد في وقت الملاقاة مع العدو الخ".**

اسکے بعد فرماتے ہیں:

**"وأفتى به بعض مشائخنا، وقال: إنه أفتى به قاضي زاده صاحب بحر الفتاوى، لكن لا يخفى أنه لا بد من مضى مدة طويلة حتى يغلب على الظن موته لا بمجرد فقده عند ملاقاة العدو الخ".**

تعجب ہے کہ اس قدر صاف تصریحات پیش نظر ہوتے ہوئے صاحب رسالہ نے قاضی کے لئے اختیار مطلق کو کیسے تجویز کیا؟

الغرض ان تصریحات سے یہ ثابت ہوگیا کہ مفقود پر موت کے حکم کا مدار دراصل غلبۂ ظن پر ہے، خواہ وہ غلبۂ ظن اس کے ہم عمروں کی وفات سے حاصل ہو، خواہ اتنی مدت گذرنے سے حاصل ہوا ہو جتنی مدت تک عموماً انسان زندہ نہیں رہتے۔ خواہ دیگر ظاہری قرائن سے حاصل ہو اور غلبۂ ظن کے بغیر موت کا حکم لگا دینے کا ہرگز اختیار نہیں ہے، جب یہ واضح ہوگیا، تو پھر اس

قول میں صرف اس مفقود کی عورت کو سہولت ہوگئی، جس کی موت پر ظاہری قرائن دلالت کرتے ہوں، اور عام مفقودین کی عورتوں کے لئے کوئی سہولت نہ نکلی، بلکہ ان کے واسطے ہنوز وہی دقت باقی ہے جس سے سخت پریشانی ہے، پھر چونکہ حاکم کی رائے کے سپرد کرنے کا وجود قاضی اسلام پر موقوف ہے، اور ہندوستاں میں اس وقت اس کا تحقق نہیں، اور کوشش کے باوجود کامیابی کی جلد امید نہیں، اس لئے مفقود کی بیوی کو ہندوستان میں بحالت موجودہ کچھ بھی سہولت نہ ہوئی، اور جب ضرورت باقی ہے تو رفع حرج کے لئے لامحالہ قول مالکیہ اختیار کرنا پڑے گا، **كما لا يخفى، وهذا آخر ما أردنا إيراده في هذا المقام. والتوفيق بيد الملك العزيز العلام۔**

**حرره الأحقر عبد الكريم عفي عنه.**

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون مؤرخہ ۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

از اشرف علی عفی عنہ۔

بغور دیکھا ماشاء اللہ کافی وافی ہے، اس کو امداد الاحکام میں نقل کرادیا جائے۔

# رسالہ
# رفاق المجتہدین
## کا تتمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لوجهه الكريم، والصلوة والسلام على رسوله العظيم "سراپا کرم" أكرمكم الله الكريم .السلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

رفاق المجتہدین کا مطالعہ کیا۔ صغیرہ، آئسہ وصغیرہ الزوج کی تخصیص، اور علامہ شامی کا بجائے "یفتی" کی" یحکم" کہنا ان دونوں میں مجھ سے ضرور تسامح ہوا، اس کو نکال دوں گا اب واقعہ سنیئے۔

ایک مقامی عالم نے زوجۂ مفقود کے بارے میں بقول امام مالکؒ فتوی لکھا، اور قضا برعایت مذہب مالکی کا حکم دیا، اس وقت میں نے یہ تحریر بہت جلدی میں مرتب کی، اور اتنی تحریر کی نقل دشوار تھی، اپنی آسانی کے لئے چھپوایا اور پینتیس (۳۵) جگہ روانہ کیا، مگر اب تک سوائے آپ کے کہیں سے نہ تائید آئی نہ تردید، بعد میں معلوم ہوا کہ المرقومات کوئی رسالہ شائع ہوا ہے، اس سے مقامی عالم نے اخذ کیا ہے، چنانچہ المرقومات ایک شخص سے دستیاب ہوئی، اور اس کو دیکھا مگر اس میں اصل فتاوی کے لئے حیلۂ ناجزہ کا حوالہ دیا گیا مگر حیلۂ ناجزہ باوجود کوشش بلیغ کے دستیاب نہیں ہوئی، دہلی سہارنپور، دیوبند سب جگہ سے جواب آیا ہے کہ موجود نہیں اب آپ اپنی تحریر میں جابجا حیلۂ ناجزہ کا حوالہ لکھتے ہیں اگر ممکن ہو تو ایک نسخہ مجھے ضرور عطا فرمائیں تا کہ استفادہ کرسکوں، فی الحال امور ذیل کے جواب سے مجھے ضرور مطمئن فرمایئے، امید ہے کہ انہیں

سے اختلاف مرتفع ہو جائے گا۔

(۱) تفویض کا مطلب جو میں نے لکھا ہے وہ درمختار کے ذیل میں فتح کے حوالہ سے علامہ شامی نے بھی نقل فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا:

**قال في الفتح : فأي وقت رأى المصلحة حكم بموته**، ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ رویت معمولی نہ ہو بلکہ نظر واجتہاد وحصول غلبۂ ظن کے بعد ہو، مگر اختیار کلی اس سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں، اس پر مزید غور فرمایئے، اس کے طے ہو جانے پر سب طے ہو جائے گا۔

(۲) **نصب القاضي بالتراضي** صحیح ہے یا نہیں۔

(۳) اور **بعد نصب القاضي بأنواعه الثلثة المذكورة في وفاق المجتهدين** سہولت ہوگی یا نہیں، تحکیم بمنزلۂ قضا اور محکم مثل قاضی ہوتا ہے خصوصاً صاحب درمختار نے جو لکھا ہے اس پر کافی غور فرمایئے **ثم استثناء الثلثة يفيد صحة التحكيم في كل المجتهدات، كحكمه بكون الكنايات رواجع وفسخ اليمين المضافة إلى الملك وغير ذلك، لكن هذا مما يعلم ويكتم ، وظاهر الهداية أنه يجيب بلا يحل فتأمل (در مختار باب التحكيم) .**

اب مجھے صرف یہی عرض کرنا ہے کہ اگر مذہب حنفی کی رو سے قضا یا تحکیم کے ذریعہ سے زوجہ مفقود کی خلاصی ہو سکتی ہے تو مذہب غیر پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے، مذہب غیر پر عمل کی اجازت بعد ضرورت ہے ، اور یہاں خود گنجائش موجود ہے، اس کے جواب سے ضرور مطلع فرمایئے، خصوصاً درمختار کا یہ جملہ ”هذا مما يعلم ويكتم“ بہت توجہ سے غور کے لائق ہے

بخدمت جناب مولانا اشرف علی صاحب سلام مسنون بوحدت مضمون عرض ہے، میری تحریر مولانا کی خدمت میں ضرور پیش فرمایئے کہ تحقیق حق مطلوب ہے۔

# الجــواب

مولانا المکرّم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ صادر ہوا، آپ نے احقر کی معروضات پر خاص توجہ فرمائی، اس کا شکر گذار ہوں، اور حسب الطلب حیلۂ ناجزہ ایک صاحب کی طرف سے ہدیۂ مرسل خدمت ہے، اس کے بھیجنے کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ اگر ملاحظہ کے بعد آپ اس سے اتفاق کرلیں تو اس پر تقریظ لکھ کر روانہ فرمائی جائے، اب استفسارات مندرجہ والا نامہ کے متعلق جو کچھ خیال ناقص میں آیا وہ بھی پیش خدمت ہے، امید کہ حسب سابق توجہ سے ملاحظہ فرما کر جو رائے ہوگی اس سے مطلع فرمائیں گے۔

(۱) عریضۂ سابقہ سے واضح ہو چکا ہے کہ "تفويض إلى رأى الإمام" کا یہ مطلب ہے کہ حاکم کو جب قرائن ظاہرہ دالہ سے موت مفقود کا غلبۂ ظن ہو جائے تو وہ بدون موت اقران بھی حکم بالموت کرسکتا ہے، کیونکہ موت اقران سے غلبۂ ظن ہی ہوتا ہے، جب وہ دوسرے طریق سے حاصل ہوگیا تو اصل مقصود میں خلل نہیں آتا، اور جب غلبۂ ظن شرط ٹھہرا، اور وہ بھی مقترن بالقرائن الظاهرة الدلالة، تو حاکم کے لئے کلی اختیار کیسے ثابت ہوسکتا ہے، اور فتح القدیر میں "قال بعضهم يفوض إلى القاضي" کے بعد جو فأى وقت رأى المصلحة حكم بموته موجود ہے اس میں مصلحت سے مراد غلبۂ ظن ہی ہے كما يعلم من صنيع الشامي رحمة الله عليه حيث قال تحت قول الدر (واختار الزيلعي تفويضه إلى رأى الإمام) قال في الفتح:

فأى وقت رأى الحكمة حكم بموته، قال في البحر: وفي الينابيع: قيل: يفوض إلى رأي القاضي ولا تقدير فيه في ظاهر الرواية، وفي القنية جعل هذا رواية عن الإمام.

قلت: والظاهر أن هذا غير خارج عن ظاهر الرواية أيضاً بل هو أقرب

**إليـه من القول بالتقدير ، لأنه فسره في شرح الوهانية بأن ينظر ويجتهد ويفعل ما يغلب على ظنه، فلا يقول بالتقدير ، لأنه لم يرد به الشرع بل ينظر في الأقران والزمان والمكان ويجتهد.**

نیز علامہ زیلعی جنھوں نے اس قول کو مختار کہا ہے وہ اختیار کی یہ وجہ بیان فرماتے ہیں،**لأنه (أي العمر الذي لا يعيش بعده غالباً) يختلف باختلاف البلاد، وكذا غلبةالظن يختلف باختلاف الأشخاص الخ" .**

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات نے مصلحت کو عام نہیں رکھا، بلکہ اقران اور زمان ومکان میں غور کرنے کے بعد غلبۂ ظن سے اس کی تفسیر کی ہے،اور اس تفسیر کو تسلیم کرنا لازم ہے، کیونکہ اگر اس قول کی یہ تفسیر تسلیم نہ کی جائے بلکہ یہ محمل قرار دیں کہ قاضی کو علی الاطلاق اختیار ہے تو اس قول کو درست کہنا بھی ممکن نہ رہے گا، کیونکہ اس وقت یہ قول ظاہر الروایۃ میں داخل نہ ہو سکے گا، جس کی وجہ سے شامی وغیرہ نے تائید کی ہے، بلکہ ایک جدید قول ہوگا، جس کی مساعدت نہ کسی روایت سے ہوسکتی ہے نہ درایت سے، اور ظاہر ہے کہ ایسا قول کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا، پس اس باب میں قاضی کے واسطے اختیار کلی تجویز کرنا سراسر بے اصل ہے۔**لم يقل به أحد من أهل العلم فيما أعلم، والله أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب۔**

(۲) تراضی مسلمین سے قاضی کا تقرر درست نہیں، چنانچہ شامی نے بزازیہ سے نقل کیا ہے۔ **لو اجتمع أهل بلدة على تولية وأحد القضاء لم يصح الخ .**

اورعلامہ شامی نے جو اس کے بعد فرمایا ہے:

**وقلت : وهذا حيث لا ضرورة وإلا فلهم تولية القاضي أيضاً كما يأتي بعده**، اس میں اول تو سخت اشکال یہ ہے کہ عبارت آئندہ جس کا حوالہ دیا گیا ہے، اس میں **يجعلونه واليأفيولي قاضياً** ہے، اور براہ راست عامہ کے طرف سے تقرر قاضی کا اس میں کوئی ذکر نہیں، پس مدعا ثابت نہ ہوا۔

دوسری یہ عرض ہے کہ جس ملک میں تراضی مسلمین سے قاضی کو قوت وشوکت حاصل ہوجائے، وہاں تو کچھ گنجائش بھی ہوسکتی ہے، مگر اس ملک میں تقرر عامہ سے کچھ کام نہیں چل سکتا،

بلکہ ایک اختلاف جدید کا وسیع باب کھل جائے گا، اس کو صحیح کہنا کسی طرح قرین قیاس نہیں۔

(۳) انواع ثلثہ میں سے نوع اول یعنی "یجعلونه والیاً فیولی قاضیاً" کا وقوع تو ہمارے دیار میں نہایت ہی بعید ہے، اور نوع دوم کا نا کافی ہونا ابھی نمبر۲ میں گذر چکا، اور نوع سوم یعنی "ولی الکافر علیهم ورضیه المسلمون" ممکن ہے، لیکن سالہا سال سے برابر سعی جاری ہے، مگر ہنوز روز اول ہے، اور اگر خدا کرے کامیابی بھی ہو جائے تب بھی قول مالکیہ کو اختیار کئے بغیر چارہ نہیں، کیونکہ قاضی کے حوالہ سے مشکل حل نہیں ہوتی، جیسا کہ عریضہ سابقہ میں بھی معروض ہو چکا ہے۔

(۴) اول تو صاحب ہدایہ وغیرہ جیسے جلیل القدر مشائخ کرام کے خلاف کی جرأت مشکل ہے، خاص کر جب کہ ان کے قول کی علت یعنی تجاسر عوام کا اندیشہ آج کل روز افزوں مشاہدہ ہو رہا ہے، دوسرے مفقود میں تحکیم متصور ہی نہیں، کیونکہ تحکیم میں تراضی فریقین شرط ہے، اور مفقود کی رضا بھی مفقود ہے، لہذا تحکیم کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا، واللہ أعلم وعلمه أتم وأحکم۔

کتبه الأحقر عبد الکریم عفی عنه

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون یکم محرم الحرام ۱۳۵۵ ہجری

آپ کا خط بھی مولانا دامت برکاتہم کے ملاحظہ سے گذار دیا تھا، اور عریضہ ہذا بھی، عریضہ ہذا کی تصویب فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب کو میری طرف سے سلام لکھ دینا، اور یہ بھی لکھ دینا کہ آپ کی جدوجہد سے دل خوش ہوا، دعائے برکت کرتا ہوں، حق تعالی زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

ساتواں رسالہ

# ہندوستان اور نظام قضاء

ہندوستان میں نظام قضاء کا تاریخی جائزہ اور قضاء کی ضرورت، شرعی حیثیت
اور نصب قاضی کے طریقۂ کار کے بارے میں خالص علمی اور فقہی بحث
کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں!


مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی
استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ (انڈیا)
صدر معہد الشریعہ، لکھنؤ (انڈیا)

[redacted]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حرف چند

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ مسلمانوں میں اسلامی شریعت کے تئیں بیداری بڑھتی جارہی ہے اور اپنی زندگی اور سماج میں احکام شریعت کے نفاذ کے لئے جدوجہد تیز ہورہی ہے، اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہندوستان کے مختلف مقامات پر دارالقضاء کا قیام ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے ابتداء قیام سے مسلمانان ہند کو نظام قضاء قائم کرنے اور اپنے تنازعات اسلامی شریعت کی روشنی میں حل کرانے کی طرف متوجہ کیا، اور اجلاس جے پور (۱۹۹۳ء) میں ہندوستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں بورڈ کی طرف سے قیام دارالقضاء کی جدوجہد کا فیصلہ کیا اور نظام قضاء کے قیام واستحکام کو اپنے پروگرام میں شامل کیا۔

بورڈ کے اجلاس جے پور کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے مختلف صوبوں اور شہروں میں دارالقضا قائم ہوئے اور ان کی بہتر کارکردگیاں سامنے آئیں، لیکن ابھی اس کام میں مزید تیز روی اور تسلسل کی ضرورت ہے تاکہ اسلام کا نظام عدل پانی اور ہوا کی طرح ہر جگہ فراہم اور فراواں ہو۔

نظام قضاء اور قاضی کے بارے میں بہت سے علمی وفقہی سوالات اور شبہات تھے جنھیں ہندوستان کے حالات کے پس منظر میں حل کرنے اور ازالہ شبہات کی ضرورت تھی، زیر نظر کتاب اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ۱۹۸۷ء میں لکھی گئی، سابق صدر بورڈ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ (جو تاحیات امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے قاضی القضاۃ بھی رہے) نے اسے پسند فرما کر پہلی بار امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی جانب سے شائع فرمایا اور اپنے بیش قیمت مقدمہ سے بھی اس کو آراستہ فرمایا، اس کتاب کی دوسری اشاعت آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے ۲۰۰۰ء میں ہوئی، کتاب کے نسخے ختم ہوگئے اور اہل علم کی طرف سے کتاب

کا مطالبہ جاری ہے خاص طور سے اہل علم کے حلقوں میں قیام دار القضاء کے سلسلے میں ماحول سازی میں اس کتاب نے بڑا مؤثر رول ادا کیا اس لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس کتاب کی تازہ اشاعت کا فیصلہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کا تازہ ایڈیشن سابق ایڈیشنوں کی طرح قبولیت حاصل کرے اور تحریک دار القضاء کو آگے بڑھانے میں مؤثر رول ادا کرے اور بارگاہ ایزدی میں مقبول ہو۔

عتیق احمد بستوی
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۰۱۰/۸/۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پیش لفظ وتعارف

از: حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمیؒ

انصاف قائم کرنا، حقوق کی حفاظت اور شرع اسلامی کی تنفیذ امت مسلمہ کا اہم ترین فریضہ ہے، اللہ کے اتارے ہوئے قانون کو زندگی میں نافذ کر کے ہی ہم قیام عدل کے فریضہ کو انجام دے سکتے ہیں اور مسلمانوں کی زندگی کو اسلامی اساس پر منظم کر سکتے ہیں، وہ مشینری جو اللہ کی شریعت کو انسانوں پر نافذ کرتی ہے اور ان کے باہمی تنازعات کو خدا کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصل کرتی ہے، اصطلاحِ شرع میں اسے قضاء کہتے ہیں اور جو اس منصب پر فائز ہو اسے قاضی کہتے ہیں۔

فقہائے اسلام نے بہت تفصیل کے ساتھ ان مسائل واحکام کو تحریر فرمایا ہے جو قضاء قاضی کے محتاج ہیں یعنی مسلمانوں کی زندگی میں روزمرہ ایسے حوادث پیش آسکتے ہیں، جن کا حل قاضی شرع ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، اور یہ حالات صرف ان مسلمانوں کو نہیں جو اسلامی حکومت کے ماتحت رہتے ہوں بلکہ ان مسلمانوں کو بھی پیش آتے رہتے ہیں جو غیر مسلم اقتدار کے تحت زندگی گزار رہے ہوں۔

کتاب وسنت میں ایسا کوئی استثناء بھی نہیں کہ غیر مسلم اقتدار میں بسنے والے مسلمانوں کو ان احکام پر عمل سے چھوٹ مل گئی ہو، تو اب سیدھا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غیر مسلم اقتدار کے تحت آباد اسلامی معاشرہ ان شرعی احکام پر کس طرح عمل کرے؟

ہمارے فقہاء نے حالتِ اختیار اور حالت ضرورت میں مختلف احکام میں فرق کیا ہے، بہت سی وہ صورتیں جو حالتِ اختیار میں درست نہیں، وہ حالت ضرورت میں جائز قرار پاتی ہیں اور بہت سے وہ شرائط جو حالت اختیار میں معتبر ہیں، حالت ضرورت میں ان کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے اس کی بہت سی نظیریں فقہ کے دفاتر میں پھیلی ہوئی ہیں اور اربابِ نظر سے مخفی نہیں۔

حالات کی ان تبدیلیوں کے نتیجے میں جو مسائل اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں ان کا حل ہمیشہ اصول وکلیاتِ شرع، قواعد فقہ اور شرع کے بنیادی مقاصد کو سامنے رکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ جزئیات اور حوادث میں تغیر ہے، وہ وقت، زمانہ اور عرف کے پابند ہوتے ہیں، لیکن اصول و کلیات اور قواعد شرع ہر عہد میں، ہر ملک میں اور ہر عرف میں اپنی جگہ قائم و برقرار رہتے ہیں۔

ہندوستانی مسلمان مغل اقتدار کے زوال کے بعد کئی مشکلات سے دوچار ہوئے اور آزادی کے بعد خصوصاً پچھلے چند برسوں میں مسلم پرسنل لا کو درپیش چیلنج کی وجہ سے پیچیدگیاں اور بڑھ گئیں، اگر مسلمان مضبوط شرعی تنظیم اور منضبط نظام قضاء پورے ملک کے پیمانے پر منطقی موشگافیوں سے بلند ہو کر قواعدِ شرع کی روشنی میں قائم نہیں کر لیتے تو ہندوستان میں مسلمانوں کی اسلامی زندگی اور دینی معاشرت کو شدید خطرہ پیش آ سکتا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ ہمارے دوست مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی بستوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (جن کی فقہی بصیرت کا میں معترف ہوں) نے اس موضوع پر ایک محققانہ رسالہ لکھا ہے اور مسئلہ کے ہر پہلو پر انہوں نے اصولی بحثیں جمع کر دی ہیں اور فقہاء کی تصریحات کو سلیقے کے ساتھ مرتب کر دیا ہے، مجھے یقین ہے کہ اصحابِ فکر ونظر کے لیے یہ رسالہ مفید ثابت ہوگا، اور دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اہم ترین فریضہ کو جسے ایمان کے بعد قوی ترین فرض قرار دیا گیا ہے، انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے، مسلمانوں میں کتاب وسنت کی طرف رجوع اور اپنے قضاۃ کے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا جذبہ پیدا فرمادے۔

آمین

**(مولانا) مجاہد الاسلام قاسمی**

(قاضی شریعت دارالقضاء مرکزی)

امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

۱۲ / ربیع الاول ۱۴۰۸ھ ۴ / نومبر ۱۹۸۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# نظام قضاء اور مسلمان

تاریخ کے ہر دور میں مسلمان جہاں بھی رہے خواہ وہ حاکم بن کر رہے یا محکوم بن کر انہوں نے نظام قضاء برپا کرنا اپنا اولین دینی فریضہ تصور کیا اس لیے کہ قضاء شرعی کے بغیر مسلم معاشرے کے لیے اسلامی زندگی کا تصور ممکن نہیں، تاریخ اسلام کے ہر دور میں اسلامی عدالتوں اور مسلم قاضیوں کے بے لاگ فیصلوں نے عدل وانصاف، مساوات انسانی اور قانون شریعت کی بالادستی کی ایسی روشن مثالیں دنیا کے سامنے پیش کی ہیں جن کا تصور بھی دنیاوی عدالتیں نہیں کرسکتیں، ہمارے مسلم قاضیوں نے قانون کی بالادستی قائم رکھتے ہوئے ایک معمولی رعیت کی درخواست پر خلیفۃ المسلمین، سلطانِ وقت اور بڑے بڑے جابر امراء کو فریقِ مقدمہ کی حیثیت سے اسلامی عدالت میں طلب کیا ہے اور ان کے خلاف فیصلوں کو نافذ کیا ہے، قاضیوں کے ان بے لاگ فیصلوں نے دعوتِ اسلام کے لیے راہیں ہموار کیں اور غیر مسلموں کے قلوب قبولِ اسلام کے لیے کھول دیئے۔

## ہندوستان میں قضاء شرعی کا نظام:

ہندوستان میں سب سے پہلے جنوبی ہند اور گجرات کے ساحلوں پر مسلمانوں کے قدم پہنچے، قرون اولیٰ کے یہ مسلمان اکثر وبیشتر تجارت کے سلسلے میں ہندوستان وارد ہوئے، ان تاجروں نے ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں، دعوت اسلام کا فریضہ بھی انجام دیا، یہ ابتدائی دور ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت واقتدار، سطوت وشوکت کا دور نہیں بلکہ ان کی محکومیت کا دور تھا، پھر بھی انہوں نے اپنی آبادیوں میں قضاء شرعی کا نظام قائم کیا اور اس وقت کے ہندو راجاؤں اور حکمرانوں نے مذہبی رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمان قاضیوں کی قانونی حیثیت تسلیم کی، ان کے فیصلوں کو واجب التسلیم قرار دیا، اولوالعزم مسلمان سلاطین وفاتحین نے سرزمین ہند کو فتح کرنے کے بعد پورے ہندوستان میں اسلام کا نظام عدل نافذ کیا اور تقریبا

مسلمانوں کے پورے دور اقتدار میں ہندوستان پر اسلامی قانون کی بالادستی رہی، لیکن مسلم سلاطین نے غیر مسلموں کے مذہبی معاملات میں ادنیٰ مداخلت نہیں کی غیر مسلموں کو ان کے مذہب اور رسم و رواج پر عمل کرنے کی پوری آزادی دی، ان کے مذہبی امور و عبادات کا انتظام و انصرام بالکلیہ انہیں کے مذہبی پیشواؤں، پنڈتوں اور پروہتوں کے ہاتھوں میں دیدیا، ہندوؤں کو ان کے پرسنل لا پر عمل کرنے اور اپنے تنازعات ہندو پرسنل لا کے مطابق فیصل کرانے کی پوری آزادی دی۔

## انگریزی دور میں نظام قضاء:

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد انگریزوں نے ہندوستان پر حکمرانی شروع کی تو انہوں نے اسلامی تہذیب وثقافت کا ہر نقش ہندوستان سے مٹا دینا چاہا، تمام شعبہ ہائے زندگی کی طرح انہوں نے محکمۂ عدلیہ سے بھی اسلام کے اثرات محو کرنے کا منصوبہ بند پروگرام بنایا، تدریجاً انہوں نے اسلامی قوانین منسوخ کر کے اپنے وضع کردہ قوانین ہندوستان کی عدالتوں میں نافذ کیے، ۱۸۵۷ء کی جنگ میں چونکہ مسلمانوں نے قائدانہ رول ادا کیا اور ہندوستان میں برطانوی قصرِ استعمار کی بنیادیں متزلزل کردیں، اس لیے انگریزوں نے حالات پر قابو پانے کے بعد مسلمانانِ ہند کو ظلم وستم کا خصوصی نشانہ بنایا، مسلمانوں کو من حیث القوم فنا کے گھاٹ اتارنے اور انہیں مذہب کے عزیز ترین سرمایہ سے محروم کرنے کا جو طویل المیعاد منصوبہ انگریزوں نے تیار کیا اسی کا ایک جزء یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کا اسلامی تشخص ختم کردیا جائے اور مسلمانانِ ہند کو اسلامی قانون سے ہمیشہ کے لیے محروم کردیا جائے اس منصوبہ کے تحت ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے بڑی برق رفتاری کے ساتھ عدلیہ کا پورا ڈھانچہ تبدیل کر کے رکھ دیا، ۱۸۶۲ء میں اسلامی تعزیرات کو منسوخ کر کے تعزیرات ہند کا نفاذ عمل میں آیا، ۱۸۶۴ء میں زبردست قدم اٹھاتے ہوئے برطانوی حکومت ہند نے مسلمان قاضیوں کی تقرری موقوف کردی، ۱۸۶۴ء سے قبل ہر علاقہ میں حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی مقرر کیے جاتے تھے، جو مسلمانوں کے خانگی اور عائلی تنازعات میں شریعت اسلامی کے مطابق فیصلے دیا کرتے تھے ۱۸۶۴ء میں نظام قضاء کے خاتمہ کے بعد مسلمان مجبور ہوگئے کہ اپنے خالص خانگی اور عائلی جھگڑے، نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ سے متعلق قضیے بھی غیر مسلم ججوں کی عدالت میں لے جائیں، ۱۸۷۲ء میں اسلامی قانون شہادت

کی حکمرانی عدالتوں سے ختم کردی گئی، اس کی جگہ انسانی ذہنوں کا تراشا ہوا قانون شہادت نافذ کیا گیا، غرضیکہ ایک ایک کر کے اسلامی قصرِ عدالت کی ساری اینٹیں جدا کر کے پورے عدالتی نظام کو غیر اسلامی خطوط پر استوار کیا گیا، اور یہ سب کچھ سنگینوں کی نوک پر جبر وتشدد کے سہارے کیا گیا، مسلمانوں کی آہ وفریاد، نالہ واحتجاج نے کوئی اثر نہیں کیا۔

امتداد زمانہ کے ساتھ انگریزوں کے جوشِ غضب میں اور جذبۂ انتقام میں قدرے کمی ہوئی، مسلمانوں میں بھی ایک طبقہ پیدا ہوا جس نے برسرِ اقتدار قوم سے مستقل رسہ کشی قوم مسلم کے لیے مضر سمجھ کر انگریزوں سے رسم وراہ پیدا کی، مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان نفرت و عداوت کا جو گہری خلیج پیدا ہوگئی تھی اسے پاٹنے کی کوشش کی، دوسری طرف انگریز حکام نے محسوس کیا کہ ظلم وانتقام کی پالیسی خود حکومت کے حق میں مضر ہے، ہندوستانی مسلمانوں کا حقیقت پسندانہ مطالعہ کرنے کے بعد انگریز مبصرین اس نتیجہ تک پہنچے کہ مسلمان مذہب کے سلسلے میں سب سے زیادہ حساس واقع ہوئے ہیں اور برطانوی حکومتِ ہند سے مسلمانوں کی نفرت وعداوت کا سب سے اہم سبب ان کے دینی معاملات میں صریح مداخلت ہے، بالآخر مرکزی مجلس قانون ساز کے مسلم اراکین کی تحریک اور کوششوں سے ۱۹۳۷ء میں شریعت ایکٹ منظور ہوا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''وراثت، نکاح، فسخ نکاح بشمول طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، خلع، مبارات، نفقہ، مہر، ثبوتِ نسب، امانت، جائیداد، حق شفعہ، ہبہ اور اوقاف کے معاملات میں مسلمان لازمی طور پر مسلم پرسنل لا کے تابع ہوں گے، وصیت اور تبنیت کے معاملات میں مسلم پرسنل لا کا اطلاق اختیاری ہوگا۔''

# شریعت ایکٹ کے بعد

شریعت ایکٹ منظور ہونے سے اسلامی قانون کے ایک جزء کو جسے ہم عائلی قوانین سے تعبیر کرتے ہیں، قانونی تحفظ حاصل ہوا لیکن عائلی قوانین کے تعلق سے دو پہلو شریعت ایکٹ منظور ہونے کے بعد بھی نظر ثانی اور ترمیم کے محتاج تھے۔ (۱) مسلمانوں کے عائلی اور معاشرتی نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لیے مسلم قاضیوں کا تقرر شرعاً ضروری تھا، کیونکہ غیر مسلم جج کا فیصلہ خواہ اسلامی قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو شرعاً نافذ العمل نہیں ہوتا، لہٰذا اگر ایک غیر مسلم جج خالص

شریعت اسلامی کے مطابق ایک مسلمان عورت کا نکاح فسخ کرتا ہے تو شرعاً نکاح فسخ نہیں ہوتا اور وہ عورت دوسرا نکاح کرنے کی مجاز نہیں ہوتی، شریعت ایکٹ مسلمانوں کے لیے اسی وقت کارآمد ومفید ہوسکتا تھا جب کہ مسلمانوں کے عائلی مقدمات کے فیصلے اور شریعت ایکٹ کے نفاذ کے لیے ہر علاقہ میں مسلمان قاضی مقرر کئے جاتے۔ (۲) دوسرا قابلِ توجہ پہلو یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند کی غالب اکثریت چونکہ حنفی المسلک ہے اس لیے عدالتیں عملاً اس کی پابند تھیں کہ شریعت ایکٹ کے دائرے میں آنے والے تنازعات میں فقہ حنفی کے مطابق فیصلہ کریں، فقہ حنفی کی رو سے فسخِ نکاح کے سلسلے میں قاضی کا دائرۂ اختیار محدود سے محدود تر ہے، عورتوں پر شوہروں کے مظالم دن بہ دن بڑھ رہے تھے، اسلامی شریعت سے دوری کی وجہ سے شوہر عموماً بیویوں کے حقوق ادا کرنے میں بڑی کوتاہی برت رہے تھے، شوہر کی مفقود الخبر ی، عدم ادائے نان ونفقہ، بلاوجہ ضرب وکوب اور مظالم وغیرہ کی وجہ سے بہت سی عورتیں زندگی سے عاجز تھیں، اس طرح کے حالات میں بھی فقہ حنفی کی رو سے نکاح فسخ کرنے کا اختیار قاضی کو حاصل نہیں، اس پوری صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ شوہروں کے مظالم سے رہائی کے لیے بعض مسلمان عورتیں ارتداد کا راستہ اختیار کرنے لگیں، مسلمان عورتوں کے ارتداد کے بعض ایمان سوز، روح فرسا حوادث پیش آئے۔

## علماء کا کارنامہ:

دوسرے مسئلہ کی طرف اس دور کے اکابر علماء اور فقہاء نے پوری توجہ کی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگرانی وسرپرستی میں ''الحیلۃ الناجزہ'' کی تالیف کا انقلاب انگیز کارنامہ انجام پایا، عورتوں پر ہونے والے مظالم کا سدباب کرنے کے لیے ضرورت شدیدہ کی بناء پر چند اسباب فسخ کو فقہ مالکی سے اختیار کیا گیا اور فسخ نکاح کے سلسلے میں قاضی کے دائرۂ اختیار کو وسعت دی گئی تاکہ ستم رسیدہ عورتوں کی دادرسی عدالت کے ذریعہ کی جاسکے اور مسلمان عورتیں ارتداد جیسے ایمان سوز اقدام کا خیال دل میں نہ لائیں، حضرت تھانویؒ نے ان مسائل پر محض اپنا فتویٰ صادر نہیں فرمایا بلکہ تمام قابل ذکر علماء ہند کا ان مسائل پر اتفاق حاصل کیا۔

الحیلۃ الناجزہ کی تالیف کے بعد حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور دوسرے اکابر علماء نے مجلس قانون ساز کے بعض مسلم اراکین کو اس پر آمادہ کیا کہ الحیلۃ الناجزہ کی روشنی میں فسخ نکاحِ

مسلمین کے سلسلے میں ایک بل مجلس قانون ساز میں منظور کرائیں، اس بل کا مسودہ بھی حضرات علماء نے تیار کر کے دیا، قاضی بل کا مسودہ بھی اسی کے ساتھ منسلک تھا، سید محمد احمد کاظمی نے یہ مسودۂ قانون مرکزی مجلس قانون ساز میں پیش کیا اور تین سال کے بحث ومباحثہ کے بعد ۱۹۳۹ء میں قانون ''فسخ نکاح مسلمین'' پاس ہوا، مگر بعض نام نہاد مسلم اراکین مجلس قانون ساز کی پرزور مخالفت کی وجہ سے فسخِ نکاح کے لیے مسلم قاضی کی شرط ختم کر دی گئی اور مسلمانوں کا ایک بڑا مذہبی مسئلہ حل ہوتے ہوتے رہ گیا۔

بیسوی صدی کے ابتدائی دہوں میں پورا ہندوستان تحریک آزادی کے نعروں سے گونج رہا تھا، ہندوستان کی تمام قومیں ہندوستان کی آزادی کے لیے جان ومال کی بازی لگا رہی تھیں، آزادی کی جد و جہد میں مسلمان کسی قوم سے پیچھے نہیں تھے، تحریک آزادی میں مسلمان علماء، قائدین اور عوام اپنی تناسبِ آبادی سے کہیں زیادہ حصہ لے رہے تھے، تحریکِ خلافت نے آزادی کی جنگ میں ایک نئی روح پھونک دی تھی، کانگریس آزادی کی جدوجہد کرنے والی سب سے بڑی سیاسی جماعت تھی، کانگریس کے صفِ اول کے قائدین میں بہت سے مسلم رہنما اور علماء شامل تھے، جمعیۃ علماء ہند کانگریس کے شانہ بشانہ جدوجہد آزادی میں شریک تھی، اس لیے آزادی سے پہلے کانگریس نے اپنی متعدد سالانہ کانفرنسوں کی قراردادوں میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے مسئلہ کو شامل کیا، اور مسلمانوں سے صریح وعدہ کیا اور یقین دہانی کرائی کہ آزادی کے بعد مسلم پرسنل لا کا پورا تحفظ کیا جائے گا اور اس میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

## آزادی کے بعد:

آزادی کی صبح بڑی قربانیوں اور تمناؤں کے بعد طلوع ہوئی، لیکن یہ صبح جس کا مدتوں سے انتظار تھا، مسلمانوں کے لیے بڑی بھیانک ثابت ہوئی، تقسیمِ ملک کے نتیجہ میں نفرت وعداوت کا بادل پورے ملک پر چھا گیا، بے گناہوں کے خون سے ہندوستان کی زمین لالہ زار ہوگئی، ہندوستانی مسلمان بے پناہ خوف وہراس میں مبتلا ہو گئے، مسلمانوں نے آزادی کا جو سہانا خواب دیکھا تھا وہ بکھر کر رہ گیا، انہیں حالات میں آئینِ ہند مرتب اور منظور ہوا، دستور ہند کے واضعین نے مذہب، زبان، تہذیب کی آزادی کو بنیادی حقوق میں شامل ضرور کیا لیکن مذہب کی آزادی کا

دائرہ کہاں تک ہے اس کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کی اور اس کے دائرہ کا تعین عملاً عدلیہ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا، حیرت ہے کہ جس دستورِ ہند میں پسماندہ اقوام اور بعض اقلیتوں کے تعلق سے معمولی جزئیات کی تفصیل موجود ہے، اسی دستور میں اقلیتوں کے پرسنل لا کے تحفظ سے متعلق ایک جملہ بھی موجود نہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ دستور ہند کے واضعین نے مسلم اراکین کی مخالفت کے باوجود دستور ہند کے ''مملکت کے رہنما اصول'' کے حصہ میں دفعہ ۴۴ کے عنوان سے یکساں سول کوڈ کا شوشہ چھوڑا ہے اور اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے سروں پر ننگی تلوار لٹکا دی ہے تاکہ جب بھی حالات سازگار ہوں اقلیتوں کے پرسنل لا کا سر قلم کیا جا سکے۔

# موجودہ حالات کا جائزہ

**موجودہ** حالات میں مسلمانوں کو اپنی تہذیب وثقافت، ایمان وعقیدہ، قانون و شریعت کے سلسلے میں برطانوی دور حکومت سے بھی زیادہ بھیانک اور سنگین صورت حال کا سامنا ہے، آج کل ہندوستان میں مذہب اسلام اور اسلامی شریعت خصوصاً اسلام کے عائلی قوانین پر ہر طرف سے وار ہو رہے ہیں، ایک طرف حکومت ہند ہے جو یکساں سول کوڈ کے لئے مسلسل اور منظم جدو جہد کر رہی ہے تا کہ ہندوستانی عدالتوں سے اسلامی شریعت کی آخری نشانی یعنی مسلم پرسنل لا کو محو اور شریعت ایکٹ (۱۹۳۷ء) کے ''مضر اثرات'' کو زائل کر سکے۔

دوسری طرف ہندو احیاء پسند تنظیمیں اور ہندو فرقہ پرست پریس ہے یہ لوگ ہندو سماج سے ''ستی'' جیسی شرمناک انسانیت سوز رسم کا تقدس تو ختم نہیں کر سکے، ایک نئے عہد میں قدم رکھنے کے باوجود ''ستی'' جیسے کتنے ناسور ہندو سماج میں فروغ پا رہے ہیں، ہندو سماج میں جہیز اور تلک کی تباہ کاریاں پورے شباب پر ہیں، آئے دن اخبارات میں اس سلسلے میں شرمناک خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں، ہندو احیاء پرست اور ''مصلحین'' اپنے سماج کی خبر لینے کے بجائے مسلم خواتین کی ''ہمدردی'' میں گھلے جا رہے ہیں، مسلم خواتین خصوصاً مطلقہ عورتوں کو مسلمان مردوں کے ''مظالم اور پنجۂ استبداد'' سے رہائی دلانے کے لئے ان کی رات کی نیندیں اڑ گئی ہیں اور دن کا سکون غائب ہو گیا ہے، اسلام دشمن فرقہ پرست پریس مسلم سماج کی تصویر بہت بگاڑ کر پیش کر رہا ہے اور ہر مضمون کی تان اسی پر جا کر ٹوٹتی ہے کہ مسلمان خواتین کی بدحالی کا بنیادی سبب مسلم پرسنل لا ہے، لہٰذا مسلم پرسنل لا ختم کیا جانا چاہئے۔

تیسری طرف نام نہاد ترقی پسندوں اور تجدد پسندوں کا گروہ ہے، یہ لوگ اگر چہ نسلاً مسلمان ہیں، لیکن لادینی تعلیم وتربیت، ایمان سوز افکار ونظریات کے نتیجہ میں اسلامی شریعت اور مسلم اسلامی عقائد سے ان کا اعتماد اٹھ چکا ہے، اپنے ماضی سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے، یہ لوگ

قرآن وسنت اور مبادئ اسلام کے بارے میں بھی شک وشبہ میں مبتلا ہیں اور خالص ملحدانہ افکار و عقائد میں گرفتار ہیں لیکن نسلاً مسلمان ہونے اور مسلم سماج سے بہت سے مفادات وابستہ ہونے کی وجہ سے واضح طور پر مسلم پرسنل لا کو ختم کرنے کی بات نہیں کہہ سکتے اس لئے اسلام کے عائلی قوانین میں اصلاح وترمیم اور اس کی نئی تعبیر وتشریح کی ضرورت پر زور دیتے ہیں، اس کے لئے کانفرنسیں کرتے اور فضا ہموار کرتے ہیں، لطف کی بات یہ ہے کہ اس طبقہ کی طرف سے نکاح و طلاق و میراث کے جن مسائل میں اصلاح و ترمیم کی تجویزیں بار بار دہرائی جاتی ہیں، ان میں سے نوّے فیصد ایسے مسائل ہیں جن کا تعلق قیاس واجتہاد سے نہیں بلکہ قرآن وسنت کے صریح احکام سے ہے، نام نہاد مسلمان تجدد پسندوں کا یہ طبقہ ہمارے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے، اس طبقہ کی دسیسہ کاریوں اور شک انگیزیوں کا بڑے پیمانے پر پردہ چاک کرنا ہمارا سب سے اہم فریضہ ہے، کیونکہ اسلام دشمن طاقتیں ''نسلی مسلمانوں'' کے اِسی طبقہ کو آلۂ کار بنا کر اسلام کے عائلی قوانین میں دخل اندازی کی راہیں ہموار کرتی ہیں۔

ادھر چند برس سے ہندوستانی عدلیہ کا طرزِ عمل بھی اسلامی عائلی قوانین کے تعلق سے مسلمانوں کے لئے خاصا پریشان کن اور اضطراب انگیز ہوگیا ہے، ہندوستان کا یہ معزز ادارہ جس نے متعدد موقعوں پر عدل وانصاف کا نام روشن کیا، اور انتہائی نازک موقعوں پر بڑے عادلانہ اور جرأت مندانہ فیصلے دیئے مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں گومگو میں مبتلا نظر آتا ہے اور مسلم پرسنل لا کے قضیہ میں اس کی حیثیت جج کے بجائے فریق کی ہوگئی ہے، ۱۹۸۵ء میں سپریم کورٹ کی آئینی بنچ نے شاہ بانو کیس میں جو فیصلہ دیا اس نے عدلیہ کے اس خطرناک رجحان کو واضح کردیا، اس فیصلہ میں ایک طرف بڑے صریح اور تیکھے انداز میں حکومت کو یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کا مشورہ دیا گیا، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ ''شریعت ایکٹ'' کی پابندی عدلیہ کو سخت ناگوار ہے، دوسری طرف نفقۂ مطلقہ اور حقوقِ مطلقہ کے سلسلے کی قرآنی آیات کی ایسی من مانی تشریح کی گئی جس کی تائید چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں کسی مفسر، فقیہ وعالم کے قول سے نہیں ہوتی، اس فیصلے میں قرآنی آیات کی من مانی تعبیر وتشریح کی جو نظیر قائم کی گئی تھی اگر وہ باقی رہتی تو ''شریعت ایکٹ'' حرفِ بے معنی ہوکر رہ جاتا اور ہمارے دقیقہ سنج، نکتہ رس ماہرین قانون جس قانون پر چاہتے کھینچ

تان کر قرآن وسنت کی قباحت کر دیتے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ نے بالکل بروقت اس فیصلے کے خلاف رائے عامہ بیدار کی، بورڈ کی قیادت نے بڑی جرأت و دانشمندی سے اس فیصلہ کے خلاف تحریک چلائی، مسلمانان ہند نے بڑے جوش وخروش سے اس تحریک کا استقبال کیا اور اسے تعاون دیا، بالآخر مسلمانوں کی سنجیدہ اور بامقصد جد وجہد رنگ لائی، مسلمانوں کی ہندوستان گیر تحریک اور دانشمندانہ افہام وتفہیم کے نتیجہ میں شاہ بانو کیس کے تباہ کن اثرات زائل کرنے کے لئے ہندوستان کی پارلیمنٹ نے مطلقہ بل منظور کیا، مطلقہ بل کے خلاف سپریم کورٹ میں متعدد رٹ دائر ہوئے، جن کا فیصلہ سپریم کورٹ نے دانیال لطیفی کیس میں اس طور پر کیا کہ نتیجۃً مطلقہ بل تقریباً حرف بے معنی ہو کر رہ گیا اور اب مسلسل شاہ بانو کیس کے فیصلہ کی طرح فیصلے عدالتوں سے صادر ہو رہے ہیں، اس کے علاوہ بعض نام نہاد مسلم خواتین اور تنظیموں کے دائر کردہ متعدد مقدمات مختلف ہائیکورٹوں اور سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہیں، جن میں مسلم پرسنل لاء کو کُلاً یا جزءاً چیلنج کیا گیا ہے۔

# مسلمانان ہند کی ذمہ داری

مذہب وشریعت کے تعلق سے ان نازک تر حالات میں مسلمانان ہند کو بڑی بیداری، ہوشمندی، قربانی کا ثبوت دینا ہے، انہیں چومکھی لڑائی لڑنی ہے۔ غیروں کی سازشوں اور حملوں، اپنوں کی دسیسہ کاریوں اور ضمیر فروشیوں کا بھرپور مقابلہ کرنا ہے، مسلمان یہ چومکھی لڑائی اسی وقت کامیابی سے لڑ سکتے ہیں جب وہ ہر محاذِ جنگ پر پوری چوکسی کا ثبوت دیں اور اپنی صفوں میں انتشار نہ پیدا ہونے دیں، باطل طاقتوں کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کے ساتھ ساتھ خود مسلم سماج میں دو مثبت اور تعمیری کام ان نازک تر حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے از حد ضروری ہیں۔

# اصلاح معاشرہ

سب سے اہم اور ضروری کام یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلم سماج کو اسلامی خطوط پر استوار کیا جائے اور معاشرتی اصلاح کے لئے بڑے پیمانے پر جد وجہد کی جائے، یہ واقعہ ہے کہ ہمارے سماج کا ایک بڑا طبقہ اسلام کی بنیادی اور معاشرتی تعلیمات سے بالکل بے گانہ ہے، خصوصاً ہماری نئی نسل جو

عصری تعلیم گاہوں میں تعلیم وتربیت پا کر نکل رہی ہے، اسلام کے بنیادی عقائد اور عائلی قوانین سے نہ صرف بیگانہ بلکہ بدظن بھی ہے، نکاح، طلاق، میراث اور دوسرے عائلی مسائل کے بارے میں اسلامی تصورات وتعلیمات سے اکثر مسلمان ناواقف ہیں، خاندان کے افراد دوسروں کے حقوق اور اپنے فرائض سے بے خبر ہوتے ہیں، اسلامی تعلیمات سے بیگانگی اور صحیح اسلامی تصورات سے دوری کا نتیجہ ہے کہ ہماری خانگی زندگی کا سکون غارت ہو چکا ہے اور ہر شخص دوسرے سے برسرِ پیکار ہے، ہر آن نئے نئے خانگی تنازعات وجود میں آرہے ہیں، شوہر بیوی سے ناخوش، بیوی شوہر سے تنگ، والدین اولاد سے نالاں، اور اولاد والدین سے شاکی، پھر یہ خانگی معاملات ونزاعات گھر کی چہار دیواری تک محدود نہیں رہتے بلکہ بعض اوقات فتنہ وفساد، قتل وقتال، عدالتی چارہ جوئی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، اور یہ خانگی تنازعات عدالتوں میں پہنچنے کے بعد شاہ بانو کیس جیسی قیامت امت مسلمہ کے سر پر ڈھاتے ہیں، مخالفین کو اس بات کا موقع فراہم کرتے ہیں کہ اپنی طرف سے خوب خوب رنگ آمیزی کر کے مسلم سماج کی بھیانک، رسوا کن تصویر دنیا کے سامنے پیش کریں اور اسلامی شریعت پر براہ راست حملے کریں۔

اس پر مستزاد یہ ہے کہ ہندو سماج سے تاثر کے نتیجے میں بہت سی ہلاکت خیز ہندوانہ رسمیں مسلم سماج میں راہ پا گئی ہیں، ہمارے مسلم گھرانے بھی فرائض سے بڑھ کر ان رسموں کی پابندی کرتے ہیں، خواہ اس کے لئے دین وایمان، مال ودولت، راحت وسکون سب کچھ قربان کرنا پڑے، جہیز، تلک، بارات، مشترکہ خاندان اور اس طرح کے بے شمار رسوم وآداب ہم نے غیر مسلم سماج سے قبول کر لئے ہیں، جس کے نتیجہ میں ہمارا مسلم معاشرہ شدید مصائب ومشکلات سے دوچار ہے اور ہمارے عائلی نظام کی تیلیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی ہیں۔

مسلم معاشرہ کو اسلام کے بنیادی عقائد وتعلیمات، معاشرتی تصورات سے روشناس کرانے، مسلمانانِ ہند کی زندگی صحیح اسلامی سانچے میں ڈھالنے نیز معاشرتی اصلاح اور غیر اسلامی رسوم وعادات کے استیصال کے لئے بڑے پیمانے پر مسلسل، منظم اور مثبت جد وجہد کی ضرورت ہے، یہ کام جس قدر صبر آزما اور مشکل ہے اتنا ہی ضروری ہے، اسلامی شریعت کے تعلق سے موجودہ نازک تر حالات ومشکلات کا سب سے کامیاب اور پائیدار حل یہی کام ہے، لیکن یہ کام نہ تنہا چند افراد کے بس کا ہے نہ کسی ایک جماعت کا، مسلمانوں کی تمام دینی وملی جماعتیں اور ادارے اگر اس کام سے پوری دلچسپی لیں تو غالباً خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو سکے۔

# دار القضاء کا قیام

مسلم معاشرے میں کرنے کا دوسرا اہم کام یہ ہے کہ پورے ملک میں دار القضاء قائم کئے جائیں، ملک کے ہر ہر علاقہ میں اسلامی عدالتوں کا جال بچھا دیا جائے، مسلمان طے کرلیں کہ اپنے مقدمات خصوصاً خانگی اور عائلی تنازعات سرکاری عدالتوں کے بجائے اسلامی عدالتوں میں لے جائیں گے اور اسلامی عدالتوں کے فیصلے خوشی خوشی اپنے اوپر نافذ کریں گے، شرعی عدالتوں کا قیام مسلمانوں کی دینی ذمہ داری ہے اور موجودہ حالات میں اسلام کے عائلی قوانین کو اسلام دشمنوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کا تنہا راستہ بھی ہے، مسلمانوں میں یہ احساس بیدار کیا جائے کہ باہمی نزاعات میں شرعی عدالتوں سے فیصلہ حاصل کرنا ان کی دینی ذمہ داری ہے، پورے ملک میں شرعی عدالتوں کے لئے فضا ہموار کی جائے، شرعی عدالتیں قائم کی جائیں، یہ عدالتیں ایسی منظّم باضابطہ اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ کام انجام دینے والی ہوں کہ لوگوں کا ان پر پورا بھروسہ ہو۔

مسلم پرسنل لا بورڈ نے ضرورت اور حالات کی نزاکت محسوس کر کے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں نظام قضاء قائم کرنے کی جدوجہد شروع کردی ہے، خدا کرے بورڈ کو اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو۔

## مقالہ کا پس منظر:

ہندوستان میں قاضی مقرر کرنے کی شرعاً گنجائش ہے کہ نہیں؟ اگر نصبِ قاضی ہندوستان میں شرعاً درست ہے تو نصب قاضی کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ ان سوالات کے جوابات خالص علمی اور فقہی انداز میں پیش کرنے کی اگلے صفحات میں کوشش کی گئی ہے، آئندہ صفحات میں آنے والا مضمون دراصل ’’ہندوستان اور مسئلہ قضاء‘‘ کے عنوان پر ایک مقالہ ہے جو دار العلوم ندوۃ العلماء کی ’’کلیۃ الشریعہ واصول الدین‘‘ کی طرف سے ہونے والی مجلس مذاکرہ کی دونشستوں میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ وطلبہ کے سامنے پیش کیا گیا تھا، بعض بڑوں کے حکم اور احباب کے اصرار پر اس مقالہ کو کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام

صاحب قاسمی قاضی القضاۃ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ نے خاص طور سے اس مقالہ کو بہت پسند فرمایا اور اصلاح واضافہ کے سلسلے میں بعض قیمتی مشورے دئے ان کی ہمت افزائی اور توجہ ہی کے نتیجے میں یہ مقالہ زیورِ طبع سے آراستہ ہونے جا رہا ہے۔

میری دعا ہے کہ ہندوستان میں شرعی عدالتوں کے قیام کے لئے فضا ہموار کرنے میں یہ رسالہ معاون ثابت ہو اور عنداللہ قبولیت کی سند حاصل کرے۔

# نظام قضاء کی ضرورت

ہندوستان ہی نہیں دنیا کے جس خطے میں بھی مسلمان آباد ہیں، نظام قضاء قائم کرنا ان کا ایک اہم دینی فریضہ ہے، تمام مسلمانوں سے خواہ وہ کسی ملک یا خطہ کے رہنے والے ہوں، قرآن وسنت کا مطالبہ ہے کہ اگر باہم اختلاف ونزاع کی صورت پیدا ہو جائے تو اسلامی شریعت کے مطابق اپنے تنازعات کا فیصلہ کرائیں، اس مقصد کے لئے ہر شہر اور خطہ میں قاضی کا ہونا ضروری ہے، جو اسلامی شریعت پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ فہم وفراست، تقویٰ ودیانت کے اوصاف سے بھی متصف ہو، قرآن مجید میں ان لوگوں پر سخت نکیر کی گئی ہے جو ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود غیر اسلامی عدالتوں میں اپنے مقدمات لے جاتے تھے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ آمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلَالاً بَعِيْداً. (سورہ نساء آیت ۶۰)۔

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں، حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس کا انکار کریں اور شیطان (تو یہ) چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر رستے سے دور ڈالدے۔

اللہ جل شانہ نے اس حقیقت کو بڑے زور وتاکید کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنے مقدمات عدالت محمدی میں لے جائیں اور وہاں سے صادر ہونے والے فیصلے کو دل وجان سے تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہوں۔

فَلاَ وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمَا. (سورہ نساء آیت:۶۵)۔

تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قانون الٰہی کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ قانون شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے انہیں فاسق، کافر اور ظالم کہا گیا ہے۔

## نصب قاضی کا شرعی حکم:

فقہائے اسلام نے متفقہ طور پر نصب قاضی کو فرض قرار دیا ہے، امام علاء الدین ابو بکر کاسانی متوفی ۵۸۷ھ نے لکھا ہے:

نصب القاضی فرض لأنه ينصب لإقامة أمر مفروض و هو القضاء، قال الله تعالیٰ: ﴿يا داؤد إنا جعلناک خلیفة في الأرض فاحكم بين الناس بالحق...﴾ وقال تبارک و تعالى لنبينا المكرم عليه أفضل الصلاة والسلام: ﴿فاحكم بينهم بما أنزل الله﴾ فكان نصب القاضی لإقامة الفرض؛ فكان فرضا ضرورة (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع)۔

قاضی مقرر کرنا فرض ہے کیونکہ قاضی کا تقرر ایک فرض کام کی انجام دہی کے لئے ہوتا ہے، وہ فرض کام قضاء ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرو'' اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ان لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ کیجئے... چونکہ قاضی کا تقرر ایک فرض کی انجام دہی کے لئے ہوتا ہے لہٰذا لازماً تقرر قاضی فرض ہوا۔

شمس الائمہ امام سرخسیؒ متوفی ۴۹۰ھ لکھتے ہیں:

إعلم أن القضاء بالحق من أقوى الفرائض بعد الإيمان بالله وهو أشرف العبادات. (کتاب المبسوط لشمس الدین السرخسی، ج۱۶، ص۵۹)۔

جان لو کہ حق کے مطابق فیصلہ کرنا ایمان باللہ کے بعد اہم ترین فرائض میں سے ہے اور ساری عبادتوں سے اشرف عبادت ہے۔

## ہندوستان میں قضاء شرعی کی ضرورت:

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد اکابر علماء کو ہر دور میں نظام امارت اور نظام قضاء کے قیام کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۳۹ھ ۱۸۲۳ء وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے انگریزی تسلط کے بعد ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا، شاہ صاحبؒ نے اس بات پر بھی اپنے فتاویٰ میں زور دیا کہ ہر علاقہ کے مسلمان اپنا امیر مقرر کرلیں اور اسی کے ماتحتی میں وہ تمام اجتماعی کام انجام دیں جو امیر و قاضی کے بغیر انجام نہیں پاسکتے ہیں۔

اقامت جمعہ در دارالحرب اگر از طرف کفار والی مسلمان در مکانے منصوب باشد، باذن او درست ولا مسلمانان را باید کہ یک کس را کہ امین ومتدین باشد رئیس قرار دہند کہ باجازت وحضور او اقامت جمعہ واعیاد وانکاح من لاولی من الصغار وحفظ مال غائب وایتام و قسمات ترکات متنازع فیہا علی حسب السہام می نمودہ باشد (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۳۴)۔

اگر کفار کی طرف سے مسلمان والی دارالحرب کے کسی مقام پر مقرر ہو تو اس کی اجازت سے جمعہ قائم کرنا درست ہے، ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک امین اور متدین شخص کو خود ہی سردار (والی) مقرر کرلیں جس کی اجازت سے جمعہ اور عیدین قائم کی جائیں، اور اس کے حکم سے ان نابالغوں کا نکاح پڑھایا جائے جن کا کوئی والی نہیں ہے۔ غائب اور یتیموں کے مالوں کی حفاظت کی جائے اور نزاع والے ترکات کو حصص شرعیہ کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ متوفی ۱۳۵۲ھ-۱۹۳۳ء نے جمعیۃ العلماء کے اجلاس ہشتم منعقدہ دسمبر ۱۹۲۷ء میں تحریر فرمایا تھا: آج اگر اعداد و شمار سے کام لیا جائے اور نظر تدقیق وتفتیش سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں ایسی عورتوں کی تعداد جو اپنے خاوندوں کے جور وستم کی تختۂ مشق بنی ہوئی ہیں یا خاوندوں کے مفقود اور لاپتہ ہوجانے کی وجہ سے نان شبینہ کی محتاج ہیں، یا ظالم شوہروں نے ان کو

معلقہ بنا کر چھوڑ رکھا ہے، لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ایسی مظلوم عورتیں جب کہ کسی طرح اپنے خاوندوں کے جور وستم سے خلاصی حاصل نہیں کرسکتیں تو وہ بے بسی اور بے کسی کے عالم میں بدحواس ہوکر ارتداد کی طرف متوجہ ہوتی ہیں، ہندوستان میں اس قسم کے دلخراش اور ناگفتہ بہ کتنے ہی کیس ہو چکے ہیں جو مسلمانوں کی بد قسمتی میں ایسا اضافہ کرتے ہیں، جس کا جبر ناممکن ہے۔ایک مسلمان کا مرتد ہوجانا بھی مسلمانوں کے لئے مصیبت کبری ہے، پھر بالخصوص عورتوں کا ارتداد معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نہایت سخت مہلکہ ہے، خدا نہ کرے عورتوں میں اس قسم کی تحریک سرایت کرے۔ کیونکہ ان کی مذہبی ناواقفیت اور فطری کم عقلی خدا جانے کیا رنگ لائے گی اور مسلم قومیت کو کس قدر تباہی اور بربادی کے قریب کردے گی، دردمند مسلمانوں کا اس وقت سب سے بڑا فریضہ ہے کہ وہ ان بے کس اور بے بس مظلوم عورتوں کی گلوخلاصی کا پہلی فرصت میں سامان کریں اور اس کی ایک ہی سبیل ہے کہ محکمۂ قضاء قائم کرانے کی کوشش کریں اور محکمۂ قضاء ان بے چاریوں کے مصائب کا علاج کرے۔(خطبہ صدارت جمعیۃ العلماء اجلاس پشاور مطبوعہ ''سچ'' لکھنؤ ۲۷ جنوری ۱۹۲۸ء ص ۴)۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے مذکورہ بالا سطروں میں جس بھیانک صورتحال کی تصویر کشی کی ہے میرے خیال میں اس کی سنگینی میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا گیا، قانون انفساخ نکاح مسلمین'' کے ساتھ اگر ''قاضی بل'' بھی پاس ہوگیا ہوتا تو غالباً ستم رسیدہ عورتوں کی بدحالی کا علاج ہوجاتا لیکن اولاً موجودہ پیچیدہ تر عدالتی نظام میں انصاف حاصل کرنا ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی سر کرنے سے کم نہیں ہے۔ ہماری سرکاری عدالتوں میں سب سے گراں اور کمیاب چیز انصاف ہے، ثانیاً اگر ایک مظلوم عورت ''قانون انفساخ نکاح مسلمین'' کے تحت موجودہ غیر اسلامی عدالتوں سے نکاح فسخ کرانے میں کامیاب ہوگئی تو یہ فسخِ نکاح شریعت اسلامی کی نگاہ میں معتبر نہیں ہے، لہذا نظام قضاء کی ضرورت جوں کی توں قائم رہی۔

## قضاء کی شرعی حقیقت

ہندوستان میں نظام قضاء کی ضرورت واضح ہونے کے بعد آیئے قضاء کی حقیقت اور اس کا دائرۂ کار معلوم کرنے کی کوشش کریں، صاحب بدائع الصنائع نے قضاء کی تعریف کی ہے:

القضاء هو الحكم بين الناس بالحق والحكم بما أنزل الله عز و

جل (بدائع الصنائع ج ۷، ص ۲)

قضاء کے معنی لوگوں کے درمیان حق کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔

فتاوی عالمگیری میں قضاء کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

والقضاء فی الشرع قول ملزم یصدر عن ولایة عامة (فتاوی عالمگیری، ج ۳ ص ۳۰۶)

شریعت میں قضاء اس قول ملزم کو کہتے ہیں جو ولایت عامہ کی بنا پر صادر ہو۔

مشہور مالکی فقیہ ابن فرحون اندلسی (متوفی ۷۹۹ھ) نے حقیقت قضاء پر بحث کرتے ہوئے قدرے تفصیل سے لکھا ہے:

قال ابن راشد حقیقة القضاء الإخبار عن حکم شرعی علی سبیل الإلزام ... و فی المدخل لابن طلحة الأندلسي القضاء معناه الدخول بین الخالق و الخلق لیؤدي فیهم أوامره و أحکامه بواسطة الکتاب و السنة وقال القرافي حقیقة الحکم إنشاء إطلاق أو إلزام فالإلزام کما إذا حکم بلزوم الصداق أو النفقة أو الشفعة و نحو ذلک فالحکم بالإلزام هو الحکم وأما الإلزام الحسي من الترسیم والحبس فلیس بحکم لأن الحاکم قد یعجز عن ذلک وقد یکون الحکم أیضاً بعدم الإلزام (تبصرۃ الحکام لابن فرحون المالکی، ج ۱ ص ۸)۔

ابن راشد نے کہا ہے: لازم کرنے کے طریقہ پر حکم شرعی کی خبر دینے کا نام قضاء ہے ... ابن طلحہ اندلسی کی کتاب المدخل میں ہے کہ قضاء کا مفہوم ہے "کتاب وسنت کے ذریعہ خالق کے جو اوامر و احکام ہم تک پہنچے ہیں انہیں مخلوقات پر نافذ کرنے کے لئے خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ بننا۔

قرافی نے لکھا ہے حکم (قضاء) کی حقیقت چھوڑنے یا لازم کرنے کا انشاء ہے، الزام کی مثال مہر یا نفقہ یا شفعہ کے لازم ہونے کا فیصلہ کرنا ہے۔ لازم کرنے کا فیصلہ ہی دراصل حکم (قضاء) ہے۔ رہا "الزام حسی" مثلاً ترسیم، حبس تو یہ حقیقۃً حکم (قضاء) نہیں ہے، کیونکہ قاضی کبھی "الزام حسی" سے عاجز ہوتا ہے اور کبھی فیصلہ ہی "عدم الزام" کا ہوتا ہے۔

چند صفحات کے بعد ابن فرحون نے امام قرافی کا یہ قول نقل کیا ہے:

**أما ولاية القضاء فقال القرافي هذه الولاية متناولة للحكم لايندرج فيها غيره ... بل الحاكم من حيث هو حاكم ليس له الا الإنشاء أما قوة التنفيذ فأمر زائد على كونه حاكما فقد يفوض إليه التنفيذ وقد لايندرج في ولايته.** (تبصرۃ الحکام ج۱ص۱۲)۔

قرافی نے منصب قضاء کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ منصب محض فیصلہ کرنے کو شامل ہے، فیصلہ کرنے کے علاوہ کوئی اور چیز قضاء کی حقیقت میں شامل نہیں، قاضی کو من حیث القاضی محض انشاء حکم کا اختیار ہے، جہاں تک تنفیذی قوت کا تعلق ہے تو یہ قاضی ہونے سے زائد ایک چیز ہے، کبھی تنفیذ قاضی کو سونپی جاتی ہے اور کبھی اس کے دائرہ منصب میں شامل نہیں ہوتی۔

قضاء کا اساسی عمل اور اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس مسئلہ پر ابن خلدون کی درج ذیل عبارت سے اچھی روشنی پڑتی ہے۔

**ان القاضي انما كان له في عصر الخلفاء الفصل بين الخصوم فقط، ثم دفع لهم بعد ذلك امور اخرى على التدريج بحسب اشتغال الخلفاء والملوك بالسياسة الكبرىٰ واستقر منصب القضاء آخر الأمر على أنه يجمع مع الفصل بين الخصوم استيفاء بعض الحقوق العامة للمسلمين بالنظر في أمور المحجور عليهم من المجانين والمفلسين و أهل السفه و في وصايا المسلمين و اوقافهم و صارت هذه كلها من تعلقات وظيفة و توابع ولايته** (مقدمہ ابن خلدون ج ۲،ص ۶۳۰،مطبوعہ دار نہضۃ،مصر،القاہرہ)۔

خلفائے راشدین کے عہد میں قاضی کا کام صرف جھگڑنے والوں میں فیصلہ کرنا تھا، پھر جس قدر سیاست کبریٰ میں خلفاء وسلاطین کی مشغولیت بڑھتی گئی اسی رفتار سے تدریجاً دوسرے کام بھی قاضیوں کے حوالے کئے گئے، آخر کار منصب قضاء کا استقرار اس پر ہوا کہ یہ منصب نزاعات کا فیصلہ کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے بعض حقوق عامہ کی انجام دہی کو بھی شامل ہے، مثلاً پاگلوں، دیوالیوں، سفیہوں کے معاملات کی دیکھ بھال، مسلمانوں کی وصایا اور اوقاف کا انتظام، یہ سارے کام منصب قضاء سے وابستہ ہو گئے۔

قاضی کے اختیارات اور دائرۂ عمل کے بارے میں علامہ ابن قیمؒ نے بڑی عمدہ اور متوازن بات لکھی ہے:

**اعلم ان عموم الولايات و خصوصها وما يستفيده المتولي بالولاية يتلقى من الألفاظ والاحوال والعرف وليس لذلك حد في الشرع فقد يدخل في ولاية القضاء في بعض الامكنة والازمنة ما يدخل في ولاية الحرب وقد تكون في بعض الأمكنة والأزمنة قاصرة على الأحكام الشرعية فقط فيستفاد من ولاية القضاء في كل قطر ماجرت به العادة واقتضاه العرف** (تبصرۃ الحکام، ج ۱، ص ۱۳)۔

جان لو کہ مناصب کا عموم وخصوص اور کسی منصب کے ذریعہ حاصل ہونے والے اختیارات الفاظ، احوال وعرف سے سمجھے جاتے ہیں، شریعت نے اس کی کوئی حد بندی نہیں کی ہے۔ چنانچہ بعض مقامات پر اور بعض زمانوں میں منصب قضاء کے اندر ''منصب جنگ'' کی ذمہ داریاں بھی شامل ہوتی ہیں، اور بعض جگہوں اور بعض زمانوں میں منصب قضاء ''شرعی فیصلوں'' کے دائرہ میں محصور رہتا ہے، لہٰذا منصب قضاء سونپے جانے سے ہر خطہ میں وہاں کی عادت وعرف کے اعتبار سے اختیارات حاصل ہوں گے۔

## خلاصۂ بحث

اوپر ذکر کردہ اقتباسات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قضاء کی اصل حقیقت ''لوگوں کے تنازعات اور مقدمات میں حق کے مطابق اور قانون الٰہی کے مطابق فیصلے کرنا ہے'' یا دوسرے الفاظ میں ''بر سبیل الزام حکم شریعت کی خبر دینے کا نام قضاء ہے'' اور قضاء کی تعریف میں جو الزام مذکور ہے اس سے مراد الزام حسی نہیں بلکہ الزام معنوی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوتا ہے، قاضی کے فیصلہ کے بعد مقدمہ کے فریقین کے لئے لیت ولعل اور فیصلہ سے انحراف کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اس کے برخلاف مفتی کے فتویٰ کی یہ حیثیت نہیں ہوتی، ایک مفتی سے فتویٰ حاصل کرنے کے باوجود، مستفتی کو دوسرے مفتی کی طرف رجوع کرنے اور اس کے فتویٰ پر عمل کرنے کا شرعاً اختیار باقی رہتا ہے۔ فتویٰ میں الزام نہیں ہوتا، قاضی کے فیصلے کی الزامی حیثیت کو سمجھنے میں فقہ اسلامی کے باب التحکیم کے مطالعہ سے بڑی مدد مل

سکتی ہے، اگر کسی مقدمہ کے دونوں فریق کسی شخص کو حکم مان کر مقدمہ اس کے حوالہ کردیں اور وہ حکم اپنا فیصلہ صادر کردے تو فقہاء کی تصریحات کے مطابق حکم کے دئے ہوئے اس فیصلہ میں بھی الزام ولزوم کی صفت ہوتی ہے یعنی فریقین کے لئے اس فیصلہ کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا شرعاً لازم ہوتا ہے۔ اس الزام کا مطلب کوئی شخص یہ نہیں سمجھتا کہ حکم کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر اپنے فیصلہ کو نافذ کرانے اور اسے بروئے کار لانے کی قوت وطاقت ہو۔

تاریخ اسلام کے بیشتر ادوار میں قاضیوں کو قوتِ تنفیذ حاصل رہی لیکن قوت تنفیذ عمل قضاء کا رکن یا اس کے لئے شرط لازم نہیں ہے کہ تنفیذی قوت کے بغیر قضاء کا انعقاد ہی نہ ہوسکے، تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں فصل خصومات کے سوا اور دوسرے بہت سے کام منصب قضاء سے وابستہ رہے، اور قضاۃ اسے انجام دیتے رہے لیکن ان کی حیثیت عمل قضاء کے جزء یا شرط کی نہیں تھی، میرے خیال میں یہی حیثیت فیصلوں کی عملی تنفیذ کی بھی ہے جیسا کہ امام قرافیؒ نے اس کی صراحت کردی ہے۔

مشہور حنفی فقیہ علاء الدین علی بن خلیل طرابلسی متوفی ۸۴۴ھ نے بھی حقیقتِ قضاء پر بالکل وہی بحث کی ہے جو ابن فرحون مالکی کی تبصرۃ الحکام کے حوالہ سے نقل کی گئی، ملاحظہ ہو: معین الحکام ص ۷-۸۔

# انعقاد قضاء کے اسلامی طریقے

منصب قضاء کی ضرورت واہمیت اور قضاء کی حقیقت واضح ہونے کے بعد انعقاد قضاء کے شرعی طریقوں کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے، دوسرے الفاظ میں ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ قاضی مقرر کرانے کا اختیار کسے دیا گیا ہے۔

امیر المؤمنین یا سلطان مسلم کی موجودگی میں قاضی مقرر کرنے کا اختیار کلیۃً امیر یا سلطان کو ہوتا ہے یا اس قاضی القضاۃ کو جسے امیر یا سلطان نے بلاد اسلامیہ میں قاضی مقرر کرنے کا حق سونپا ہو، امیر المؤمنین یا سلطان مسلم کی موجودگی میں تمام اسلامی عہدوں کا سرچشمہ امیر وسلطان کی ذات ہوتی ہے، سلطان یا اس کا مقرر کردہ فرد ہی اس کا مجاز ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی کاموں کے لئے اور مفاد عامہ سے تعلق رکھنے والے عہدوں پر اہل افراد کا انتخاب اور نامزدگی

کرے لیکن امیر وسلطان کی عدم موجودگی میں دوسرے دینی اجتماعی عہدوں کی طرح قاضی مقرر کرنے کا اختیار بھی اہل حل وعقد کے ہاتھوں میں آجاتا ہے، امیر المسلمین اور سلطان مسلم کے نہ ہونے کی صورت میں سارے اجتماعی کاموں کی ذمہ داری عامۃ المسلمین کے سر آجاتی ہے جن کی نمائندگی اہل حل وعقد کرتے ہیں۔

## متکلمین کی تصریحات

فقدانِ امام وسلطان کی صورت میں نصب قاضی کا اختیار اہل حل وعقد کو حاصل ہونا کلام و فقہ کی کتابوں میں بڑی صراحت سے مذکور ہے۔ علم کلام کی مشہور کتاب ''مواقف'' میں امامت کی بحث میں مصنف نے شیعوں کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ جب قضاء وغیرہ جزئی امور کا انعقاد اہل حل وعقد کی بیعت اور انتخاب سے نہیں ہوسکتا، تو امامت عظمیٰ کا انعقاد کیسے ہوسکتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں مصنف ''المواقف'' نے وہ بات ذکر کی ہے جسے ہم یہاں نقل کرنا چاہتے ہیں۔

> **الثالث أن القضاء أمر جزئي ولا ينعقد بالبيعة فكيف الإمامة العظمى؟ قلنا لا نسلم عدم انعقاد القضاء بالبيعة للخلاف فيه، وان سلم فذلک عند وجود الإمام لإمكان الرجوع إليه في هذا المهم، وأما عند عدمه فلابد من القول بانعقاده بالبيعة تحصيلا للمصالح المنوطة به ودرءاً للمفاسد المتوقعة دونه** (المواقف فی علم الکلام للقاضی عبدالرحمٰن بن احمد الایجی۔ صفحہ ۳۹۹ طبع عالم الکتب۔ بیروت)

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ قضاء ایک جزئی کام ہے، اس کا انعقاد بھی اہل حل وعقد کی بیعت سے نہیں ہوتا پھر امامت عظمیٰ کا انعقاد بیعت سے، کس طرح ہوسکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ بیعت کے ذریعہ منصب قضاء کے عدم انعقاد کو ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اس میں اختلاف ہے اور اگر بیعت کے ذریعہ عدم انعقاد قضاء کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ حکم اس صورت کا ہے جب کہ امام موجود ہو، کیونکہ اس اہم کام کے لئے امام کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے لیکن امام کی عدم موجودگی کی صورت میں تو بیعت کے ذریعہ قضاء کے انعقاد کا قائل ہونا ضروری ہے، ان مصالح کو حاصل کرنے کے لئے جو قضاء کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان مفاسد کو دفع کرنے کے لئے جو بغیر قضاء کے متوقع ہیں۔

بالکل اسی طرح کا سوال و جواب علم کلام کی دوسری مشہور کتاب مقاصد اور اس کی شروح میں بھی مذکور ہے۔

الثاني أن أهل البيعة لا يقدرون على تولية مثل القضاء والاحتساب ولا علىٰ التصرف في فرد من آحاد الأمة فكيف يقدرون على تولية الرياسة الكبرىٰ وعلى اقدار الغير على التصرف فى أمر الدين والدنيا لكافة الأمة و رد بمنع الصغرى فان التحكيم جائز عندنا والشاهد يجعل القاضي قادراً على التصرف فى الغير ولو سلم فذلک لوجود من اليه التولية وهو الامام ولا كذلک اذا مات ولا امام غيره (شرح المقاصد للعلامۃ اسعد الدین عمر التفتازانی۔ج ۲،ص ۲۸۱)۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اہل بیعت قضاء اور احتساب جیسا منصب کسی کے حوالہ کرنے اور امت کے ایک فرد کے بارے میں تصرف کرنے پر قادر نہیں، پھر وہ لوگ امامت عظمیٰ کے منصب پر کسی کو مقرر کرنے اور اسے پوری امت مسلمہ کے دینی اور دنیوی امور میں تصرف کا حق دینے پر کیسے قادر ہوں گے؟ صغریٰ کی تردید کر کے اس اعتراض کا دفعیہ کیا گیا ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک حکم بنانا جائز ہے اور گواہ قاضی کو دوسرے کے بارے میں تصرف کرنے پر قادر بنا دیتا ہے، اور اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اہل بیعت کی بیعت سے عدم انعقادِ قضاء اور احتساب اس صورت میں ہے جب کہ امام جسے نصب قاضی کا اختیار حاصل ہے، موجود ہے اور اگر امام کا انتقال ہو گیا دوسرا شخص امام نہیں ہوا تو مذکورہ بالا حکم نہ ہوگا۔

مواقف و مقاصد کے تمام شارحین نے جو مختلف فقہی مسالک سے تعلق رکھتے ہیں، مذکورہ بالا عبارتوں کی تشریح و تائید کی ہے اور کسی نے اپنا اختلافی نوٹ نہیں لگایا۔

## اہل حل وعقد کی جانب سے نصب قاضی:

مواقف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام المسلمین کی موجودگی میں بھی کچھ فقہاء و مجتہدین کم از کم بعض مخصوص حالات میں اہل حل وعقد کی طرف سے نصب قاضی کو درست مانتے ہیں، اس کی تائید مشہور مالکی فقیہ علامہ برہان الدین ابراہیم بن محمد بن فرحون کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

قال المازري في شرح التلقين: القضاء ينعقد بأحد وجهين

أحدهما عقد أمير المؤمنين أو أحد أمراءه الذين جعل لهم العقد فی مثل هذا، والثاني عقد ذوي الرأي وأهل العلم والمعرفة والعدالة لرجل منهم كملت فيه شروط القضاء وهذا حيث لايمكنهم مطالعة الإمام في ذلک ولا أن يستدعوا منه ولاية ويكون عقدهم له نيابة عن الإمام الأعظم أو نيابة عن من جعل الإمام له ذلک للضرورة الداعية إلى ذلک . (تبصرۃ الاحکام، ج۱ص۱۵-۱۶)۔

مازری نے شرح تلقین میں لکھا ہے کہ: انعقاد قضاء کے دوطریقے ہیں (۱) امیر المؤمنین یااس کے کسی ایسے امیر کا منصب قضاء تفویض کرنا جسے امیر المؤمنین نے نصب قاضی کا اختیار دیا ہے۔(۲) اصحاب علم ومعرفت، عادل، صاحب رائے افراد کا اپنے میں سے کسی ایسے شخص کوقاضی مقرر کرنا جس میں قضاء کی شرطیں موجوہوں، دوسرا طریقہ اس جگہ درست ہوگا، جہاں کے لوگوں کا قاضی مقرر کرنے کا امام سے مطالبہ اور درخواست ممکن نہ ہو، ان لوگوں کا قاضی مقرر کرنا امام کی نیابت میں یا اس شخص کی نیابت میں ہوگا، جسے امام نے نصب قاضی کا اختیار دیا ہے کیونکہ ضرورت اس کی داعی ہے۔

## فقہائے کرام کی تصریحات:

امام وسلطان کی عدم موجودگی میں اہل حل وعقداور عامۃ المسلمین کی طرف سے قاضی مقرر کئے جانے کا مسئلہ چاروں فقہی مسالک کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے۔

پانچویں صدی ہجری کے مشہور حنبلی فقیہ ابویعلی محمد بن الحسین الفراء متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

ولو أن أهل بلد قد خلا من قاض اجمعوا على أن قلدوا عليهم قاضيا نُظرت فإن كان الإمام موجوداً بطل التقليد، وإن كان مفقوداً صح، ونفذت أحكامه عليهم، فإن تجدد بعد نظره أمام لم يستدم النظر إلا بعد إذنه ولم ينقص ماتقدم من حكمه (الاحکام السلطانیہ للقاضی ابی یعلی محمد بن حسین الفراء ص:۷۳، امام ابوالحسن ماوردیؒ متوفی ۴۵۰ھ کی کتاب الاحکام السلطانیہ میں بھی بالکل یہی مسئلہ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ مذکور ہے۔ ملاحظہ ہوصفحہ ۶۳، ۶۴ مطبعۃ السعادۃ مصر)۔

اگر کوئی شہر قاضی سے خالی ہوگیا اور وہاں کے لوگوں نے مجتمع ہوکر اپنے لئے کوئی

قاضی مقرر کرلیا تو دیکھا جائے گا کہ امام موجود ہے یا نہیں، اگر امام موجود ہو تو ان لوگوں کا قاضی مقرر کرنا باطل ہے، اور اگر امام مفقود ہے تو قاضی مقرر کرنا صحیح ہے اور اس قاضی کے فیصلے ان لوگوں پر نافذ ہوں گے، اگر اس شخص کے قاضی مقرر ہونے کے بعد کوئی شخص منصب امامت پر متمکن ہوا تو اس نئے امام کی اجازت کے بغیر یہ قاضی منصب قضاء پر برقرار نہیں رہ سکتا لیکن اس سے پہلے وہ قاضی جو فیصلے کر چکا ہے وہ نہیں توڑے جائیں گے۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب فتح المعین میں ہے:

**لا بـد من تولية من الامام او ماذونه ولو لمن تعين للقضاء، فان فقد الامـام فتولية أهل الحل و العقد في البلد او بعضهم مع رضا الباقين ولو ولاّه اهل جانب من البلد صح فيه دون الآخر** (فتح المعین ص۲۱۰-۲۱۱)۔

امام یا اس کے اجازت یافتہ شخص کی طرف سے منصب قضاء کی تفویض ضروری ہے، اس شخص کے لئے بھی جو تنہا قضاء کی اہلیت رکھتا ہو، اگر امام مفقود ہو تو شہر کے تمام اہل حل و عقد کی طرف سے تفویض قضاء ضروری ہے یا بعض نے تفویض کی ہو باقی لوگوں کی رضامندی کے ساتھ، اگر شہر کے ایک جانب والوں نے قاضی بنایا ہے تو انہیں لوگوں کے حق میں قضاء صحیح ہوگی دوسری جانب والوں کے لئے نہیں۔

اعانۃ الطالبین شرح فتح المعین میں عبارت بالا کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''شہر کے دوسرے حصّے کے لئے قاضی کے تقرر کا صحیح نہ ہونا اس وقت ہے جب شہر کے دوسرے حصّے کے باشندے اس قاضی پر راضی نہ ہوں ورنہ تو شہر کے دوسرے حصہ کے لئے بھی قاضی کا تقرر صحیح ہو جائے گا (اعانۃ الطالبین شرح فتح المعین ص۲۱۰-۲۱۱)۔

علامہ ابوالحسن اصبحی شافعیؒ کا فتویٰ اس مسئلہ میں یہ ہے:

**اذا عـدم فـي قـطـر ذو شوكة و حاكم ولـم يوجد للمرأة ولي ولا لـلأطـفـال وصـي فهـل لجماعة من أهل البلاد نصب فقيه، يتعامل في الابضاع والأموال فأجاب الاصبحي رحمه الله بقوله نعم، اذا لم يكن رئيـس يـرجـع أمـرهـم اليه اجتمع ثلاثة من أهل الحل والعقد و نصبوا قاضياً** (الفتاویٰ الکبریٰ لابن حجر المکی الہیثمی جلد۴، ص۳۲۶)

(سوال کیا گیا) کہ جب ملک کے کسی نواح میں حاکم نہ رہے اور عورت کے لئے

ولی نہ ہواور بچوں کے لئے وصی نہ ہوتو کیا شہر کے لوگوں میں سے کسی جماعت کو یہ اختیار ہے کہ قاضی نصب کرے، جولوگوں کے ناموس اور اموال کے احکام انجام دے،تو علامہ اصحیؒ نے جواب دیا کہ ہاں جب کوئی امیر نہ رہے جوان شرعی امور کا مرجع ومرکز ہوتو اہل حل وعقد میں سے تین شخص جمع ہوکر قاضی مقرر کرلیں۔

فقہ مالکی کی ایک عبارت تبصرۃ الحکام کے حوالہ سے گذر چکی ہے جس سے معلوم ہوا کہ فقہاء مالکیہ بعض مخصوص حالات میں ضرورت کی بنا پر امام المسلمین کی موجودگی میں بھی اہل حل وعقد کی طرف سے نصب قاضی کو درست مانتے ہیں، اس سے یہ بات خود واضح ہوجاتی ہے کہ امیر و سلطان کی عدم موجودگی میں فقہاء مالکیہ کے نزدیک اہل حل وعقد کی جانب سے قاضی مقرر کیا جانا بدرجۂ اولیٰ درست ہوگا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے الحیلۃ الناجزہ کی تالیف کے زمانہ میں مسائل تنقیح کے لئے بہت سے سوالات فقہاء مالکیہ کی خدمت میں پیش کئے اور وہ تمام سوالات اوران کے جوابات ''الحیلۃ الناجزہ'' میں شامل فرمائے،حضرت تھانویؒ کا ایک ذیلی سوال یہ تھا۔

**ان المسلمين اذا كانوا تحت حكومة غير مسلم ولم يكن ثمه قاض من جانب الحكومة فهل يصح نصب القاضي من عامة المسلمين مع ان القوة لا تحصل بمجرد نصبهم** (الحیلۃ الناجزہ ص ۱۵۷ مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)۔

مسلمان اگر غیر مسلم حکومت کے ماتحت ہوں اور وہاں حکومت کی طرف سے کوئی قاضی نہ ہوتو کیا عامۃ المسلمین کی جانب سے قاضی مقرر کیا جانا درست ہوگا، باوجود یکہ محض عامۃ المسلمین کے قاضی مقرر کردینے سے قاضی کو قوت تنفیذ حاصل نہ ہوگی۔

جس سوالنامہ میں یہ سوال شامل تھا اس کا جواب دو فقہاء مالکیہ نے دیا،حرم نبوی کے مدرس شیخ عبداللہ فوقی سوال بالا کے جواب میں لکھتے ہیں۔

**لامانع من ذلك اذا اضطر الناس الى ذلك بما دل عليه ظاهر كلام اهل المذهب** (الحیلۃ الناجزہ،ص ۱۶۱)

جب لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتو ایسا کرنے سے کوئی مانع موجود نہیں جیسا کہ علماء مذہب کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد شیخ عبداللہ فوقی نے اپنے جواب کی تائید میں فقہاء مالکیہ کی نصوص پیش کی ہیں۔

مذکورہ بالا سوالنامہ کا دوسرا جواب علامہ صالح تونسی نے دیا ہے، انہوں نے اوپر ذکر کردہ سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے۔

ونصب جماعة المسلمين لقاض يفصل بينهم الخصومات و يقطع المنازعات جائز بل يتعين في بعض الاحيان على الاعيان اذا وجدوا سبيلا اليه و عدم معارض فيه واجتماع الكلمة عليه (الحیلۃ الناجزہ:۱۶۵)

مسلمانوں کی جماعت کا ایک قاضی مقرر کرنا جوان کے مقدمات کا فیصلہ کرے اور نزاعات کو ختم کرے جائز ہے بلکہ بعض اوقات قاضی مقرر کرنا سربرآوردہ افراد پر واجب ہوجاتا ہے، جب کہ ایسا کرنا ان کے لئے ممکن ہو، مخالفت نہ ہو اور اتحاد قائم ہوجائے۔

## نصب قاضی اور فقہائے احناف

متکلمین اسلام، فقہاء مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ، کی واضح تصریحات پیش کرنے کے بعد اب ہم فقہ حنفی کی طرف رجوع کرتے ہیں، غیر مسلموں کے زیر اقتدار بسنے والے مسلمانوں کے لئے نظام قضاء کے قیام کی مشروعیت اور ضرورت نیز مسلمانوں کی طرف سے نصب قاضی کی صحت فقہ حنفی کی اہم کتابوں میں بھی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے لیکن چونکہ زیر بحث مسئلہ سے متعلق فقہ حنفی کی عبارتیں ایک مدت سے بحث ونظر کا موضوع بن چکی ہیں، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق پہلے متکلمین اسلام، فقہاء مالکیہ، شوافع، حنابلہ کی عبارتیں قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کردی جائیں تاکہ فقہاء احناف کی عبارتوں کی مراد متعین کرنے میں ہمیں سہولت ہو۔

## امام کاسانیؒ کی ایک اصولی بحث

زیر بحث جزئیہ سے ذرا ہٹ کر آیئے مشہور حنفی فقیہ امام علاء الدین ابوبکر کاسانیؒ کی ایک اصولی گفتگو پر نظر ڈالتے چلیں، موصوف نے لکھا ہے کہ جن اسباب کی بنا پر وکیل کی وکالت ختم ہوجاتی ہے، انہیں اسباب کی بنا پر قاضی منصب قضاء سے محروم ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد وکیل اور قاضی کا فرق بیان کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے:

ان الموكل اذا مات او خلع ينعزل الوكيل والخليفة اذا مات او

خلع لا تنعزل قضاته وولاته، ووجه الفرق ان الوكيل يعمل بولاية المؤكل وفي خالص حقه ايضا وقد بطلت اهلية الولاية فينعزل الوكيل والقاضي لا يعمل بولاية الخليفة وفي حقه بل بولاية المسلمين وفي حقوقهم، وانما الخليفة بمنزلة الرسول عنهم لهذا لم تلحقه العهدة كالرسول في سائر العقود والوكيل في النكاح، واذا كان رسولا كان فعله بمنزلة فعل عامة المسلمين، وولايتهم بعد موت الخليفة باقية فيبقى القاضي على ولايته وهذا بخلاف العزل فان الخليفة اذا عزل القاضي او الوالي ينعزل بعزله ولا ينعزل بموته لانه لا ينعزل بعزل الخليفة ايضاً حقيقة بل بعزل العامة لما ذكرنا أن توليته بتولية العامة، والعامة ولّوه الاستبدال دلالة لتعلق مصلحتهم بذلك فكانت ولايته منهم في العزل ايضاً، فهو الفرق بين العزل والموت. (بدائع الصنائع ج ۷، ص ۱۶)۔

مؤکل کا جب انتقال ہوجائے یا معزول کردیا جائے تو اس کا وکیل معزول ہوجائے گا اور خلیفہ کی وفات یا برطرفی سے اس کے مقرر کردہ قاضی اور حاکم معزول نہیں ہوتے، دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ وکیل موکل کی ولایت کی وجہ سے اور خالص موکل کے حق میں عمل کرتا ہے اور (موت یا برطرفی کے نتیجہ میں) موکل کی اہلیت ولایت باطل ہوچکی ہے اس لئے وکیل معزول ہوجائے گا، اور قاضی خلیفہ کی ولایت سے اور اس کے حق میں عمل نہیں کرتا بلکہ قاضی مسلمانوں کی ولایت کی وجہ سے اور مسلمانوں کے حقوق میں عمل کرتا ہے، خلیفہ کی حیثیت محض مسلمانوں کے قاصد اور پیامبر کی ہے اسی وجہ سے قاضی کے قضاء کی ذمہ داری خلیفہ کو لاحق نہیں ہوتی، جس طرح تمام عقود میں پیام رساں پر ذمہ داری نہیں آتی، اور نکاح میں وکیل پر ذمہ داری نہیں آتی، جب خلیفہ کی حیثیت پیام رساں کی ہوئی تو اس کا کام عامۃ المسلمین کے کام کے درجہ میں ہوا۔ اور خلیفہ کی وفات کے بعد بھی عامۃ المسلمین کی ولایت باقی ہے۔ لہذا قاضی اپنے منصب پر باقی رہے گا، برخلاف معزولی کے، کیونکہ خلیفہ اگر قاضی یا والی کو معزول کردے تو قاضی اور والی اس کے معزول کرنے سے معزول ہوجائیں گے اور اس کی وفات سے معزول نہیں ہوں گے اس لئے قاضی در حقیقت خلیفہ کے

معزول کرنے سے معزول نہیں ہوتا ہے بلکہ عامۃ المسلمین کے معزول کرنے سے معزول ہوتا ہے، اس کی وجہ وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ خلیفہ کی تولیت عامۃ المسلمین کی تولیت ہے، اور عامۃ المسلمین نے دلالۃً ایک قاضی کی جگہ پر دوسرے قاضی کی تقرری کی ولایت دی ہے کیونکہ اس سے ان کے مصالح وابستہ ہیں، پس معزول کرنے میں بھی عامۃ المسلمین ہی کی جانب سے خلیفہ کو ولایت حاصل ہے، معزول کرنے اور وفات میں یہی فرق ہے۔

امام کاسانیؒ کی مذکورہ بالا عبارت اصولی اعتبار سے بڑی جامع ہے اس سے معلوم ہوا کہ خلیفۃ المسلمین کو والیوں اور قاضیوں کے نصب وعزل کا اختیار نیابۃً عن المسلمین حاصل ہوتا ہے، مسلمانوں کے دینی اجتماعی عہدوں پر اہل افراد کی نامزدگی اور تولیت میں خلیفہ کی حیثیت عامۃ المسلمین کے پیام رساں کی ہوتی ہے، غرضیکہ ولایات اسلامیہ کا اصل سرچشمہ عامۃ المسلمین ہیں، اسی لئے خلیفہ کی وفات کے بعد بھی قاضی اور والی اپنے مناصب پر برقرار رہتے ہیں، جب یہ صورتِ حال ہے تو امام و سلطان کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کا نامزد کیا ہوا والی یا قاضی شرعاً والی یا قاضی کیوں نہ ہوگا۔

## فقہائے احناف کی تصریحات

امام کاسانیؒ کی اصولی گفتگو کے بعد آیئے زیر بحث مسئلہ سے متعلق فقہاء احناف کی عبارتوں کا مطالعہ کریں، جامع الفصولین کے مصنف شیخ محمود بن اسرائیل متوفی ۸۲۳ھ نے اپنی کتاب کا آغاز دارالاسلام اور دارالحرب کی بحث سے کیا ہے آغاز کتاب ہی میں انہوں نے دارالاسلام اور دارالحرب پر تفصیلی بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ چونکہ یہ ہمارے زمانے کا اہم اور زندہ مسئلہ ہے اس لئے ہم نے اس بحث کو اولیت دی ہے۔ اسی بحث میں صاحب جامع الفصولین لکھتے ہیں:

وكل مصر فيه وال مسلم من جهة الكفار تجوز فيه إقامة الجمعة والاعياد، واخذ الخراج وتقليد القضاء وتزويج الأيامىٰ لاستيلاء المسلم عليهم وأما طاعة الكفرة فهي موادعة و مخادعة و اما في بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمعة والاعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين و يجب عليهم طلب وال مسلم (جامع الفصولین، جلد اول ص ۱۴، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی)۔

ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے مسلمان والی ہو، وہاں جمعہ اور عیدین قائم کرنا، خراج کی وصولی، قاضی کی تقرری، ایامیٰ کا نکاح جائز ہے کیونکہ مسلمانوں پر مسلمان والی ہی کا استیلاء ہے، اور کافروں کی اطاعت کی حیثیت موادعت اور مخادعت کی ہے، اور جن شہروں میں کافر والی ہوں وہاں کے مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیدین قائم کرنا جائز ہے اور (ایسی جگہ) مسلمانوں کا قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے ہوگا، اور مسلمانوں کے لئے واجب ہے کہ مسلمان والی کی جستجو کریں۔

جامع الفصولین کی اس عبارت میں غیر مسلموں کے زیر اقتدار مسلم آبادی کے علاقوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ (۱) وہ شہر اور علاقے جہاں غیر مسلم سلطان کی طرف سے مسلمان حاکم مقرر ہیں۔ (۲) وہ شہر اور علاقے جہاں پر سلطان کافر نے غیر مسلم حاکم مقرر کر دئے ہیں۔ پہلی قسم کے شہروں کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے کہ مسلمان حاکم تمام دینی اجتماعی امور کا انتظام کرے گا، جمعہ اور عیدین کے لئے ائمہ مقرر کرے گا، عشر و خراج وصول کرے گا، قاضی مقرر کرے گا، غرضیکہ امام المسلمین کی ذات سے جتنے اجتماعی امور وابستہ ہوتے ہیں، سب کی انجام دہی اور نظم و انتظام یہ مسلمان حاکم کرے گا، کیونکہ یہاں کے باشندوں پر عملی حکمرانی اسی مسلمان والی کو حاصل ہے، اس نے غیر مسلم سلطان کی اطاعت اور وفاداری کا جو اظہار کیا ہے اس کی حیثیت محض حالات کی مجبوری کی بنا پر ایک مصالحت اور سیاسی اقدام کی ہے۔

دوسری قسم کے شہروں کے بارے میں مصنف نے تحریر فرمایا ہے کہ چونکہ یہ شہر مسلمان والی سے خالی ہیں، اس لئے مسلمان خود اپنے اجتماعی امور کا انتظام کریں گے، جمعہ اور عیدین کے لئے ائمہ مقرر کر کے جمعہ اور عیدین قائم کریں گے، باہمی تراضی سے فصل خصومات کے لئے قاضی مقرر کریں گے، لیکن قاضی مقرر کرنے کے بعد بھی وہاں کے مسلمانوں کی دینی ذمہ داری ہوگی کہ ایک مسلمان والی مقرر کرنے کے لئے جدوجہد کریں، کیونکہ قاضی کے ذریعہ دین کے صرف ایک اجتماعی شعبے کا نظم قائم ہوگا اور والی کے دائرہ میں دین کے تمام اجتماعی شعبے ہوتے ہیں، لہذا قاضی مقرر کر لینے سے مسلمان نصب امیر کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، گویا یہ اجتماعی نظم قائم کرنے کی مرحلہ وار کوشش ہے، کیونکہ کوئی منصب جس قدر ذمہ داری اور اختیارات کا ہوتا ہے اتنا ہی اس منصب کے لئے کسی فرد کا انتخاب اور اس پر لوگوں کا اتفاق دشوار تر ہوتا ہے، بسا اوقات

ایسے حالات ہوتے ہیں کہ منصب قضاء کے لئے کسی فرد پر اہل شہر کا اتفاق ہوسکتا ہے لیکن نصب والی کے لئے اہل شہر کی تراضی کے امکانات نہیں ہوتے، ایسے وقت میں تقرر والی کے لئے حالات سازگار نہ ہونے کی بنا پر قضاء کا کام معطل نہیں رہ سکتا بلکہ اہل شہر کا فریضہ ہوگا کہ قاضی مقرر کر کے قضاء کا عمل جاری کریں۔

## نصب امیر کا مسئلہ

جو شہر اور علاقے مسلمان امیر اور والی سے خالی ہیں، اگر وہاں ابتدائی مرحلے ہی میں والی مقرر کرنے کے لئے تراضی واتفاق حاصل ہوسکتا ہو تو بہتر صورت یہ ہے کہ اہل حل وعقد والی کا انتخاب کرلیں اور والی مسلم جمعہ واعیاد کے لئے ائمہ اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے قضاۃ مقرر کرے نیز دیگر اجتماعی شعبوں کا نظم وانتظام سنبھالے، مشہور حنفی فقیہ علامہ ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ نے لکھا ہے:

واذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبه في بلاد المغرب الآن و بلنسية و بلاد الحبشه واقروا المسلمين عندهم على مال يوخذ منهم، يجب عليهم ان يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولى قاضيا أو يكون هو الذى يقضي بينهم (فتح القدیر شرح الہدایہ جلد۵ ص۴۶۱، مطبوعہ دار صادر، بیروت)۔

اور جب (مسلم) بادشاہ نہ ہو اور نہ ایسا شخص ہو جس کی طرف سے نصبِ قاضی جائز ہو، جیسا کہ ان بعض شہروں کی حالت ہے جس پر کفار غالب ہوگئے مثلاً آج کل بلاد مغرب میں قرطبہ، بلنسیہ، اور بلاد حبشہ اور (غالب ہونے کے بعد) کفار نے کچھ مال (خراج) لے کر ان شہروں میں مسلمانوں کو اپنی زیر حکومت قیام کی اجازت دے دی ہے تو ایسی حالت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنی جماعت میں سے کسی شخص کو متفق ہوکر والی بنائیں، پس وہی والی قاضی مقرر کرے یا خود ہی مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرے۔

اوپر جامع الفصولین کی جو عبارت نقل کی گئی ہے بعینہ وہی عبارت یا اس کے ہم معنی عبارتیں فقہ حنفی کی متعدد مستند کتابوں میں مذکور ہیں، اس سلسلہ میں طحطاوی (ج ۱ ص ۳۳۹)، شامی (ردالمحتار مشہور بہ شامی، ج ۴ ص ۳۴۲ مطبوعہ المکتبہ الرشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان) اور البحر الرائق (ج ۶ ص ۲۹۸) کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

# ایک اہم اصولی بحث

خلیفہ وسلطان کی عدم موجودگی میں تمام اسلامی عہدوں کی تولیت عامۃ المسلمین کے ہاتھوں میں آجاتی ہے بلکہ فقہاء کی تصریحات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کی موجودگی میں بھی اگر کسی اسلامی منصب پر خلیفہ کی جانب سے نامزدگی پر معاملہ موقوف رکھنے میں کسی اہم دینی کام کا تعطل لازم آتا ہو یا کسی بڑے ضرر کا خطرہ ہو تو خلیفہ کی طرف سے منصب کی سپردگی پر اجتماعی دینی کام کو موقوف نہیں رکھا جائے گا بلکہ مسلمان خود مصالح شریعت اور ضرورتِ وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس دینی کام کے لئے کسی کو منتخب کریں گے، مثلاً اقامتِ جمعہ وعیدین بھی شرعاً خلیفۃ المسلمین سے وابستہ ہے، خلیفۃ المسلمین یا اس کا نامزد کیا ہوا حاکم یا اس کا مقرر کیا ہوا امام ہی جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھائے گا، لیکن اگر کسی علاقے کے نامزد حاکم کا اگر اچانک انتقال ہو گیا اور معاملہ دار الخلافۃ سے دور دراز علاقہ کا ہے۔ کوئی دوسرا شخص بھی نہیں جو خلیفہ کی طرف سے اقامتِ جمعہ واعیاد کا مجاز ہو نہ وقت میں اتنی گنجائش ہے کہ خلیفہ کو حاکم کی وفات سے مطلع کر کے دوسرا حاکم نامزد کرایا جائے، اور وہ جمعہ پڑھائے تو ایسے حالات میں خلیفہ کی طرف سے حاکم یا امام کی نامزدگی کا انتظار نہیں کیا جائے گا بلکہ شہر کے لوگ جس شخص کو امام جمعہ بنا دیں وہی نماز جمعہ پڑھانے کا مجاز ہو جائے گا۔ امام سرخسیؒ مبسوط میں لکھتے ہیں:

**فقد ذكر ابن رستم عن محمد رحمهما الله انه لو مات عامل افريقية فاجتمع الناس على رجل فصلىٰ بهم الجمعة أجزاهم لأن عثمان رحمه الله لما حصر اجتمع الناس على علي رضى الله عنه فصلىٰ بهم الجمعة ولان الخليفة انما يامر بذلك نظراً منه لهم فاذا نظروا لانفسهم واتفقوا عليه كان ذالك بمنزلة امر الخليفة اياه.** (مبسوط جلد ثانی، ص۳۵، ۳۴)۔

ابن رستم رحمۃ اللہ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ اگر (مثلاً) افریقہ کا عامل مر گیا، پس وہاں کے لوگوں نے ایک شخص پر اتفاق کر لیا اور اس شخص نے ان کو نماز جمعہ پڑھائی تو بالکل درست ہے اس لئے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور ہو گئے تھے تو اس وقت مسلمانوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اتفاق کیا اور انہوں نے نماز جمعہ پڑھائی، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ خلیفہ جو کسی کو نامزد کرتا ہے تو مسلمانوں کے فوائد کو از

خود غور کر کے مقرر کرتا ہے، پس (بحالت مجبوری) جب مسلمانوں نے اپنے فوائد کا خود لحاظ کیا اور ایک شخص پر متفق ہو گئے تو یہ اس مرتبہ میں ہوگا کہ خلیفہ نے خود اس کو مقرر کیا۔

اسلامی افواج کے لئے امیر لشکر مقرر کرنے کا اختیار بھی اصلاً خلیفۃ المسلمین کو حاصل ہوتا ہے، اگر خلیفہ نے لشکر منظم کر کے ایک شخص کو امیرِ لشکر مقرر کیا اور اس فوج کو کسی محاذ پر روانہ کیا، خلیفہ کا مقرر کیا ہوا امیر لشکر جہاد میں شہید ہو گیا تو ظاہر بات ہے کہ ان حالات میں نئے امیرِ لشکر کی تقرری کے لئے خلیفہ سے پروانہ حاصل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ عین حالت جنگ میں اگر جہاد کا عمل موقوف کر دیا گیا اور خلیفہ کے پروانہ کا انتظار کیا جانے لگا تو اسلامی فوج کو غیر معمولی ضرر لاحق ہوگا اور شکست کی ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا، لہٰذا خلیفہ کے پروانے کا ادنیٰ انتظار کئے بغیر اس فوج کے سپاہی اپنے میں سے کسی کو امیر الجیش مقرر کر لیں گے، چنانچہ غزوہ موتہ میں ایسا ہی ہوا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ کے لئے ترتیب وار تین امیر الجیش مقرر کئے تھے (۱)۔ حضرت زید بن حارثہؓ (۲) حضرت جعفر طیارؓ (۳ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، جہاد میں تینوں شہید ہو گئے، اس کے بعد جو کچھ ہوا اسے آپ مشہور سیرت نگار ابن ہشامؒ کے حوالہ سے پڑھئے:

**ثم اخذ الراية ثابت ابن اقرم اخو بني العجلان، فقال: يا معشر المسلمين: اصطلحوا على رجل منكم، قالوا: انت، قال: ما انا بفاعل فاصطلح الناس على خالد بن الوليد فلما اخذ الراية دافع القوم و حاشى بهم** (السیرۃ النبویہ لابن ہشام علیٰ ہامش الروض الانف للسہیلی ج ۲، ص ۲۵۸، مطبوعہ المکتبۃ الفاروقیہ، ملتان، پاکستان)

پھر بنو عجلان کے ایک فرد ثابت بن اقرم نے جھنڈا لے لیا اور انہوں نے کہا: اے مسلمانو! اپنے میں سے کسی فرد کی امارت پر متفق ہو جاؤ، لوگوں نے کہا: آپ مناسب ہیں، انہوں نے کہا: میں تیار نہیں ہوں، اس کے بعد تمام لوگ خالد بن ولید کی امارت پر متفق ہو گئے، جب حضرت خالد بن ولید نے جھنڈا لیا مسلم فوج کو دشمنوں سے بچا کر ایک طرف اکھٹا کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ کے مجاہدین کی طرف سے امیر الجیش کی تقرری پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

غزوۂ موتہ ہی سے متعلق ایک حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے، اس حدیث سے ہمارے

محدثین نے زیر بحث مسئلہ کے بارے میں بہت سے فوائد مستنبط کیے ہیں اس لئے یہاں پر اس کا ذکر مناسب ہے۔

**عن انسؓ بن مالک قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ الرایۃ زید فاصیب، ثم اخذھا جعفر فاصیب، ثم اخذھا عبد اللہ بن رواحۃ فاصیب وان عینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتنذر فان ثم اخذھا خالد بن ولید من غیر امرۃ فتح لہ** (بخاری شریف جلد اول، ص ۱۶۷)۔

انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زید نے جھنڈا لیا وہ شہید کر دیے گئے، پھر جعفر نے جھنڈا لیا وہ شہید کر دیے گئے، پھر عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا لیا، وہ بھی شہید کر دیے گئے (یہ کہتے ہوئے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے، پھر خالد بن ولید نے جھنڈا لیا (دربارِ رسالت سے) امیر بنائے جائے بغیر تو اللہ نے ان کے ہاتھوں فتح نصیب فرمائی۔

اس حدیث کے الفاظ ''من غیر امرۃ'' کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے (فتح الباری ج ۷، ص ۵۱۳، مطبوعہ المطبعۃ السّلفیہ) کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو امیر نہیں بنایا تھا، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ از خود امیر الجیش بن گئے تھے کیونکہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ مجاہدین نے متفق ہو کر انہیں امیر منتخب کیا تھا۔

علامہ بدالدین عینی متوفی ~~۸۵۵~~ھ نے اس حدیث سے انتہائی اہم کلی مسئلہ کا استنباط کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

**وفیہ جواز تولی امر القوم من غیر تولیۃ اذا خاف ضیاعہ وحصول الفساد بترکہ** (عمدۃ القاری ج ۶، ص ۳۷۹)

اس حدیث سے اس امر کا جواز ثابت ہے کہ قوم کے کاموں کا ولی ہونا چاہئے (اگرچہ خلیفہ یا قائم مقام خلیفہ کی طرف سے ولی نہ بنایا گیا ہو) جب قومی کام کے ضائع ہونے کا خوف ہو اور چھوڑ دینے میں فساد کے وجود کا اندیشہ ہو۔

علامہ عینیؒ کے استنباط کا حاصل یہی ہے کہ اگر خلیفہ کی طرف سے تولیت و نامزدگی کے انتظار میں ضرر کا خطرہ ہو اور تعطل نیز ضیاعِ حقوق کا ظن غالب ہو تو خلیفہ کی طرف سے نامزدگی کے بغیر محض قوم کی رضامندی اور انتخاب سے بھی اسلامی عہدہ قبول کرنا درست ہے۔

علامہ بدرالدین عینیؒ نے مشہور شارح حدیث امام خطابیؒ صاحب معالم السنن کا ایک حکیمانہ استنباط اس حدیث کے ذیل میں نقل کیا ہے، اسے بھی یہاں درج کرنا مفید اور مناسب معلوم ہوتا ہے:

فصار هذا أصلاً في الضرورات اذا وقعت من معاظم امر الدين في انها لا تراعي فيها شرائط احكامها عند عدم الضرور ة و كذا في حقوق آحاد الناس ايضاً، مثل ان يموت رجل بفلاة و خلف تركة، فان على من شهده حفظ ماله و ايصاله الى أهله و ان لم يوصي المتوفىٰ ذلك فان النصيحة واجبة للمسلمين (عمدۃ القاری، ج ٦، ص ۳۷۹)

(حضر خالد بن ولید کا واقعہ) اس شرعی قاعدہ کی اصل بن گیا کہ دن کے اہم امور کے بارے میں اگر ضرورت اور مجبوری کی صورت پیش آجائے تو اس وقت احکام کی ان شرطوں کا لحاظ نہیں کیا جائے گا، جن شرطوں کا لحاظ ضرورت و مجبوری نہ ہونے کی صورت میں (عام حالات میں) ضروری ہوتا ہے، اسی طرح افراد امت کے انفرادی حقوق کے بارے میں بھی یہی ضابطہ ہوگا، مثلاً آبادی سے دور میدان میں کسی شخص کا انتقال ہوجائے، اور وہ ترکہ چھوڑے تو جو شخص بھی وہاں موجود ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ میت کے مال کی حفاظت کرکے اس کے گھر والوں تک پہنچادے، خواہ مرنے والے نے اسے ایسا کرنے کی وصیت نہ کی ہو، کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی واجب ہے۔

بحث کے ابتدائی حصہ میں بعض فقہاء مالکیہ کا یہ مسلک گذر چکا ہے کہ دارالاسلام کے وہ دور دراز علاقے جہاں خلیفۃ المسلمین نے کوئی قاضی مقرر نہیں کیا اور نہ ہی وہاں کے باشندوں کے لئے مسافت کی دوری یا دوسرے موانع کی بنا پر خلیفہ سے قاضی مقرر کرنے کی درخواست کرنا ممکن ہے، وہاں کے ارباب حل وعقد خود اپنے علاقہ کے لئے کوئی قاضی منتخب کرلیں گے۔

ان چند اشارات سے یہ بات نکھر کر آئینہ ہوگئی کہ اسلامی شریعت کسی حال میں اسلامی مناصب کے تعطل کو پسند نہیں کرتی، مسلم معاشرہ کی دینی یا دنیوی ضروریات کا انتظام جن ولایات اسلامیہ پر موقوف ہے اور جن عہدوں کے تعطل سے معاشرہ شدید ضرر و تنگی میں مبتلا ہوتا ہے، ان سب کا بندوبست بہر صورت کیا جانا ضروری ہے اگر خلیفہ و سلطان کی عدم موجودگی یا عدم احساس ذمہ داری یا معذوری کی وجہ سے مسلم معاشرہ کے ناگزیر اجتماعی ادارے اور عہدے تعطل کے شکار ہیں تو مسلم سماج کی ذمہ داری ہے کہ ان اجتماعی اداروں کو جاری کرے اور ان عہدوں کے لئے اہل افراد کا انتخاب کرے۔

# چند وضاحتیں

بحث ختم کرنے سے پہلے چند وضاحتیں ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

فقہ حنفی کی بعض عبارتوں سے استدلال کیا جاتا ہے کہ عامۃ المسلمین یا اربابِ حل وعقد کی جانب سے نصب قاضی کسی حال میں جائز نہیں، اس سلسلہ میں خاص طور سے فتاویٰ عالمگیری کی درج ذیل عبارت پیش کی جاتی ہے۔

> اذا اجتمع أهل بلدة على رجل و جعلوه قاضيا يقضي فيما بينهم لايصير قاضيا، ولو اجتمعوا على رجل و عقدوا معه عقد السلطنة أو عقد الخلافة يصير خليفة و سلطاناً. (فتاویٰ عالمگیری ج ۳، ص ۳۱۵)۔
>
> اگر کسی شہر کے باشندوں نے متفق ہوکر ایک شخص کو قاضی بنا دیا تا کہ ان کے مقدمات کا فیصلہ کرے تو وہ شخص (شرعاً) قاضی نہیں ہوگا، اور اگر شہر کے باشندوں نے متفق ہوکر کسی کو سلطان یا خلیفہ بنا دیا تو وہ شخص خلیفہ وسلطان ہو جائے گا۔

بلا شبہ یہ عبارت انتہائی واضح ہے لیکن اس سلسلہ میں مختلف فقہاء احناف کی عبارتوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ مذکورہ بالا حکم عام حالات میں ہے جب کہ خلیفہ یا سلطان کے موجود ہونے کی وجہ سے عامۃ المسلمین کی طرف سے نصب قاضی کی ضرورت نہیں ہے، اگر شہر کے قاضی کا انتقال ہو گیا تو شہر کے باشندے خلیفہ وسلطان کو اطلاع کر کے نئے قاضی کا تقرر کرا سکتے ہیں، اطلاع کرنے اور خلیفہ کی طرف سے نئے قاضی کی نامزدگی میں اگر چند روز کی تاخیر ہو جاتی ہے تو مسلم معاشرہ کو کوئی ضرر لاحق نہیں ہوگا، مقدمات چند روز کے لئے ملتوی رہ سکتے ہیں، خلیفہ یا سلطان کی موجودگی میں کسی شہر کے باشندوں کی طرف سے از خود قاضی مقرر کرنے کا عمل ایک طرح کی عملی بغاوت ہے۔ خلیفہ و سلطان مسلم اسی لئے ہوتے ہیں کہ مسلمانوں کے دینی عہدوں اور اجتماعی ضرورتوں کا نظم وانتظام کریں، امیر مسلم کی موجودگی میں عامۃ المسلمین کو نصب قاضی کا اختیار دینے میں انتشار اور بد نظمی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

فقہ حنفی کی اہم کتابوں میں یہ وضاحت موجود ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے نصب قاضی کا

باطل ہونا صرف اس صورت میں ہے جب کہ اس کی ضرورت نہ ہو، جامع الفصولین میں ہے:

**أهل البلدة لو تبايعوا على سلطنة أحد يصير سلطانا بخلاف القاضي لضرورة في الاول لا في الثاني.** (جامع الفصولین، ج۱، ص۱۹)۔

اہل شہر اگر کسی شخص کی سلطنت پر بیعت کرلیں تو وہ سلطان ہو جائے گا، بخلاف قاضی کے، کیونکہ پہلی صورت میں ضرورت داعی ہے، دوسری صورت میں ضرورت داعی نہیں ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

**اجتمع اهل البلدة و قدموا رجلا على القضاء لا يصح لعدم الضرورة وان مات سلطانهم واجتمعوا على سلطنة رجل جاز للضرورة** (فتاویٰ بزازیہ، ج۲، ص۱۳۰، علی ہامش الجزء الخامس من الفتاویٰ الہندیہ، مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی، بیروت)۔

اہل شہر نے مجتمع ہو کر قضاء کے لئے کسی مرد کو آگے بڑھایا تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ضرورت داعی نہیں ہے، اور اگر بادشاہ مرجائے اور کسی مرد کی سلطنت پر لوگ مجتمع ہوجائیں تو جائز ہے کیونکہ ضرورت داعی ہے۔

ہمارے بلند نظر فقہاء نے مسلمانوں کی طرف سے تقررِ قاضی کے باطل ہونے کا جو حکم لگایا ہے اس کی علت ہی یہ بیان کی ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی طرف سے نصب قاضی کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا یہ باطل ہے۔ فقہاء عظام کے سامنے بلادِ اسلامیہ کا مسلم معاشرہ تھا، جہاں اس بات کا تصور ہی نہیں تھا کہ کسی شہر یا علاقہ کے مسلمان امیرِ مسلم کے بغیر زندگی گذاریں اور یہ واقعہ ہے کہ امیر مسلم کی موجودگی میں عامۃ المسلمین کی طرف سے نصب قاضی کی ادنیٰ ضرورت نہیں ہے بلکہ اس میں ضرر وانتشار ہی کا خطرہ ہے، لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ غیر مسلم ممالک کے وہ علاقے جو امیر مسلم سے محروم ہیں، اور کسی امیر پر مجتمع ہونے کی پوزیشن میں وہاں کے مسلمان نہیں ہیں، وہاں بھی مسلمانوں کی طرف سے نصب قاضی کی ضرورت نہیں ہے۔

فخر المتاخرین علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے اس مسئلہ سے متعلق فقہاء احناف کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد بڑے فیصلہ کن انداز میں تحریر فرمایا ہے:

**قلت وهذا حيث لا ضرورة والا فلهم تولية القاضي ايضا كما ياتي بعد** (شامی، ج۴، ص۳۴۲)

میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ (عامۃ المسلمین کی طرف سے نصب قاضی کا درست نہ ہونا) اس موقع کے لئے جہاں ہے ضرورت نہیں ہے، ورنہ عامۃ المسلمین کو تولیت قضاء کا بھی اختیار ہے جیسا کہ یہ مسئلہ اس کے بعد آئے گا۔

علامہ شامیؒ کی اس عبارت کا واضح مطلب یہ ہے کہ فقہاء احناف کی وہ عبارتیں جن میں مسلمانوں کی طرف سے تقرر قاضی کو باطل قرار دیا گیا ہے ان کا تعلق عام حالات سے ہے، جب کہ سلطان یا امیر مسلم کی موجودگی کی وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے نصب قاضی کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن امتِ مسلمہ کے بحرانی حالات میں جبکہ خلیفہ و سلطان مسلم موجود نہیں اور مسلمان غیر مسلم حکومت کے زیر اقتدار ہیں وہاں عامۃ المسلمین کی طرف سے نصب قاضی کی شدید ترین ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا ایسے حالات میں مسلمانوں کی طرف سے قاضی کا تقرر کیا جانا بالکل درست اور مقاصد شریعت سے ہم آہنگ عمل ہے، ظاہر بات ہے کہ ان بحرانی حالات میں بھی اگر عامۃ المسلمین کی طرف سے نصب قاضی کو باطل قرار دیا جائے گا تو قضاء شرعی کا عمل جو مسلم سماج کی اہم دینی ضرورت ہے موقوف ہو جائے گا، عمل قضاء کے موقوف ہونے سے امت مسلمہ ضیق وحرج میں مبتلا ہوگی، اصحاب حقوق کے حقوق مارے جائیں گے، ضرر وظلم کا دفعیہ نہ ہو سکے گا اور بہت سے عائلی مسائل جو قاضی کے بغیر حل نہیں ہو سکتے الجھے پڑے رہیں گے، اس لئے ان حالات میں مسلمانوں کی طرف سے نصب قاضی کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا، فقہاء احناف اور علامہ شامی کی مذکورہ بالا تحقیق کی تائید مواقف و مقاصد کی ان عبارتوں سے بھی ہوتی ہے جنہیں ہم مقالہ کے شروع میں نقل کر چکے ہیں۔

اوپر علامہ شامیؒ کی جو عبارت نقل کی گئی اس میں انہوں نے کسی آنے والی عبارت کا حوالہ دیا ہے، اس کے بعد انہوں نے درمختار کے الفاظ ولو کافراً کی شرح کرتے ہوئے سب سے پہلے فتاویٰ تاتارخانیہ کی ایک عبارت نقل کی ہے اس کے بعد فتح القدیر کی عبارت نقل کی ہے، جس میں نصب امیر کا مسئلہ ذکر کیا گیا تھا، شامی کی عبارت بالا میں آنے والی جس عبارت کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے مراد تاتارخانیہ ہی کی عبارت ہو سکتی ہے کیونکہ اسی کے اندر عامۃ المسلمین کی طرف سے نصب قاضی کا ذکر ہے۔

**واما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد و يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين فيجب عليهم طلب وال مسلم** (شامی ج۴،ص۳۴۲)۔

جن شہروں پر غیر مسلم والی مقرر ہیں وہاں کے مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیدین قائم کرنا جائز ہے۔ (ایسے شہروں میں) مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی مقرر ہوگا، اس کے بعد وہاں کے مسلمانوں کے لئے مسلمان والی کی جستجو لازم ہے۔

فتح القدیر کی عبارت کو محولہ عبارت کا مصداق قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی طرف سے نصب قاضی کا ذکر نہیں ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ مسلمان مجتمع ہوکر والی مقرر کریں اور منتخب شدہ والیِ مسلم قاضی مقرر کرے ظاہر ہے کہ یہ صورت مسلمانوں کی طرف سے نصب قاضی کی نہیں ہوئی جسے علامہ شامیؒ نے **والا فلهم تولية القاضي** کے الفاظ سے بیان کیا ہے، بلکہ یہ تو عام صورت ہوئی کہ عامۃ المسلمین خلیفہ یا امیر کا انتخاب کریں اور خلیفہ یا امیر قاضی نامزد کرے۔

# چند سوالات!

غیر مسلموں کے زیر تسلط شہروں اور علاقوں میں مسلمانوں کی جانب سے نصب قاضی کی صحت و جواز کی، بحث سے فارغ ہونے کے بعد چند اصولی سوالات پیدا ہوتے ہیں جو تقرر قاضی کے طریقۂ کار سے متعلق ہیں۔(۱) تراضی مسلمین سے تمام مسلمانوں کی تراضی مراد ہے یا صرف اہل حل وعقد کی تراضی مراد ہے۔ (۲) اگر اہل حل وعقد کی تراضی مراد ہے تو اہل حل وعقد کا مصداق کون لوگ ہیں۔ (۳) تمام اہل حل وعقد کی تراضی مراد ہے یا بعض کی یا اکثر کی، ذیل میں ہم ان تینوں سوالات کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

اوپر کے تینوں سوالوں کا حل تلاش کرنے کے لئے ہمیں نصب امام کے مسئلہ کا مطالعہ کرنا پڑے گا، امامت کا مسئلہ اصلاً ایک فقہی مسئلہ ہے لیکن چونکہ امامت کا مسئلہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں بڑا معرکۃ الآراء رہا ہے اور اس مسئلہ کی بنا پر متعدد فرقے وجود میں آئے ہیں، نیز شیعوں کے عقیدۂ امامت کی وجہ سے مسئلہ امامت کا رشتہ عقائد سے بھی جڑ گیا ہے، اس لئے متکلمین اسلام نے امامت کے مسئلہ کو اولین اہمیت دی، مسئلہ امامت پر متکلمانہ اور مناظرانہ بحثیں کیں، فقہاء اسلام نے متکلمین پر تکیہ کر کے مسئلہ امامت سے زیادہ اعتناء نہیں برتا، متکلمین کی بحثیں اور نکتہ آفرینیاں اپنی جگہ پر بڑی مفید اور گراں قدر ہیں، لیکن ان کی تحریروں سے نصبِ امام کے فقہی اور قانونی پہلو پر زیادہ روشنی نہیں پڑتی، الاحکام السلطانیہ کے موضوع پر فقہاء اسلام کی کتابوں نے امامت کے فقہی اور قانونی پہلو کو خاصا اجاگر کیا ہے۔

قضاء کا مسئلہ امامت کے مسئلہ سے جڑا ہوا ہے، اصلاً امام المسلمین ہی کا فریضہ ہے کہ وہ فصل خصومات کا کام انجام دے، لیکن چونکہ امام اپنی گوناگوں اجتماعی ذمہ داریوں کی وجہ سے اس فریضہ کی ادائیگی نہیں کر سکتا، اس لئے شریعت نے امام کو مکلف بنایا ہے کہ اسلامی مملکت کے ہر ہر علاقے اور شہر میں قاضی مقرر کرے تاکہ اسلامی مملکت کے تمام باشندے بہ سہولت انصاف حاصل کر سکیں اور اپنے مقدمات فیصل کرا سکیں، عمل قضاء امامت ہی کا ایک اہم جز ہے اس لئے

امام وسلطان کی عدم موجودگی میں نصب قاضی کا اختیار انہیں افراد کے ہاتھوں میں آئے گا جو شرعاً نصب امام کے مجاز ہوتے ہیں۔

# نصب قاضی کی ذمہ داری کس پر؟

نصب امام اور نصب قاضی دونوں فرض کفایہ ہیں، فرض کفایہ ادا کرنے کی ذمہ داری امت پر من حیث المجموع عائد ہوتی ہے، انفرادی طور پر ہر فرد فرض کفایہ کا مکلف نہیں ہوتا ہے اسے ادا کرنے کی اولین ذمہ داری ان افراد پر عائد ہوتی ہے جو اسے ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں یا اس کی ادائیگی میں کسی طرح کی مدد کرسکتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ نصب امام کی اہلیت ہر شخص میں نہیں ہوتی، نصب امام کے مسئلے میں وہی شخص رائے دینے اور دخیل بننے کی اہلیت رکھتا ہے، جو کم از کم یہ جانتا ہو کہ امام المسلمین میں کیا اوصاف اور اہلیتیں شرعاً ضروری ہیں؟ اور حالات کے پیش نظر کس شخص کا انتخاب اس اہم کام کے لئے موزوں رہے گا، اسی لئے فقہاء و متکلمین نے عام مسلمانوں کو نصب امام کا مجاز نہیں قرار دیا بلکہ اہل حل وعقد یا دوسرے الفاظ میں اہل اختیار کو نصب امام کا مجاز ٹھہرایا۔

امام ابوالحسن ماوردیؒ نے لکھا ہے:

والامامة تنعقد من وجهين: احدهما باختيار اهل الحل و العقد، والثاني بعهد الامام من قبل (الاحکام السلطانیہ ص ۶)

امامت کا انعقاد دو طریقوں سے ہوتا ہے، پہلا طریقہ اہل حل وعقد کا منتخب کرنا، دوسرا طریقہ سابق امام وخلیفہ کی طرف سے نامزدگی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ انعقاد خلافت کے مختلف طریقوں پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

طریق اول بیعت اہل حل وعقد است (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ج ۱، ص ۱۴)

انعقاد خلافت کا پہلا طریقہ اہل حل وعقد کا بیعت کرنا ہے۔

نصب امام کی طرح نصب قاضی کا تعلق بھی عوام سے نہیں بلکہ اہل حل وعقد سے ہوتا ہے جو عامۃ المسلمین کے نمائندہ اور رہنما ہوتے ہیں۔ لہذا جس شہر یا جس علاقہ کے لئے قاضی مقرر کرنا ہے وہاں کے اہل حل وعقد ہی اس کا انتخاب کرسکتے ہیں، یہاں اصولی طور پر یہ بات ذہن

نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام میں مغربی طرز کی جمہوریت کی گنجائش نہیں ہے جس میں ہر شخص ہر مسئلہ پر بولنے اور رائے زنی کا حق رکھتا ہے، اسلام نے یہ تصور دیا ہے اور اس پر اصرار کیا ہے کہ کسی موضوع پر اور کسی عہدہ و منصب کے بارے میں انہیں افراد کی رائے قابل لحاظ قرار دی جائے گی جو اس موضوع اور منصب کی حقیقت، دائرۂ کار اور اس عہدہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مطلوبہ صفات کی پوری واقفیت رکھتے ہوں۔ اس مختصر بحث سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ نصب قاضی کی ذمہ داری اصلاً اہل حل وعقد پر عائد ہوتی ہے اور وہی لوگ شرعاً نصب قاضی کا اختیار رکھتے ہیں۔

# اہل حل وعقد کی تشریح

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ اہل حل وعقد کا مصداق کون لوگ ہیں، اس سلسلے میں متکلمین و فقہاء کے یہاں دو رائیں ملتی ہیں۔

شارح مقاصد نے اہل حل وعقد کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے "من العلماء و الرؤساء و وجوه الناس" (شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۷۲) شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفاء میں انعقاد خلافت کی بحث میں لکھا ہے:

طریق اول بیعت اہل حل وعقد است از علماء وقضاۃ وامراء ووجوہ الناس (ازالۃ الخفاء، ج ۱ ص ۱۴)

پہلا طریقہ علماء، قضاۃ، امراء، اعیان قوم میں سے اہل حل وعقد کا بیعت کرنا ہے۔

اس تشریح کے اعتبار سے اہل حل وعقد میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے بااثر اور نمائندہ افراد شامل ہوجاتے ہیں، جن کی پشت پناہی سے خلیفہ کو غلبہ واقتدار حاصل ہونے کا ظن غالب ہو۔

دوسرا نظریہ مشہور شافعی فقیہ امام ابوالحسن ماوردیؒ کا ہے، انہوں نے اہل حل وعقد کے بجائے "اہل اختیار" کی اصطلاح اختیار کی ہے، انہوں نے امامت کی بحث میں لکھا ہے کہ اہل اختیار وہ افراد کہلائیں گے جن میں تین اوصاف پائے جائیں:

اما اهل الاختيار فالشروط المعتبرة فيهم ثلاثة، احدها العدالة

الجامعة لشروطها والثاني العلم الذی يتوصل به الی معرفة من يستحق الامامة علی الشروط المعتبرة فيها، والثالث الرأی والحكمة المؤديان الی اختيار من هو اصلح للامامة و بتدبير المصالح أقوم و أعرف (الاحکام السلطانیہ ص ۶)

جہاں تک اہل اختیار کی بحث کا تعلق ہے تو ان میں قابل لحاظ شرطیں تین ہیں (۱) ایسی عدالت جو تمام شرطوں کی جامع ہو۔ (۲) ایسا علم جس سے یہ جانا جاسکے کہ امامت کا مستحق کون شخص ہوتا ہے یعنی شرائط امامت کا علم، (۳) اصابت رائے اور حسن تدبیر جس کی روشنی میں ایسے شخص کا انتخاب کرسکے جو امامت کے لئے لائق ترین ہو اور مصالح قوم کی تدبیر سے خوب واقف اور قابو یافتہ ہو۔

اس تشریح کے اعتبار سے اہل اختیار کا دائرہ مختصر سے مختصر ہو گیا ہے، مثلا انتخاب قاضی کے مسئلہ میں صرف وہ افراد اہل اختیار شمار ہوں گے جو شرعی اصطلاح میں عادل ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا علم بھی رکھتے ہوں، جس کی روشنی میں جان سکیں کہ قاضی میں کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے، اور اہلیت قضاء کے لئے کیا شرطیں ہیں، نیز اپنے معاشرے اور حالات کا اچھا مطالعہ رکھتے ہوں تاکہ منصب قضاء کے لئے کسی اہل اور موزوں آدمی کا انتخاب کرسکیں۔

میرے خیال میں ماوردیؒ کا نظریہ اصولی اعتبار سے بہت درست اور جامع ہے لیکن جن متکلمین وفقہاء نے اہل حل وعقد کے دائرے میں وسعت پیدا کر کے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے بااثر اور نمائندہ افراد کو بھی اہل حل وعقد میں شامل کیا ہے۔ ان کا فقہی نظریہ بھی بڑی حکمت اور حالات کے حقیقت پسندانہ مطالعہ پر مبنی ہے، ہمارے متکلمین وفقہاء کرام کے سامنے دارالاسلام کا معاشرہ تھا جس میں سطوت واقتدار کے بغیر امام کا منصب امامت پر باقی رہنا ممکن نہ تھا، اگر امام قوت واقتدار سے عاری ہوتا تو کوئی طاقتور اور صاحب اقتدار شخص درالاسلام پر غلبہ حاصل کر کے اسے منصب امامت سے محروم کر دیتا، کیونکہ تغلب کی صورت میں ہر شرط ساقط ہو جاتی ہے اور متغلب کو مجبوراً امام وسلطان تسلیم کرلیا جاتا ہے، اس لئے ہمارے حقیقت پسند فقہاء و متکلمین نے اہل اختیار کے دائرہ میں وسعت پیدا کر کے ہر شعبۂ زندگی کے نمائندہ اور بااثر افراد کو اس میں

شامل کرلیا تا کہ منتخب امام کو زبردست پشت پناہی حاصل ہو، اسے غلبہ واقتدار حاصل ہو جائے اور کوئی شخص اس کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کی جرأت نہ کرے، اسی لئے بعض متکلمین نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ امت کے معاملات کی گرہ کشائی اگر تنہا ایک شخص کے ہاتھ میں آجائے اور وہی در وبست کا مالک ہو جائے، پوری امت اس کی پشت پر ہو اور اس پر مکمل اعتماد کرتی ہو تو تنہا اس شخص کا بیعت کر لینا انعقاد امامت کے لئے کافی ہے۔ (شرح المقاصد، ج ۲، ص ۲۷۲)۔

غیر مسلموں کے زیر تسلط علاقوں میں بسنے والے مسلمان اپنے لئے جو امیر یا قاضی منتخب کرتے ہیں، اس میں اگرچہ مادی شوکت واقتدار اور فوجی غلبہ و برتری کا سوال نہیں پیدا ہوتا، نہ اس کا خطرہ ہوتا ہے کہ دوسرا شخص اپنا غلبہ واقتدار حاصل کرلے، لیکن اخلاقی تائید اور معنوی اثر و نفوذ کی ضرورت سے یہاں بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لئے بنیادی طور پر انتخاب قاضی کا کام اگرچہ وہی افراد انجام دیں گے، جن میں امام ماوردیؒ کے ذکر کردہ تینوں اوصاف موجود ہوں، لیکن مقاصد شریعت کو بروئے کار لانے کے لئے ثانوی طور پر مختلف شعبہ ہائے زندگی کے متدین و بااثر افراد کو انتخاب قاضی کے عمل میں شریک کرنا ضروری ہے تا کہ قاضی کو زیادہ سے زیادہ عوامی تعاون واعتماد اور اخلاقی قوت حاصل ہو جائے اور لوگ اس کے فیصلے سے انحراف نہ کر سکیں، سماجی اور اخلاقی دباؤ مادی قوت سے زیادہ مؤثر اور کارگر ہوتا ہے۔

# کیا نصب قاضی کے لئے اتفاق شرط ہے؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ کسی شہر یا کسی علاقہ میں نصب قاضی کرنے کے لئے وہاں کے تمام اہل حل وعقد کا اتفاق شرط ہے یا اکثریت کا، یا صرف بعض اہل حل وعقد کا قاضی مقرر کر دینا صحیح اور کافی ہے؟

تمام اہل حل وعقد کے متفق ہونے کی شرط بداہۃً باطل ہے، کیونکہ اگر اتفاق کی شرط کو درست مان لیا جائے تو شاذ و نادر ہی کسی جگہ امیر یا قاضی مقرر ہو سکے گا، تمام اہل حل وعقد کا اجتماع واتفاق عقلاً ممکن ضرور ہے لیکن عادۃً اور عملاً ممکن نہیں، خصوصاً آج کل کے حالات میں اور کفار کے زیر اقتدار بسنے والے مسلمانوں میں۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے انتخاب پر بھی تمام اہل حل وعقد متفق نہ ہو سکے تھے، انتخاب خلیفہ میں تمام اہل حل وعقد کے اتفاق کو شاہ ولی

اللہؒ نے اسی بنا پر باطل قرار دیا ہے کہ ایسا ہونا ممتنع ہے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

واتفاق اہل حل وعقد جمیع بلاد اسلام شرط نیست، زیرا کہ آں ممتنع است، (ازالۃ الخفاء، ج۱، ص:۱۴، ۱۵)۔

تمام بلاد اسلامیہ کے اہل حل وعقد کا اتفاق شرط نہیں ہے، کیوں کہ ایسا اتفاق محال ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

**من قال انه يصير اماما بموافقة واحد او اثنين او اربعة وليسوا هم ذوى القدرة والشوكة فقد غلط كما ان من ظن ان تخلف الواحد او الاثنين او العشرة يضر فقد غلط** (منہاج السنۃ، ج۱، ص۱۹۰، مطبوعہ مکتبۃ الریاض الحدیثۃ)۔

جو شخص یہ کہے کہ ایک یا دو یا چار ایسے افراد جنہیں اقتدار اور شوکت بھی حاصل نہ ہو ان کے اتفاق کر لینے سے کوئی آدمی امام بن جائے گا وہ غلطی پر ہے، جس طرح وہ شخص غلطی پر ہے جو سمجھتا ہے کہ ایک یا دو یا دس افراد کا بیعت نہ کرنا انعقادِ خلافت میں مانع ہے۔

غیر مسلم سلطنت واقتدار میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے انتخاب قاضی کا طریقہ کیا ہوگا، اس کے بارے میں فقہ حنفی میں تفصیل نہیں ملتی، ہاں فقہاء شافعیہ کے یہاں نسبۃً زیادہ تفصیلات ملتی ہیں، فتاویٰ کبریٰ میں علامہ ابوالحسن اصحی شافعی کا فتویٰ ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

**اذا عدم فى قطر ذو شوكة و حاكم ولم يوجد للمرأة ولى ولا للاطفال وصى فهل لجماعة من اهل البلاد نصب فقيه يتعامل الاحكام فى الابضاع والاموال فاجاب الاصبحى رحمه الله بقوله نعم اِذا لم يكن رئيس يرجع امرهم اليه اجتمع ثلاثة من اهل الحل و العقد و نصبوا قاضياً** (الفتاویٰ الکبریٰ لابن حجر المکی الہیتمی جلد۴ ص،۳۲۶)۔

(سوال کیا گیا) کہ جب کسی علاقہ میں حاکم نہ رہے، اور عورتوں کے لئے ولی نہ ہو اور بچوں کے لئے وصی نہ ہو تو کیا شہر کے لوگوں میں سے کسی جماعت کو یہ اختیار ہے کہ قاضی نصب کرے جو لوگوں کے ناموس اور اموال کے احکام انجام دے، تو علامہ اصحیؒ نے جواب دیا کہ ہاں جب امیر نہ رہے جو شرعی امور کا مرجع و مرکز ہو تو اہل حل و عقد میں سے تین شخص جمع ہوں اور قاضی مقرر کر لیں۔

علامہ اصبحیؒ کے مذکورہ بالا فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک نصب قاضی کے لئے اہل حل وعقد کی اکثریت کا مجتمع ہونا بھی ضروری نہیں، لیکن فقہاء شافعیہ کی دوسری عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس محفل میں انتخاب قاضی ہو اس میں اگر چہ سارے یا اکثر حل وعقد کی شرکت شرط نہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اسے عموماً اہل حل وعقد کی تائید اور رضامندی حاصل ہو، فقہ شافعی کی مشہور کتاب فتح العین میں ہے:

**لا بـد من تولية من الامام او ماذونه ولو لمن تعين للقضاء، فان فقد الامـام فتولية اهل الحل و العقد فى البلد او بعضهم مع رضا الباقين ولو ولاه اهل جانب من البلد صح فيه دون الآخر** (فتح المعین، ص:۲۱۰، ۲۱۱)۔

امام یا اس کے اجازت یافتہ شخص کی طرف سے منصب قضاء کی تفویض ضروری ہے، اس شخص کے لئے بھی جو اہلیت قضاء میں تنہا ہو اگر امام مفقود ہو تو شہر کے تمام اہل حل وعقد کی طرف سے تفویض قضاء ضروری ہے، یا بعض نے تفویض کی ہو، باقی لوگوں کی رضامندی کے ساتھ، اگر شہر کے ایک جانب والوں نے قاضی بنایا ہے تو انہیں کے حق میں قضاء صحیح ہوگی، دوسری جانب والوں کے لئے نہیں۔

صاحب فتح المعین کی مذکورہ تحقیق فقہاء احناف کی اس عبارت سے قریب تر ہے۔

**ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين**

(کفار کے زیر اقتدار والے علاقوں میں) مسلمانوں کی رضامندی سے منصب قضاء کا انعقاد ہوگا۔

## حاصل کلام

فقہاء کرام کی ان عبارتوں کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب قاضی ایسے طریقے سے ہو جس سے مسلمانوں میں اجتماعیت پیدا ہو سکے، اہل حل وعقد اور عامۃ المسلمین کی غالب اکثریت کو اس پر اعتماد ہو، ایسا نہ ہو کہ چند افراد جنہیں چند فیصد خواص وعوام کا بھی اعتماد حاصل نہیں ہے کسی قاضی کا انتخاب کرلیں، اور مسلمانوں میں ایک نیا انتشار پیدا ہو جائے۔

علامہ صالح تونسیؒ مالکی نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایک مشہور

سوال کے جواب میں فرمایا:

**و نصب جماعة المسلمین لقاض یفصل بینهم الخصومات و یقطع المنازعات جائز بل یتعین علی الاعیان اذا وجدوا سبیلا الیه و عدم معارض و اجتماع الکلمة علیه** (الحیلۃ الناجزہ،ص ۱۶۵)۔

مسلمانوں کی جماعت کا ایک قاضی مقرر کرنا جوان کے مقدمات کا فیصلہ کرے اور نزاعات کوختم کرے جائز ہے بلکہ بعض اوقات قاضی مقرر کرنا سربرآوردہ افراد پر واجب ہوتا ہے، جب کہ ایسا کرنا ان کے لئے ممکن ہو، مخالفت نہ ہو، اور اجتماعیت قائم ہوجائے۔

اس عبارت کا بھی حاصل یہی ہے کہ نصب قاضی اس طور سے ہونا چاہئے کہ اس سے مسلمانوں میں اجتماعیت قائم ہو، بڑے سے بڑے پیمانے پر تراضی و اتفاق حاصل ہو سکے، یہ بات محتاج بیان نہیں کہ محض چند فیصد افراد سے نہ اجتماعیت کا قیام عمل میں آتا ہے نہ چند افراد کی مخالفت سے وحدت و اجتماعیت پارہ پارہ ہوتی ہے۔

# خلاصۂ بحث

گذشتہ صفحات میں جو بحث پیش کی گئی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان جہاں بھی آباد ہوں نظامِ قضاء قائم کرنا ان کا دینی اجتماعی فریضہ ہے، فقہاء نے تقررِ قاضی کو فرض قرار دیا ہے، کیونکہ اپنے تنازعات اور مقدمات کا فیصلہ اسلامی قوانین کے مطابق کرانا قرآنی تصریحات کے مطابق مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ کام نصب قاضی کے بغیر انجام نہیں پاسکتا، امیر المؤمنین یا سلطانِ مسلم کی موجودگی میں دوسرے دینی و اجتماعی کاموں کی طرح قضاء شرعی کا نظام قائم کرنے کی ذمہ داری بھی امیر و سلطان کے اوپر عائد ہوتی ہے۔ لیکن جن علاقوں میں کوئی مسلمان حاکم موجود نہیں ہے بلکہ مسلمان غیر مسلموں کے زیر اقتدار آ گئے ہیں، اور وہاں کا حاکم غیر مسلم ہے، ایسے علاقوں میں دین کے اجتماعی شعبوں کے نظم و انتظام کی ذمہ داری عامۃ المسلمین کے سر آجاتی ہے، اور وہاں کے اہل حل وعقد عامۃ المسلمین کے نمائندہ کی حیثیت سے ان اجتماعی کاموں کی انجام دہی کے ذمہ دار ہیں، کفار کے زیر تسلط شہروں اور علاقوں میں اہل حل وعقد کی طرف سے نصب قاضی کا درست

ہونا علم کلام کی اہم کتابوں میں مذکور ہے، اور چاروں فقہی مسالک کی مستند کتابوں میں بھی۔

ہندوستان کے موجودہ نازک تر حالات میں جب کہ اسلامی شریعت کو بڑے اہم چیلنجوں اور خطرات کا سامنا ہے مسلمانان ہند کی دینی ذمہ داری ہے کہ پورے ہندوستان میں قضاء شرعی کا نظام قائم کریں، مسلمانوں میں ایسی فضاء بنائیں کہ وہ اپنے تنازعات خصوصاً عائلی مقدمات سرکاری عدالتوں میں لے جانے کے بجائے اپنے اپنے علاقہ کے دارالقضاء میں لے جائیں اور وہاں کے فیصلوں کو خوشی خوشی اپنے اوپر نافذ کریں۔

# طریقۂ کار

ہندوستان کے موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قضاء کا کام ''کل ہند'' پیمانے پر شروع کرنے کے بجائے مختصر پیمانے پر شروع کیا جائے، ایک ضلع یا چند تحصیلوں کو ایک اکائی مان کر نظام قضاء قائم کرنے کی جد وجہد کی جائے، پورے ضلع کا دورہ کر کے گاؤں گاؤں، قصبے قصبے جا کر نظام قضاء کی ضرورت اور افادیت سمجھائی جائے، پورے ضلع کے سرکردہ افراد خصوصاً علماء کو جوڑنے اور متحد کرنے کی سرتوڑ کوشش کی جائے، ذاتی اور جماعتی مفادات، گروہی تعصبات سے بلند ہو کر اگر محنت کی جائے تو اتحاد پیدا ہونا کوئی مشکل کام نہیں، پورے علاقہ میں فضا تیار اور سازگار ہونے کے بعد کسی معاملہ فہم، مخلص، بردبار، باصلاحیت عالم فقیہ کو قاضی منتخب کرلیا جائے اور انتخاب میں مکمل اتفاق یا بڑے پیمانے پر تراضی وتائید حاصل کرنے کی انتھک کوشش کی جائے تاکہ اجتماعیت قائم ہو جائے اور گروہ بندی کی نوبت نہ آئے۔

اگر کسی ایک قاضی پر اتفاق وتراضی ممکن نہ ہو تو فقہ حنفی کے اعتبار سے اس کی بھی گنجائش ہے کہ ایک ہی جگہ کئی قاضی مقرر کردئے جائیں ایک ''قاضی کونسل'' تشکیل دے دی جائے جس میں قضاء کی اہلیت رکھنے والے متعدد علماء شامل ہوں اور ''قاضی کونسل'' کے ارکان مل جل کر قضاء کا طریقۂ کار طے کرلیں، ''قاضی کونسل'' کے اندر انہیں علماء کو رکھا جائے جن میں قضاء کی اہلیت ہو، ''قاضی کونسل'' پر اتفاق حاصل کرنا ایک قاضی پر اتفاق حاصل کرنے کے مقابلہ زیادہ آسان ہے۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ نے اپنی مشہور کتاب ''المغنی'' (المغنی در

شرح الکبیر ج ۱۱، ص ۴۸۲-۴۸۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت) میں ایک ہی شہر میں ایک سے زیادہ قاضی مقرر کرنے کے مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے اگر ایک ہی شہر میں دو یا دو سے زیادہ قاضی مقرر کئے گئے، اور ہر ایک کا دائرہ عمل الگ الگ متعین کر دیا گیا، مثلاً ایک کے سپرد مالی مقدمات کئے گئے، دوسرے کے سپرد نکاح وطلاق وغیرہ کے لئے مقدمات کئے گئے یا ہر قاضی کے لئے شہر کا ایک علاقہ مخصوص کر دیا گیا تو ان صورتوں میں کئی قاضیوں کا تقرر بالاتفاق درست ہے، اور اگر ایک ہی شہر میں دو یا دو سے زیادہ قاضی اس طور پر مقرر کئے کہ نہ ہر ایک کا دائرہ عمل الگ کیا، نہ علاقے مخصوص کئے تو فقہ حنفی میں ایسا کرنا جائز ہے، حنبلی فقہاء بھی اسے جائز کہتے ہیں، فقہ شافعی میں بھی ایک قول کے اعتبار سے درست ہے، ابن قدامہ نے بھی اسی قول کو اصح قرار دیا ہے، لیکن فقہ شافعی کے دوسرے قول کے اعتبار سے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

مشہور شافعی فقیہ امام ابوالحسن ماوردی متوفی ۴۵۰ھ نے اپنی گرانمایہ کتاب ''ادب القاضی'' میں مسئلہ بالا پر بحث کرتے ہوئے فقہ شافعی کے اسی قول کو راجح، (ادب القاضی ج ۱ ص ۱۵۷-۱۵۸ مطبوعہ مطبعۃ الارشاد بغداد، تحقیق محی ہلال السرحان) قرار دیا ہے جس میں دائرہ عمل اور علاقوں کی تقسیم کے بغیر بھی ایک شہر میں کئی قاضیوں کے تقرر کو جائز کہا گیا ہے۔

# معہد الشریعہ لکھنؤ

# اغراض ومقاصد

(۱) دور حاضر میں اسلام کی اطمینان بخش تعبیر وتشریح کرنا اور اسلامی شریعت کی ایسی ترجمانی کرنا جو موجودہ نسل کے دل ودماغ کو مطمئن کر سکے۔

(۲) اسلامی شریعت کے انسانی اور عادلانہ پہلوؤں کو خاص طور پر اجاگر کرنا اور اسلام کی ان تعلیمات کی ترویج اور اشاعت کرنا جن سے اسلام کی میانہ روی، وسطیت، رواداری اور عدل گستری واضح ہوتی ہے۔

(۳) مسلمانوں میں اسلامی شریعت کے تئیں بیداری پیدا کرنا، اس بات کی کوشش کرنا کہ مسلمان اپنی عام زندگی میں اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہوں، اور شرعی احکام سے واقف ہونے کی کوشش کریں۔

(۴) مسلمانوں کے مختلف طبقات (وکلاء، ڈاکٹرس، تجار وغیرہ) کو ان سے متعلق شرعی احکام کی واقفیت بہم پہنچانے کے لئے مختلف قسم کے پروگرام ترتیب دینا، مختصر مدتی کورس جاری کرنا، کیمپس منعقد کرنا وغیرہ۔

(۵) مسلمان نوجوانوں کو اسلامی شریعت سے واقف کرانے اور شریعت پر ان کا اعتماد قائم ومستحکم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا۔

(۶) اسلامی شریعت کے بارے میں غیر مسلموں میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے سیمنار، سمپوزیم وغیرہ منعقد کرنا اور اس مقصد کے لئے جدید ذرائع ابلاغ کا

بھرپور استعمال کرنا۔

(۷) اسلامی شریعت کے مصادر اور اسلامی شریعت سے وابستہ مختلف موضوعات پر ریسرچ و تحقیق کرانا، اسلامی شریعت کے ماہرین کی مدد سے اس کا منصوبہ بنانا۔

(۸) دینی مدارس کے باصلاحیت اور ہونہار فضلاء کو مختلف اسلامی علوم اور عصری علوم میں ماہر بنانے کے لئے تکمیل و تخصص کے کورس تیار کرنا اور جاری کرنا۔

(۹) اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیز کے مسلم طلبہ کو اسلامی شریعت سے واقف کرانے کے لئے منصوبہ سازی اور اقدامات کرنا۔

(۱۰) اسلامی شریعت پر کام کرنے والے تحقیقی اور تصنیفی اداروں سے رابطہ رکھنے کی کوشش کرنا اوران کے اشتراک وتعاون سے اسلامی شریعت پر مختلف منصوبوں کو روبہ عمل لانا۔

(۱۱) مذکورہ بالا مقاصد کے لئے ادارے قائم کرنا، سیمینار، سمپوزیم منعقد کرنا، اسٹڈی گروپ تشکیل دینا اور ایسا ہر کام کرنا جو مقاصد بالا کو پورا کرنے والا ہو۔

# مصنف ایک نظر میں

نام: عتیق احمد بن محمد رفیق مرحوم

سن پیدائش: ۱۹۵۴ء

ابتدائی تعلیم: مدرسہ نور العلوم بہرائچ

فضیلت وافتاء: دار العلوم دیوبند (۱۳۹۳ھ-۱۳۹۴/۱۹۷۳،۱۹۷۴)

موجودہ مشغولیت: استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (از ۱۹۸۰ء)

چند عہدے اور ذمہ داریاں:

(۱) صدر وبانی معہد الشریعۃ لکھنؤ

(۲) سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

(۳) رکن اساسی ورکن عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

(۴) رکن اساسی آل انڈیا ملی کونسل

(۵) رکن اساسی المعہد العالی الاسلامی پھلواری شریف پٹنہ

فون اور ای میل: 09839776083
m.ateeque.bastavi@gmail.com

چند تصنیفات:

(۱) ہندوستان میں نفاذ شریعت

(۲) زکوۃ کے مصارف

(۳) زکوۃ اور مسئلہ تملیک

(۴) ہندوستان اور نظام قضا

(۵) ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا مسئلہ

(۶) اصولی مباحث (اجتہاد، عرف وعادت، ضرورت وحاجت وغیرہ اصول مباحث پر تحقیقی مقالات)

(۷) اسلامی نکاح

(۸) چند اصحاب عزیمت

(۹) دعوت اسلام - ایک اہم فریضہ

(۱۰) اسلامی سزائیں اور جرائم کی روک تھام

(۱۱) عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان

(۱۲) تحقیق وتسہیل ازالۃ الشکوک تصنیف حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (چار جلدیں)

(۱۳) اسلام کا نظام میراث

(۱۴) حضرت علامہ شیخ رحمت اللہ کیرانویؒ مہاجر مکی - حیات وخدمات

(۱۵) دعوت فکر وعمل

(۱۶) طلاق ---- کب؟ کیوں؟ اور کیسے؟